شفاء السقام

في

زيارة خير الأنام

للشيخ الإمام الفقيه المحدث تقي الدين السبكي الشافعي رحمه الله

مترجم

علامہ محمد ظہور اللہ الازہری

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ لاہور

شفاء السقام
في زيارة خير الأنام





للشيخ الإمام الفقيه المحدث تقي الدين السبكي الشافعي رحمه الله تعالى

مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِی

شفاء السقام

فی

زیارۃ خیر الانام

للشیخ الإمام الفقیہ المحدث تقی الدین السبکی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ محمد ظہور اللہ الازہری

لیکچرر دی منہاج یونیورسٹی لاہور

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

نام کتاب ------------ شفاء السقام فی زیارت خیر الانام اردو عربی

مصنف -------------- امام تقی الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم --------------- علامہ محمد ظہور اللہ الازہری

صفحات ------------- ۵۶۰

باہتمام -------------- سیّد شجاعت رسول شاہ قادری

باراوّل ------------- رجب المرجب ۱۴۲۵ھ، ستمبر ۲۰۰۴ء

ناشر --------------- نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور

کمپیوٹر کوڈ ------------ 1N-92

قیمت --------------- -/225 روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ، لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 626046

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

دوسرا باب: اُن احادیث کا بیان جن میں لفظِ زیارت نہیں

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

وہی (اللہ) میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے۔ تمام حمد وثنا مخصوص ہیں اس ذات باری تعالی کے لئے جس نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کی صورت میں ہم پر احسان فرمایا اور انہی کے ذریعے ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی اور ہمیں ان کی عزت وتکریم کرنے کا حکم فرمایا اور ہر مومن پر فرض کیا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی ذات اپنے والدین اور دوستوں سے زیادہ محبوب رکھے اور اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیب حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت اور خوشنودی کا سبب قرار دیا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو شیطان کے مکر اور گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذکر مبارک کو اس طرح رفعت وبلندی عطا فرمائی اور آپ کی اس طرح قرآن مجید میں تعریف کی کہ آپ ﷺ کو تمام تعریفوں سے مستغنی کردیا جب تک (اس کائنات سماوی میں) ستارے جگمگاتے رہیں اس وقت تک آپ ﷺ پر درود وسلام (کی رحمتوں کی بارشیں) ہوتی رہیں۔

میں نے اس کتاب کا نام " شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" (مخلوقات میں سے بہترین ہستی (حضور نبی اکرم ﷺ) کی زیارت قلبی امراض سے شفایابی کا باعث ہے) رکھا۔ اور اس کے دس ابواب بنائے۔

پہلا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

دوسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بیان میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ پر دلالت کرتی ہیں مگر ان احادیث مبارکہ میں لفظ زیارت مذکور نہیں ہے۔

تیسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کے متعلق ہیں۔

چوتھا باب: علمائے کرام کے ان اقوال کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

پانچواں باب: اس بحث سے متعلق ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ باعث قربت ہے۔

چھٹا باب: اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے محض سفر کرنا بھی قربت کا سبب بنتا ہے۔

ساتواں باب: زیارت قبر رسول ﷺ کے مخالفین کے شبہات کا ازالہ اور ان کا رد بیان کرنا ہے

آٹھواں باب: توسل اور استغاثہ سے متعلق ہے۔

نواں باب: اس امر کو واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

دسواں باب: شفاعت رسول ﷺ کے بارے میں ہے کیونکہ شفاعت کا تعلق بھی زیارت قبر رسول ﷺ سے ہے اس لئے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ"

میں نے اس کتاب کے ضمن میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جنھوں نے زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق تمام احادیث کو موضوع قرار دیتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کیلئے سفر سعادت کو بدعت اور ناجائز کہا ہے۔ یہ اس طرح کا فساد انگیز قول ہے کہ علمائے کرام کو اسکی تردید کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن میں نے اس کتاب کو مستقلاً زیارت نبی ﷺ اور اس کے متعلقہ امور کے بارے میں لکھا ہے۔

پہلے میں نے اس کا نام " شن الغارة علی من أنكر سفر الزيارة " پھر میں نے اس کا مذکورہ نام رکھا اور میں اللہ تعالی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں هو حسبي و نعم الوكيل.

پہلا باب

زیارت کے بارے میں
مذکور احادیث مبارکہ کا بیان

پہلی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ

جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۱۔ دارقطني، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ حكيم ترمذی، نوادر الاصول، ۲: ۶۷

۳۔ بيهقي، امام، شعب الايمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۹، ۴۱۶۰

حدیث کی سند کا بیان

اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

أخبرنا الحافظ أبو محمد عبدالمؤمن بن خلف بن أبي الحسن بن شرف ابن الخضر بن موسى التوني الدمياطي رحمه الله تعالى بجميع سنن الدارقطني سماعا، قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقي انا ابوالفتح ناصر بن محمد بن ابى الفتح ابو برح القطان انا ابو الفتح اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابو طاهر محمد بن احمد بن محمد بن عبدالرحيم انا ابو الحسن على بن عمر بن احمد بن مهدى الحافظ الدارقطني رحمه الله تعالى قال حدثنا القاضى المحاملى ثنا عبيد ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ"

اسی طرح یہ حدیث سنن دارقطنی کے متعدد نسخوں میں عبید اللہ سے مروی ہے ان نسخوں میں سے ایک نسخہ وہ ہے جو ان سے احمد بن محمد بن حارث اصفہانی نے لکھا ہے۔ اسی طرح دارقطنی نے سنن کے علاوہ بھی اس کو روایت کیا ہے اور دونوں میں یہ عبدالرحیم سے ہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح یہ روایت محمد بن عبدالملک بن بشران اور ابو النعمان تراب بن عبید کے طریق سے بھی مروی ہے۔ ابن بشران کی روایت اس طرح ہے۔

فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد فی کتابه الی من مكة شرفها الله تعالی قال: اخبرنا الحافظ ابوالحسين يحيی بن علی القرشی بمصر و ابواليمن بن عساكر بمكة بقراء تی عليهما ، قالا انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعی العدل و هو جد ابی اليمن بدمشق قال ابوالحسين بقراء تی عليه و قال ابو اليمن قراء ة عليه ، قال انا عمی ابو الحسين هبة الله بن الحسن بن هبة الله الفقيه الاصولی الحافظ انا ابوطاهرعبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن محمد ابن يوسف انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن علی ابن عمر بن مهدی الدارقطنی الحافظ ثنا القاضی المحاملی ثنا عبيدالله بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ"

اسی طرح ابو الیمن ابن ابی الحسن بن الحسن نے اس کو "کتاب اتحاف الزائر و اطراق المقیم للسائر" میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو حافظ ابو الحسین القرشی نے "کتاب الدلائل المبینة فی فضائل المدینة" میں ذکر کیا ہے۔

قالا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الحرانی قال ابن الصواف بقراء ة والدی عليه و انا اسمع سنة ثلاثين و ستمائة قال انا

ابو محمد عبداللہ بن رفاعة بن غدير السعدى الفرضى(ح)و كتب الى عثمان بن محمد من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ ابى الحسين يحيى بن على القرشى فى تصنيفه المسمّٰى ب"كتاب الدلائل المبينة فى مسائل المدينة" قال انا القاضى ابو محمد عبدالله بن محمد الشافعى بقراء تى عليه بمصر و ابوعبدالله محمد بن ابى المعالى الحرانى بالاسكندرية قالا انا ابو محمد عبدالله ابن ابى الخير الشافعى الفرضى انا القاضى ابوالحسن على بن الحسن بن الحسين بن محمد الشافعى المعروف بالخلعى انا ابو النعمان تراب بن عمر ابن عبيدثنا ابو الحسن على بن عمر الدارقطنى ثنا ابو عبدالله الحسين بن اسماعيل قال ثنا عبيد بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِىْ "

وہ رواۃ جنہوں نے خلعی کے واسطے سے روایت کیا ہے ان میں سے حافظ ابو القاسم ابن عساکر ہیں جنہوں نے اپنی تاریخ کی کتاب میں باب " ان من زار قبره ﷺ بعد وفاته كان كمن زار حضرته فى حال حياته" میں ذکر کیا ہے۔

أخبرنا بذلك عبدالمؤمن بن خلف ع على بن محمد وغيرهما مشافهة عن القاضى ابى نصر محمد بن هبة الله الشيرازى قال انا الحافظ ابوالقاسم ابن عساكر قال انا خالى ابوالمعالى محمد بن يحيى القرشى القاضى بدمشق انا ابوالحسن على بن الحسن الخلعى انا تراب بن عمربن عبيدثنا ابو الحسن الدارقطنى ثنا ابو عبدالله الحسين بن اسماعيل ثنا عبيد بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِىْ "

سند پر تبصرہ:

ا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات اس طریق سے جمع ہو گئی ہیں جن میں وہ محاملی سے اور محاملی عبیداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی بعض دیگر نے محاملی کے بغیر اس سند سے روایت کیا ہے۔ جس میں عبید بن محمد آتے ہیں اور اس میں عبیداللہ سے مذکور ہے۔ جیسے کہ:

عن عبید بن محمد انا بذلك عبدالمؤمن بن خلف وغیره اذنا عن ابی نصر الشیرازی انا ابن عساکر انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر البیهقی انا ابوعبدالله الحافظ انا ابوالفضل محمد بن ابراهیم ثنا محمد بن زنجویه العشیری ثنا عبید بن محمد بن القاسم بن ابی مریم الوراق، و کان نیسابوری الاصل سکن بغداد ، ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ "

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

ومنهم محمد بن اسماعیل بن سمرة الاحمسی واختلف علیه فروی عنه مصغرا کما رواه غیره أخبرنا بذلك عبدالمؤمن وغیره اذنا عن ابی نصر انا علی بن الحسن الحافظ انا اسماعیل بن محمد بن الفضل الحافظ انا احمد بن علی بن خلف انا ابوالقاسم بن حبیب حدثنا ابوبکر احمد ابن نصر بن نصر بن بکار البخاری انا ابو عبد الرحمن عبد الله بن عبید الله ثنا محمد بن اسماعیل الاحمسی عن موسی بن هلال عن عبیدالله و روی عنه مکبراً انا بذلك اقسیان بن محفوظ بن محمود بن هلال بقراء تی علیه سنة ست و سبعمائة انا ابو سعید

قایماز بن عبداللہ المعظمی انا الحافظ ابو طاھر احمد بن محمد السلفی انا ابو سعید احمد بن الحسن بن احمد بن علی بن الخطیب الخانساری انا ابوبکر احمد بن الفضل بن محمد المقری امام الجامع باصبهان ثنا ابوبکر محمد بن الحسن بن یوسف بن یعقوب الامام ثنا عبیداللہ بن محمد بن عبدالکریم الرازی ثنا محمد بن اسماعیل بن سمرۃ الأحمسی ثنا موسی بن ھلال العبدی عن عبداللہ بن عمر"ھکذا نقلته من خط الحافظ ابی محمد عبدالعظیم المنذری رحمه اللہ تعالیٰ۔

حدیث کی تیسری سند:

وھکذا قاله ابو احمد بن عدی فی کتاب الکامل کما انبأنا عبدالمؤمن و آخرون عن ابی الحسن بن المقیرعن ابی الکرم بن الشهرزوری انا الماعیل بن مسعدۃ الاسماعیلی (ح) و انا عبدالمؤمن وغیرہ أیضا عن ابن محیل انا علی بن الحسن الدمشقی انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر البیهقی انا ابو سعید المالینی (ح) قال الدمشقی و انا ابوالقاسم ابن السمرقند انا اسماعیل بن مسعدۃ انا حمزۃ بن یوسف قالا انا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا محمد بن موسی الحلوانی (ح) قال الدمشقی وأخبرنا علی بن ابراھیم الخطیب انا رشأ بن نظیف انا الحسن بن اسماعیل ثنا احمد بن مروان ثنا محمد بن عبدالعزیز الدینوری قالا ثنا محمد بن اسماعیل ابن سمرۃ ثنا موسی بن ھلال ثنا عبداللہ بن عمر ، و کذلك کتب الی عثمان بن مد من مکة شرفها اللہ تعالی انه قرأ علی الحافظ یحیی بن علی انا الحافظ علی بن المفضل قراء ۃ علیه غیر مرۃ و القاضی ابوالقاسم حمزۃ ابن علی بن عثمان المخزومی قالا انا الحافظ ابو طاھر السلفی (ح) و

أنبأنا جماعة عن جماعة عنه انا ابو ابراهيم الخليل بن عبد الجبار انا سليم بنايوب انا احمد بن عبدالله المعل بالرى انا عبدالرحمن بن ابى حاتم الرازى ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسى ثنا موسى بن هلال عن عبدالله بن عمر

سند پر تبصرہ...... کیا راوی عبداللہ ہیں یا عبیداللہ؟

۱۔ حافظ یحییٰ بن علی القرشی نے اس روایت کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ درست یہی ہے کہ روایت میں عبیداللہ ہے۔

۲۔ اور میں نے تاریخ ابن عساکر میں دیکھا ہے جو ابی عبداللہ البرزالی المحفوظ کے خط کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ عبیداللہ ہی ہے۔

۳۔ ابو احمد بن عدی نے کتاب الکامل میں کہا ہے کہ یہ عبداللہ اصح ہے۔

۴۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ محل نظر ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ راوی عبیداللہ ہیں۔ عبید بن محمد، ابن سمرۃ اور مسلمۃ الجھنی کی روایات کی وجہ سے۔

۵۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حدیث عبیداللہ اور عبداللہ دونوں سے مروی ہو اور موسیٰ نے دونوں سے سنا ہو۔ اور پھر کبھی ان سے روایت کیا ہو اور کبھی ان سے۔

صاحب کتاب کے پوتے حسن بن محمد بن یحییٰ نے ایک اور جگہ پر ابوبکر سے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مثیر العزم الساکن" میں روایت کیا ہے۔ اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا ہے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

أنبأناالحريرى انا الخياط انا ان درست ثنا ابن صفوان ثنا ابوبكر القرشي و هو ابن ابى الدنيا فذكره و هذه الطريق ان صحت تحمل على ان الحديث عنهما كما قدمناه فانه لاتنافي في ذلك على ان عبدالله المكبر روى له مسلم مقرونا بغيره ، قال احمد رحمه الله تعالى صالح

ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا " **لیس به بأس یکتب حدیثه**" اور ابن عدی نے کہا " **لا بأس به صدوق**" اور ابن حبان نے کہا کہ ان پر صلاح غالب تھی۔ یہ ابن حبان کا کلام تھا اور انہوں نے اصلا ان پر جرح کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی بلکہ یہ ان کی کثرت غلط کی وجہ سے کہا ہے۔

ان کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ ان سے روایت نہ کیا جائے یہ درست نہیں کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو متابعات میں ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث میں عبداللہ کے حوالے سے کوئی التباس نہیں ہے۔

موسیٰ بن ھلال، ان کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ " **لا بأس به.**" اور ابی حاتم الرازی کا ان کے بارے میں یہ قول کہ یہ مجهول ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہالت سے مراد یا تو ان کی ذات کے حوالے سے جہالت ہے یا وصف کے اعتبار سے۔ پس اگر ان کی ذات کے حوالے سے جہالت مراد لی ہے تو یہ نہیں ہوسکتی کیونکہ ان سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور اگر وصف کے اعتبار سے جہالت مراد ہے تو پھر بھی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان سے روایت کرنا اس جہالت کا ازالہ کر دیتا ہے۔

اور رہا عقیلی کا ان کے بارے میں قول کہ ان کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ خواہ یہ راوی عبداللہ ہوں یا عبیداللہ تو ان کی روایت منکر ہوتی ہے جب یہ نافع عن ابن عمر روایت کریں۔ اب اگر غور کریں تو سوائے راوی کے متفرد ہونے کے کوئی اور علت نظر نہیں آتی۔ اور جب ان کی حدیث کے متابع بھی ہیں تو ان کی حدیث لامحالہ قبول کی جائیگی۔ اور ہم نے موسیٰ بن ھلال کی روایت کے متابع اور شواھد پائے ہیں جن کو ہم ذکر کریں گے۔

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی یہ حدیث کم از کم حسن کے درجے پر فائز ہے۔اور حدیث حسن کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم یہ ہے کہ حدیث کی سند میں کوئی مستور الحال راوی ہو جس کی اہلیت متحقق نہ ہو اور وہ غافل اور کثیر الخطاء نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی فسق کا سبب ظاہر ہو اور اس کے ساتھ متن حدیث بھی اس جیسی کسی اور روایت سے مذکور ہو۔ اور ھلال بن موسیٰ کا اقل درجہ یہ ہے کہ ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اور ان کی حدیث اس درجہ کی ہے۔

حسن کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا راوی صدق اور امانت کے اعتبار سے مشہور ہو مگر حفظ میں کمی کی وجہ سے صحیح رجال کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اور یہ حدیث بھی بعض اوقات راوی کے منفرد ہونے کی وجہ سے منکر ہونے کے باوجود ترقی کر جاتی ہے۔

کہنے والے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حدیث حسن نہیں ہے کیونکہ ہم نے حدیث حسن کی جو دو تعریفات کی ہیں ان میں سے ایک تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ اور ہم نے زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ ساری اس کے درجہ کو بڑھاتی ہیں اور بعض اوقات حدیث میں یہ اضافہ اس کو حسن سے صحیح کے درجہ پر بھی فائز کر دیتا ہے۔

ضعیف حدیث کی اقسام:

ضعیف حدیث کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی متّہم بالکذب ہو۔ اور اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت کا سبب نہیں بنتا۔

دوسری قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی صادق و امین ہونے کے باوجود ضعیف الحافظہ ہو۔

پس ہم نے دیکھا کہ یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے اور اس کا متعدد اسناد

سے مروی ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سند میں راوی کے حافظہ کے ضعف کا اثر نہیں ہے۔ اور یہی بات ابن صلاح نے کہی ہے۔

پس اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت میں اضافہ کرتا ہے اور کبھی کبھی ضعیف حدیث اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث حسن اور حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر جب امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب میقات ذات عرق کے حوالے سے گفتگو کی کہ کیا یہ منصوص علیہ امور میں سے ہے یا اس میں اجتہاد کا عمل دخل ہے؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے جمہور سے اس سلسلے میں احادیث کے وارد ہونے کی وجہ سے اس بات کی تائید کی اور اگرچہ وہ احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف تھیں مگر اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث میں قوت پیدا ہوگئی اور وہ ضعیف حدیث، حسن کے درجے تک پہنچ گئی اور ان سے استدلال کیا گیا۔ اور یہ بحث " شرح المهذب " کی کتاب الحج میں مذکور ہے۔

پس اس حدیث کی اسناد میں درج ذیل اعتبارات سے بحث کی گئی ہے۔ یعنی اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ

۱۔ یہ حدیث عبیداللہ سے مروی ہے اور اسے عبداللہ سے مروی حدیث سے ترجیح دی گئی ہے۔

۲۔ ایک قول کے مطابق یہ حدیث دونوں راویوں (عبیداللہ اور عبداللہ) سے بیک وقت مروی ہے۔

۳۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ اکیلے سے مروی ہے ۔ اور یہ حدیث حسن کی بیان کی گئی دو اقسام میں سے ایک قسم میں داخل ہے۔

۴۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث صرف اس سند سے ضعیف ہے تو اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کو قوی بنا دیتا ہے اور اسے حدیث حسن کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

نتیجہء بحث:

مذکورہ تمام بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی کا یہ دعوی کرنا کہ زیارت قبر رسول ﷺ کے باب میں وارد ہونے والی تمام احادیث موضوع ہیں، یہ افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے اور اس طرح کا دعوی کرنے والے کو نہ اللہ تعالیٰ کا حیا ہے نہ اس کے رسول مکرم ﷺ کا۔ اور یہ ایسا دعویٰ ہے جیسا آج تک نہ کسی عالم نے کیا اور نہ جاہل نے اور نہ ہی کسی محدث نے اور نہ کسی اور نے۔ اور کسی شخص نے نہ تو اس حدیث کے راوی "موسی بن ھلال" کو اور نہ ہی کسی اور راوی کو "وضع" سے متھم کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر کیسے کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ زیارت کی تمام احادیث کو موضوع قرار دے؟ اور اس حدیث میں کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جس کی بنا پر محدثین اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگا سکیں؟ اور نہ ہی انھوں نے اس حدیث کے متن کے حوالے سے کوئی ایسی بات کی ہے کہ اس حدیث کا متن شریعت کے خلاف ہے پس اگر یہ ایسی بات ہے تو پھر کس وجہ سے اسے موضوع قرار دیا جائے؟ اور اگر بالفرض اس کو ضعیف مان بھی لیا جائے تو پھر بھی اس کو موضوع کیسے جا سکتا ہے جبکہ یا تو یہ حسن ہے یا پھر صحیح ہے؟

پس پہلی حدیث کی سند سے متعلق جو بحث ہو چکی ہے اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

متن حدیث کی وضاحت:

جہاں تک اس حدیث کے متن کا تعلق ہے تو اس میں لفظ "وجبت" جس کا معنیٰ "ثابت یا لازم ہے" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ضرور اپنا شفاعت کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

لفظ ”لہ“ کا مفہوم:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک میں لفظ ”لہ“ سے مراد یا تو خاص شفاعت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شفاعت حضور نبی اکرم ﷺ کی ایسی شفاعت ہے جو صرف ان کیلئے خاص ہے جو قبر رسول ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو عام طور پر یا خاص طور پر یہ شفاعت حاصل نہ ہوگی یا اس سے مراد یہ بھی ہے کہ قبر رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے دوسرے لوگوں سے اس شفاعت کے سبب منفرد ہو جائیں گے اور یہ انفرادیت ان کی اس زیارت کے باعث عزت و تکریم کی وجہ سے ہوگی یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس زیارت کی برکت کی وجہ سے عام شفاعت میں ان کا داخلہ ضروری ہو گیا ہے۔

اس شفاعت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کا حالت اسلام میں فوت ہونا یقینی ہے۔ اور تیسری تعبیر کی بنا پر ضروری ہے کہ لفظ ”لہ“ کا اطلاق عموم پر کیا جائے کیونکہ اگر اس میں اسلام پر مرنے کی شرط مضمر کر دی جائے تو پھر زیارت کے ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں بنتا کیونکہ مسلمان ہونا ہی اس شفاعت کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اور پہلی دونوں تعبیروں کی بنیاد پر اضمار درست ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کا اثر یہ ہے کہ وہ زائر حالت اسلام میں فوت ہوگا اور ظاہر ہے یہ کتنی بڑی عظیم نعمت ہے یا اس کا اثر یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو ایسی شفاعت نصیب ہوگی جو عام مسلمانوں کی شفاعت سے خاص ہوگی۔

لفظ ”شفاعتی“ کا مفہوم:

لفظ ”شفاعت“ کی اضافت ”ی“ کی طرف کی گئی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ ملائکہ عظام، انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین شفاعت کریں گے مگر قبر

رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے کو اس سلسلے میں یہ شرف حاصل ہوگا کہ اس کی شفاعت خود حضور نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ اور یہ شفاعت حضور ﷺ کے عظیم شافع ہونے کی بنا پر عظیم ہوگی۔ پس جس طرح حضور اکرم ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی شفاعت بھی تمام سے افضل ہے۔ اور یہاں آپ کی اخروی شفاعت کا ذکر کرنا ضروری ہے مگر اسے مؤخر کرتا ہوں تاکہ زیارت کے اصل مقصد کے حصول سے قبل ملل محسوس نہ کرنے لگے۔

دوسری حدیث:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی

اس حدیث کو امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے اور انھوں نے اس کی سند یوں بیان کی ہے۔ " حدثنا قتیبة ثنا عبدالله بن ابراهیم ثنا عبدالرحمن بن زید عن ابیه عن ابن عمر عن النبی ﷺ "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ"

یہ حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے عبدالحق نے دارقطنی اور بزار کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو پہلی حدیث میں لفظ "وجبت" ہے جب کہ اس حدیث میں "حلّت" ہے لہذا اس حدیث کو علیحدہ ذکر کر دیا اور میں اسے مستند نسخہ جس کو حافظ قاضی ابوعلی الحسین بن محمد الصدفی نے شیخ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن فورتش سے سنا اور انہوں نے اس کو اس سند سے روایت کیا ہے۔

الشیخ ابی عمر احمد بن محمّد المقری الطلمنکی اجازۃ انا ابو عبدالله محمّد بن احمد بن یحییٰ بن معرج ثنا ابو الحسین محمّد بن ایّوب بن حبیب بن یحییٰ الرقی الصموت ثنا ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار

اور انھوں نے اس حدیث کو اصل نسخے کے ساتھ تقابل کیا گیا کہ جس میں انھوں نے یہ حدیث الرقی محمد بن ایوب کو سنائی۔ اور ابن معراج کے اصل نسخہ کا اکثر حصہ الرقی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور قاضی ابوعلی الصدفی نے اس نسخے کے مطابق کئی مرتبہ حدیث کو بیان کیا ہے اور اس حدیث کے بہت سے طباق ہیں۔ اور صدفی کو یہ حدیث محمد بن خلف بن سلیمان بن فیجون نے سنائی ہے۔ اور قتیبہ یہ بزار کے شیخ ہیں اور ان کی کنیت ابن المرزبان ہے۔

عبداللہ بن ابراہیم یہ غفاری ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جن کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ابوداؤد کی احادیث منکر ہیں؟ اور ابن عدی نے کہا ہے انہوں نے جو روایات کی ہیں ان کی ثقہ راویوں نے متابعت نہیں کی۔ اور بزار نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ عبداللہ بن ابراھیم نے ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ جن کی متابعت نہیں کی گئی پس جو کچھ ان کی حدیث میں لکھا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو وہ حفظ کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیان کیا ہے اور ایک گروہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ انہوں نے احادیث حسان روایت کی ہیں اور یہ وہ راوی ہیں جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس کو ہم توسل بالنبی ﷺ کے باب میں ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد پہلی حدیث کو اس کے ذریعہ تقویت دینا ہے۔ اور اس حدیث کو پہلی حدیث کا شاہد ہونا اس حدیث کو نقصان نہیں دیتا اس سبب سے کہ جو اس کے دو راویوں کے بارے میں کہا گیا ہے کیونکہ ان پر کذب یا فسق کی تہمت نہیں لگی۔ اور متابعات اور شواھد میں ایسا احتمال ہوتا ہے۔

تیسری حدیث:

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا یَعْمَلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهُ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ

جو شخص زیارت کیلئے میرے پاس آیا اور میری زیارت کے علاوہ کسی ضرورت نے اسے اس عمل میں نہیں لگایا تو مجھ پر واجب ہو گیا کہ میں قیامت کے روز اس کیلئے شفاعت کروں۔

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر ، ۱۲: ۲۲۵، رقم: ۱۳۱۴۹

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۲۷۵، ۲۷۶، رقم: ۴۵۴۳

۳۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲

۴۔ السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱: ۲۳۷

اس کے علاوہ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''امالی'' میں اور ابو بکر ابن المقری نے ''معجم'' میں بیان کیا ہے۔ اور سعید بن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ مسلمہ جہنی کی روایت ہے۔ انہوں نے اسے عبیداللہ العمری سے روایت کیا ہے اور اس میں موسیٰ بن حلال کی متابعت ہے۔ بعض روایت میں لفظ '' لایعملہ'' وارد ہوا ہے اور بعض میں ''لاینزعہ'' کا لفظ آیا ہے۔ اور مسلمہ کے بارے میں جو انہوں نے عبیداللہ اور عبداللہ سے روایت کیا ہے اختلاف پایا گیا ہے اور اس طرح موسیٰ بن ھلال کے بارے اختلاف پایا گیا ہے۔

پس اس حدیث کو عبداللہ بن محمد العبادی البصری نے روایت کیا ہے، انہوں نے مسلمہ سے اور انہوں نے عبیداللہ سے اور انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے۔ لفظ العبادی عین کے ضمہ اور با کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ عباد بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ بن عکابۃ بن صعب بن علی بن بکر کی طرف نسبت کی وجہ سے عبادی کہا جاتا

ہے۔ ابو سعید بن السمعانی نے کہا کہ عبداللہ بن محمد العبادی ، حسن بن حبیب بن ندبہ سے اس کو روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدان نے روایت کیا ہے۔ الصوری نے لفظ عبدان کو با کی شد کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ ابن ماکولا نے کہا ہے ہم اس لفظ کو با پر شد کے بغیر پڑھتے ہیں۔

سند کا بیان:

أخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابی بکر بن ابراهیم ابن النحاس الاسدی بقراء تی علیه بجامع دمشق فی عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابوالحجاج یوسف بن خلیل بن عبدالله الدمشقی قراء ة علیه و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابی زید بن حمد بن نصر الكرانی انا ابو منصور محمود بن اسماعیل بن محمد الصیرفی انا ابو الحسین احمدابن محمد بن الحسین بن فاذشاه انا ابوالقاسم سلیمان بن احمدبن ایوب ابن مطیر اللخمی الطبرانی ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادی البصری ثنا مسلمة بن سالم الجهنی حدثنی عبیدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ" و اخبرنا به ایضًا علی بن احمد الغرافی فی كتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعة انا الخلعی انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبید بن محمد بن عباس العسقلانی ثنا ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی الدارقطنی البغدادی املاء بمصر ثنا یحیی بن محمد بن صاعد ثنا ابوأخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابی بكر بن ابراهیم ابن النحاس الاسدی بقراء تی علیه بجامع دمشق فی عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابوالحجاج یوسف بن خلیل بن عبدالله الدمشقی

قراء ة عليه و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابى زيد بن حمد بن نصر الكرانى انا ابو منصور محمود بن اسماعيل بن محمد الصيرفى انا ابو الحسين احمد ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابوالقاسم سليمان بن احمدبن ايوب ابن مطير اللخمى الطبرانى ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادى البصرى ثنا مسلمة بن سالم الجهنى حدثنى عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ " و أخبرنا به ايضًا على بن احمد الغرافى فى كتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعة انا الخلعى انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبيد بن محمد بن عباس العسقلانى ثنا ابو الحسن على بن عمر بن احمد بن مهدى الدارقطنى البغدادى املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابومحمد عبدالله بن محمد العبادى من بنى عباد بن ربيعة فى بنى مرة بالبصرة سنة خمسين و مائتين حدثنا مسلمة بن سالم الجهنى امام مسجد بنى حرام و مؤدبهم ثنا عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرًا لَمْ تَنْزَ غْهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ."

وأخبرنا ايضا عبدالمؤمن وغيره اذنا عن ابى نصر انا ابن عساكر انا خالى ابوالمعالى محمد بن يحيى بن على انا على بن الحسن بن الحسين الخلعى فذكره باسناده و متنه و فى هذين الطريقين اعنى طريق عبدان و طريق يحيى بن محمد بن صاعد نافع عن سالم و رواه غيرهما فقال فيه عن نافع و سالم كذلك قرىء على ابى الفضل اسحاق بن ابى بكر بن ابراهيم بن هبة الله ابن طارق بن سالم بن

النحاس الاسدی الحنفی فی معجم ابن المقری وانا اسمع بدمشق ان الحافظ ابا الحجاج یوسف بن خلیل الدمشقی اخبرہ قراء ۃ علیہ و ھو یسمع بحلب اناابومسلم المؤید بن عبدالرحیم بن احمد ابن الاخوۃ و زوجہ عین الشمس بنت ابی سعید بن الحسن قالا انا ابو الفرج سعید ابن ابی الرجاء الصیرفی قال المؤید سماعا و قالت زوجتہ اجازۃ قال انا الشیخان ابو طاھر احمد بن محمود الثقفی و ابو الفتح منصور بن الحسین بن علی بن القاسم قالا انا ابوبکر محمد بن ابراھیم بن علی بن عاصم ابن المقری (ح) و اخبرنا عبدالمؤمن بن خلف وغیرہ اذنا عن ابی نصر انا علی بن الحسن بن ھنۃ اللہ اخبرناہ ابو الفرج سعید بن ابی الرجاء الاصبھانی انا منصور بن الحسین و ابو طاھر بن محمود قالا انا ابوبکر ابن المقری ثنا محمد بن احمد ابن محمد الشطوی ببغداد ثنا عبداللہ بن یزید الخثعمی ثنا عبداللہ بن محمد حدثنی مسلمۃ بن سالم الجھنی امام مسجد بنی حرام و مؤدبھم بالبصرۃ قال حدثنی عبیداللہ بن عمر العمری عن نافع و سالم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا یَنْزَعُہُ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ عَزَّ وَ جَلَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ "

و رواہ مسلم بن حاتم الانصاری عن مسلمۃ عن عبداللہ اخبرنا بذلک ابن خلف وغیرہ اذنا عن ابن ھبۃ اللہ انا الدمشقی انا ابو علی الحداد فی کتابہ حدثنی عبدالرحیم بن علی ابومسعود عنہ انا ابونعیم الحافظ حدثنا ابو محمد بن حیان ثنا محمد بن احمد بن سلیمان الھروی ثنا مسلم بن حاتم الانصاری ثنا مسلمۃ ابن سالم الجھنی حدثنی عبداللہ یعنی العمری حدثنی نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَمْ تَنْزَعُہُ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ

كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

یہ اس حدیث کے طرق ہیں اور اس کو امام و حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی المصری البزار اپنی کتاب " السنن الصحاح المأثورة عن رسول اللہ ﷺ " جو کہ محذوف الاسانید ہے اس کے خطبے میں ذکر کرتے ہیں۔

”پس آپ نے مجھ سے چاہا کہ میں آپ کیلئے ”سنن مأثورہ“ جن کو ان آئمہ نے نقل کیا ہے کہ جن کے بارے میں کسی نے طعن نہیں کیا، میں سے وہ احادیث جمع کروں کہ جو میری نظر میں صحیح ہیں۔ پس جب میں نے غور وخوض کیا تو میں نے آئمہ میں سے ایسی جماعت کو پایا کہ جنہوں نے وہ کچھ نقل کیا جو آپ نے مجھ سے چاہا۔ پس میں نے جو کچھ انہوں نے بیان کیا اس کو اچھے طریقے سے یاد کر لیا اور جن احکام کی مسلمانوں کو ضرورت تھی ان کی ابواب بندی کی۔ پس آئمہ نے جو کچھ بیان کیا اس میں غور و خوض کیا اور میں نے تمام آئمہ کو مجتہدین میں سے پایا اور جو روایت میں نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے وہ ایسی روایت ہے کہ جس کی صحت پر تمام آئمہ کا اجماع ہے۔“

اس کتاب میں کتاب الحج کے آخر میں” باب ثواب من زار قبر النبی ﷺ“ میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ جَاءَ نِيْ زَائِرًا لَمْ تَنْزَعْهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ “

ابن السکن نے اس باب میں اس کے علاوہ بھی اس طرح کی احادیث ذکر کی ہیں تو گویا یہ ان کی طرف سے حکم ہے کہ یہ احادیث متفق علیہ ہیں اس شرط کی وجہ سے جو انہوں نے خطبہ میں لگائی ہے۔ اور ابن سکن امام، حافظ، ثقہ، کثرت سے احادیث روایت کرنے والے، علم کی تلاش میں بہت زیادہ سفر کرنے والے جنہوں نے عراق، شام، مصر، خراسان اور ماوراء النھر کے سفر کیے یہ بغدادی ہیں اور مصر میں قیام پذیر رہے اور وہیں

۳۵۳ ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ابن سکن کی ابواب بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد آپ کی قبر انور کی زیارت کو آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں زیارت کی طرح قرار دیتے ہیں اور یہی درست مفہوم ہے۔

چوتھی حدیث:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

جس شخص نے حج کیا پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۱۔ دارقطني، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۱۰، رقم: ۱۳۴۹۷

۳۔ البيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۶، رقم: ۱۰۰۵۴

سند کا بیان:

اخبرنا عبدالمؤمن بن خلف الحافظ انا يوسف بن خليل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برح انا اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد انا ابو طاهر بن عبدالرحيم انا على بن عمر الحافظ الدارقطني قال حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع الزهراني (ح) و قرأت على ابى محمد اسحاق بن يحيى بن اسحاق بن ابراهيم الآمدى و اللفظ له اخبرك يوسف بن خليل الحافظ انا محمد بن ابى زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذشاه انا الطبراني ثنا الحسين ابن اسحاق التسترى ثنا ابو الربيع الزهراني ثنا حفص بن ابى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال: " مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ"

عثمان بن محمد نے مکہ سے مجھے لکھا کہ انہوں نے حافظ ابو الحسین سے مصر میں یہ روایت قراءۃ لی ہے۔اور یہ سند اس طرح ہے۔

قال انا ابوالبركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعى انا ابو طاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادى انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن الدارقطنى حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث بن ابى سليم: عن مجاهد عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال : " مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِىْ بَعْدَ وَفَاتِىْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِىْ فِىْ حَيَاتِىْ"

حدیث کی دوسری سند کا بیان:

وأخبرناه عبدالمؤمن وغيره اذنًا عن الشيرازى انا الحافظ الدمشقى انا ابوعبدالله الخلال انا ابراهيم بن منصور انا ابوبكر ابن المقرى انا ابويعلى الموصلى ثنا ابوالربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ :" مَنْ حَجَّ فَزَارَنِىْ بَعْدَ وَفَاتِىْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِىْ فِىْ حَيَاتِىْ" و كذلك رواه ابواحمد بن عدى فى الكامل.

حدیث کی تیسری سند کا بیان:

اخبرناه ابو محمد التونى، هو الحافظ الدمياطى، و آخرون اذنا عن ابى الحسن النجارعن ابى الكرم المبارك بن الحسن الشهرزورى انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلى انا حمزة بن يوسف السهمى انا ابو احمد بن عدى الجرجانى انا الحسن بن سفيان ثنا على بن حجر، و ثنا عبدالله بن محمد البغوى ثنا ابو الربيع الزهرانى، قال على ثنا حفص بن سليمان، وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود و قالا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضى الله عنهما

قال قال رسول اللہ ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَ صَحِبَنِیْ"

سند پر تبصرہ:

امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ابن عدی کی اس روایت کو دو طرق سے ذکر کیا ہے۔ اور ابن عدی نے اس کو حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری القاری کے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ اور یہ حکم لگایا گیا ہے کہ حفص سے مراد ابن ابی داود ہے جو سند میں مذکور ہے۔ اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ابو الربیع الزہرانی ان کو حفص بن ابی داود ان کے ضعف کی وجہ سے کہتے ہیں اصل میں یہ حفص بن سلیمان ہیں۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ حفص اس سند میں متفرد ہیں۔ اور یہ ضعیف ہیں۔ اور یہی حکم حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے۔

چوتھی سند کا بیان:

اخبرنا الدمیاطی اذنا انبأنا ابن ھبه اللہ الشیرازی انا ابن عساکر اناہ الخلال انا ابراھیم بن منصور السلمی انا ابوبکر ابن المقری انا ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراھیم الجندی ثنا مسلمة و ھو ابن شبیب ثنا عبدالرزاق ثنا ابو عمر حفص بن سلیمان (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالقاسم ابن السمرقندی انا ابوالقاسم اسماعیل بن مسعدة انا حمزة بن یوسف السھمی قالا انا ابو احمد بن عدی انا الحسن بن سفیان ثنا علی بن حجر (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر البیھقی انا علی بن احمد بن عبدان ثنا احمد بن عبید حدثنی محمد بن اسحاق الصفار ثنا ابن بکار ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاھد عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ"

سند پر تبصرہ:

سھمی نے ''و صحبنی'' کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ان الفاظ کا اضافہ ذکر نہیں کیا۔ اور اس کی روایت یوں بیان کی ہے۔''عبداللّٰہ بن یوسف انا محمّد بن نافع الخزاعی ثنا المفضل الجندی'' اور اس کو سند اور متن کے اعتبار سے ذکر کیا ہے جس طرح کہ اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن المقری کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور مجھ کو عثمان بن محمد التوزی نے مکہ مکرمہ سے لکھا کہ انہوں نے اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءۃ روایت کیا ہے۔ اور سند اس طرح ہے۔

قال انا الحسن بن محمد انا علی بن الحسن انا ابو القاسم اسماعیل بن محمد انا احمد بن عبدالغفار بن اشتہ انا ابو سعید النقاش انا ابو بکر محمد بن عبداللّٰہ بن ابراھیم الجوزجانی ثنا الحسن بن الطیب البلخی ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاھد عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: '' مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ''

حافظ بغدادی ''الدرۃ الثمینۃ فی أخبار المدینۃ'' میں بیان کرتے ہیں:۔

أنبأنا عبدالرحمن بن علی انا ابو الفضل الحافظ عن ابی علی الفقیہ أنبانا ابو القاسم الأزھری انا القاسم بن الحسن ثنا الحسن بن الطیب ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاھد عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: '' مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَ صَحِبَنِیْ''

ابو الیمن بن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے بارے میں کہا ہے کہ'' اس حدیث کو حسن بن طیب نے علی بن حجر سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ کی زیادتی کی

ہے جو قبول نہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ "من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی و صحبنی" اور حسن بن طیب " و صحبنی " کے الفاظ لانے میں متفرد ہیں اور یہ محل نظر ہے۔

میری رائے ہے ہم نے اس اضافے "وصحبنی" کو حسن بن سفیان کے طریق سے ذکر کیا ہے اور وہ اس میں متفرد نہیں ہیں اور عبدالرحمٰن جن سے ابن بخار نے روایت کیا ہے وہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور میں نے اس اضافے کو ان کے قلمی نسخے " مثیر العزم الساکن الی أشرف الأماکن " میں مذکور اسناد کے ساتھ دیکھا ہے۔ اور اس حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ "عن حفص بن سلیمان عن سلیمان عن کثیر بن شنطیر عن لیث بن ابی سلیم"

أخبرنا بذلك الحافظ ابو محمد الدمياطي اجازة أنبانا ابو نصر مكاتبة ان ابن عساكر سماعا انا الشحامي انا الجنزرودی انا ابن حمدان انا ابويعلى الموصلي ثنا يحيى بن ايوب ثنا حسان بن ابراهيم ثنا حفص بن سليمان عن كثير بن شنطير عن ليث بن ابى سليم عن مجاهد عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَزَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ عِنْدَ قَبْرِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ" واشار ابن عساكر الى ان الصواب الاوّل.

سند پر تبصرہ:

حفص بن سلیمان القاری الغاضری یہ حفص بن ابوداود ہیں اور یہی قول امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن عدی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر کا ہے۔ اور باقی رہا ان کا اس سند کا راوی ہونا تو ابن عدی اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہی رائے ہے۔ اور اس طرف امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے جو توقف کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حفص بن سلیمان

البصری یہ حسن سے روایت کرتے ہیں جن کا وصال ۱۴۰ھ میں ہوا۔ اور یہ حفص بن سلیمان البزار ابی عمر القاری نہیں۔ وہ ضعیف تھے اور اس سند والے یہ ثقہ ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حفص بن سلیمان کو کتاب المجروحین میں ذکر کیا ہے اور ان کا ضعف ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن ابی داود ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ انہیں اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ایک ہی شخص کو دو بنا دیا ہو ایک کو ثقہ اور دوسرے کو ضعیف۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ دو ہوں اور ابن عدی کو اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ان کو ایک بنا دیا ہو۔ پس اگر غور سے دیکھیں تو ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے کہ ان کو ضعیف قرار نہ دیا جائے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ میں نے حفص بن سلیمان کے بارے میں ان کے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ صالح ہیں۔ ان اقوال کے بعد بھی اگر ان کا ضعف ثابت ہو جائے تو یہ اس حدیث میں متفرد نہیں ہیں۔

پانچویں حدیث:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ

جس نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی پس اس نے مجھ سے جفا کی۔

۱۔ ابن حجر مکّی : الجوهر المنظّم : ۲۸

۲۔ النبهانی، شواهد الحق فی الاستغاثة بسيد الخلق : ۸۲

اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن عدی نے "الکامل" میں روایت کیا ہے۔

سند کا بیان:

أخبرناه اذنا و مشافهة عبدالمؤمن وآخرون عن ابى الحسن ابن

المقیر البغدادی عن ابی الکرم ابن الشھرزوری انا اسماعیل بن مسعدۃ الاسماعیلی انا حمزۃ بن یوسف السھمی انا ابو احمد بن عدی ثنا علی بن اسحاق ثنا محمد بن محمد بن النعمان حدثنی جدی قال حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ "مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ"

حدیث پر تبصرہ:

ابن عدی نے نعمان کی احادیث کو بیان کرنے کے بعد کہا یہ احادیث نافع سے مروی ہیں اور انہوں نے انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نعمان بن شبل ان کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اور مجھے اس چیز کا علم نہیں کہ نعمان بن شبل کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اور نہ ہی میں ان کی احادیث میں سے کسی حدیث کو غریب پاتا ہوں اس اعتبار سے کہ انہوں نے کسی حدیث کو لینے میں حد سے تجاوز کیا ہو اور حدیث کو ذکر کیا ہو۔

عمران بن موسیٰ الزجاجی سے ان کے ترجمہ میں روایت کیا گیا ہے کہ یہ متھم ہیں اور اس تہمت کی وضاحت نہیں کی گئی پس ان پر ثقہ کا حکم مقدم ہو گا۔

امام ابوالحسن دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسی غرائب احادیث میں ذکر کیا ہے جو مؤطا میں موجود نہیں ہیں۔

قال ثنا ابو عبداللہ الایلی و عبدالباقی قالا ثنا محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل ثنا جدی ثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ قال "مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ"

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔" اس حدیث کو روایت کرنے میں یہ شیخ اکیلے ہیں۔" اور وہ دارقطنی کی اس عبارت کے منکر ہیں اور ظاہر ہے ان کا یہ انکار ان کے اس حدیث کو اکیلے روایت کرنے کی وجہ سے ہے اور ان کا اس حدیث کو ان اسناد پر محمول

نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کے متن کو منکر اور موضوع قرار دیا جائے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور ایسا کرنا زیادتی ہے اور ابن عدی کا قول ان (ابن جوزی) کے بارے میں کافی ہے۔ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو محمد بن محمد پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس کے دادا پر اور دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ اس سے مراد نعمان کا اکیلا ہونا ہے جیسے ابن عدی نے کہا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المجروحین میں احمد بن عبید سے اور انہوں نے محمد بن محمد سے اور ابن جوزی کا قول " کتاب الضعفاء " میں ہے کہ دارقطنی نے محمد بن محمد بن نعمان پر طعن کیا ہے۔ اور ہم نے دارقطنی کے کلام سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ راوی کا منکر ہونا ہے ضعیف ہونا نہیں۔ پس اس سے ان پر "وضع" کا حکم لانا باطل ہو گیا لیکن وہ غریب ہیں جیسا کہ دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور یہ بات ابن عدی کے کلام کی وجہ سے مفید ہے کیونکہ وہ اس کے علاوہ دوسرے راوی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ حدیث پہلی حدیث کے بعد پیش کی جانی چاہیے تھی کیونکہ یہ حدیث نافع کے طریق سے مروی ہے لیکن ہم نے اس کو مؤخر کیا ہے کیونکہ اس پر جرح و نقد ہوتی ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے اور اس سے حدیث کے متن کا رد ہونا لازم نہیں آتا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی فقیہہ کسی حدیث کو موضوع قرار دے تو اس کا یہ حکم متن میں مؤثر ہوتا ہے۔ پس اس لیے ہم نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قبول کر لیا اور ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو رد کر دیا ہے۔ واللہ اُعلم

مدینہ منورہ کی فضیلت پر حدیث

ایک اور حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل میں مسند ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ذکر کیا ہے۔

" من استطاع أن یموت بالمدینة فلیفعل"

جو شخص یہ استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فوت ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔

چھٹی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ . أَوْ مَنْ زَارَنِیْ. کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا. أَوْشَهِیْدًا

جس نے میری قبر کی زیارت کی یا جس نے میری زیارت کی تو میں اس کی شفاعت کروں گا۔ یا گواہ ہوں گا۔

۱۔ الطیالسی، المسند، ۲ ۱، ۱۳، رقم : ۶۵

۲۔ البیهقی، السنن الکبری، ۵: ۲۴۵، رقم : ۱۰۰۵۳

۳۔ البیهقی، شعب الایمان، ۳ : ۴۸۹، رقم : ۴۱۵۳

۴۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

سند کا بیان:

أخبرنا ابوبکر احمد بن محمد بن ابی القاسم بن بدران بن ابان الدشتی بقراء تی علیه بالشام سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابو الحجاج یوسف بن خلیل بن عبدالله الدمشقی بحلب سنة ثلاث و اربعین و ستمائة قال انا القاضی ابو المکارم احمد بن محمد بن محمد بن عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن قیس اللبان قراء ة علیه و انا اسمع غیر مرة باصبهان فی سنة احدی و تسعین و خمس مائة قیل له اخبرکم ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد المقری قراء ة علیه و انت تسمع فی محرم سنة اثنتی عشرة و

خمس مائة فاقر به قال انا الامام ابو نعيم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق الحافظ قراء ة عليه و انا اسمع انا ابو محمد عبدالله بن جعفر بن احمد بن فارس ثنا ابو بشر يونس بن حبيب ثنا ابوداود الطيالسي ثنا سوار بن ميمون ابو الجراح العبدى قال حدثني رجل من آل عمر عن عمر رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ . أَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ. كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا. أَوْشَهِيْدًا وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِالْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ فِي الْآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام طیالسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے سنن کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی جہت سے ذکر کیا ہے۔

أنبأناه عبدالمؤمن وغيره عن ابن الشيرازى انا ابن عساكر اناه ابوعلي الحداد اجازة ثم انا ابن السمرقندى انا يوسف بن الحسن التفكرى؟ قالا انا ابونعيم ثنا ابن فارس (ح) و به الى ابن عساكر قال و اخبرنا الشحامي انا ابوبكر البيهقي انا ابن فورك انا ابن فارس.. فذكره. و سوار بن ميمون روى عنه شعبة .

سوار بن میمون ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ہاں سوار بن میمون کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس سند میں کوئی غیر ثقہ شخص نہیں رہا سوائے اس شخص کے جو آل عمر میں سے ہے۔ اور وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔

رہا امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ یہ سند مجہول ہے۔ تو اگر جہالت کا سبب وہ راوی ہے جو آل عمر میں سے ہے تو یہ درست ہے۔ اور ہم نے ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔ اور اگر جہالت کا سبب سوار بن میمون کے حال سے لاعلمی ہے تو ہم نے ذکر کیا ہے کہ شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ثقہ ہونے

کی دلیل ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شعبہ کی اس راوی سے روایت کو اپنی سنن کے علاوہ کتاب میں ذکر کیا ہے جس کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ذکر کیا ہے کہ ان کے نام میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق یہ سوار بن میمون ہے جب کہ ایک روایت کے مطابق یہ میمون بن سوار ہے۔اور وکیع نے ان سے روایت کیا ہے۔

ساتویں حدیث:

مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

جس نے باقاعدہ نیّت کے ساتھ میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔

(اس حدیث کو ابو جعفر العقیلی اور دیگر نے سوار بن میمون سے روایت کیا ہے)

سند کا بیان

أخبرنا الحافظ ابو محمد اذنا انا ابن الشیرازی فی کتابه انا ابن عساکر سماعًا انا الشحامی انا البیهقی انا ابو عبدالله الحافظ اخبرنی علی ابن عمر الحافظ ثنا احمد بن محمد الحافظ حدثنی داود بن یحیی (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالبرکات ابن الانماطی انا ابوبکر الشامی انا ابوالحسن انا ابوالحسن العتیقی انا ابن الدخیل ثنا ابو جعفر محمد بن عمر و العقیلی ثنا محمد بن موسی قالا ثنا احمد بن الحسن الترمذی ثنا عبدالملک بن ابراهیم الجدی ثنا شعبة عن سوار بن میمون عن.....و فی حدیث الشحامی، ثنا هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبی ﷺ قال: مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

شحامی کی روایت:

شحامی نے روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ " وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَ صَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ " وَقَالَا " وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِالْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ فِي الْآمِنِيْنَ" وَ قَالَ الشحامي : " مِنَ الْآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

(جو شخص مدینہ منورہ میں رہا اور اس میں آنے والی آزمائشوں پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شافع ہوں گا۔)

اور دوسری حدیث کا ترجمہ یوں ہے۔ (جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو مامون لوگوں میں سے اٹھائے گا۔)

رجال سند پر تبصرہ:

اس سند میں مذکور ہارون بن قزعہ، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور عقیلی نے ان کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی احادیث کے متابع نہیں ہیں۔

پس سند میں ایک راوی رہ جاتے ہیں جو مبہم ہیں۔ اور وہ راوی آل عمر یا آل خطاب ہے، ان کے بارے میں ہو سکتا ہے کو وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں ۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہارون ابن قزعہ ایک شخص سے جو ولد حاطب سے ہے، سے روایت کرتے ہیں۔اور یہ احادیث مرسل ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں یہ ایک اچھی مرسل ہو گی۔

رہا ازدی کا یہ قول کہ ہارون متروک الحدیث ہیں اور ان سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ ان کے اس قول کی وجہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور عقیلی کا ہارون کے بارے میں قول ہے۔ دراصل ان کا ایسا کہنا مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ ایسا اس راوی کے بارے میں کہنا

چاہیے جس راوی کے حال کا علم ہو کہ وہ متروک ہے۔ اور جب آپ کو اس بات کا علم ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن حبان، ازدی سے زیادہ جاننے والے اور ثقہ ہیں۔ اور انہوں نے ہارون بن قزعہ سے مسندا بھی روایت کیا ہے۔

آٹھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر نے روایت کیا ہے۔)

حدیث کی سند کا بیان:

أخبرناه الحافظ ابو محمد الدمیاطی سماعا علیه فی کتاب السنن للدارقطنی قال انا الحافظ ابوالحجاج یوسف بن خلیل انا الویرج انا الاخشید انا ابن عبدالرحیم انا الدارقطنی ثنا ابوعبید و القاضی ابوعبدالله و ابن مخلد قالوا ثنا محمد بن الولید البسری ثنا وکیع ثنا خالد بن ابی خالد و ابو عون عن الشعبی و الأسود بن میمون عن هارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ، وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِالْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ "

اس طرح یہ سنن دارقطنی میں مذکور ہے۔

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

و أنبانا به أیضا عبدالمؤمن أنبانا ابن الشیرازی انا ابن عساکر انا فاتکین الترکی انا الجوهری انا علی بن محمد ابن لؤلؤ انا زکریا

الساجی (ح) قال ابن عساکر و انا احمد بن محمد البغدادی انا ابن شکرویه و محمد بن احمد السمسار قالا انا ابراهیم بن عبدالله انا المحاملی قالا ثنا محمد بن الولید البسری ثنا وکیع ثنا خالد بن ابی خالد و ابن عون عن الشعبی و الاسود بن میمون عن هارون بن قزعة به

و أنبأناه عبدالمؤمن ایضا أنبأنا ابو نصر انا ابن عساکر انا علی ابن ابراهیم الحسینی انا رشأ بن نظیف المقری انا الحسن بن اسماعیل الفرات ثنا احمد بن مروان المالکی ثنا زکریا بن عبدالرحمن البصری ثنا محمّد بن الولید ثنا وکیع بن الجراح عن خالد و ابن عون عن هارون ابن قزعة مولی حاطب عن حاطب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِی، وَمَنْ مَاتَ فِیْ أَحَدِالْحَرَمَیْنِ بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الْآمِنِیْنَ "

اسی طرح یہ احمد بن مروان المالکی کی روایت میں آیا ہے۔

نویں حدیث:

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِیْ وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ یَسْأَلْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْمَا افْتَرَضَ عَلَیْهِ

(رواه الحافظ ابو الفتح الازدی فی الثانی من فوائده.)

جس شخص نے فرض حج ادا کیا اور میری قبر مبارک کی زیارت کی اور اس نے جہاد کیا اور بیت المقدس میں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا تو اللہ تعالیٰ اس سے دوسرے فرائض کے بارے میں سوال نہیں فرمائے گا۔

سند کا بیان:

أخبرنا به ابوالنجم شهاب علي المحسنى قراء ة عليه و انا اسمع بالقرافه الصغرى فى سنة سبع وسبعمائة و ابوالفتح ابن ابراهيم بقراء تى عليه سنه ثلاث و عشرين قالا انا ابو محمد عبدالوهاب ابن ظافر بن علي بن فتوح الازدى المعروف بابن رواج قال الاول سماعا و قال الثاني اجازة قال انا الحافظ ابو طاهر بن احمد بن محمد بن احمد ابن ابراهيم بن سلفه السلفي الاصبهاني قراء ة عليه و انا اسمع انا ابو طالب عبدالقادر بن محمد بن يوسف ببغداد ثنا ابواسحاق بن ابراهيم بن عمر ابن احمد البرمكي انا ابوالفتح محمد بن الحسين بن احمد الازدى الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابى الدلهات ثنا ابو سهل بدر بن عبدالله المصيصي ثنا الحسن بن عثمان الرمادى ثنا عمار بن محمد حدثني خالي سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ:

"مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الإِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِیْ وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلّٰى عَلَیَّ فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ یَسْأَلْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْمَا افْتَرَضَ عَلَیْهِ"

سند پر تبصرہ:

۱۔ اس سند میں عمار بن محمد ہیں جو سفیان ثوری کے بھانجے ہیں۔ ان سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالٰی نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حسن بن عثمان الرمادی، ان کے بارے میں خطیب نے کہا ہے کہ یہ ایک جلیل القدر عالم دین، اہل معرفت، بہت ثقہ اور امانت دار تھے۔ انہوں نے خلیفہ متوکل کے دور میں شرقیہ کا منصب قضاء سنبھالا۔ ان سے طلحہ ابن جعفر نے روایت کیا ہے۔ اور ان کو خطیب کے علاوہ دیگر نے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بہت صالح بہت فہم وفراست والے انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔

۳۔ ابو سھل بدر بن عبداللہ المصیصی مجھے ان کے احوال کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہوئی۔

۴۔ نعمان بن ھارون بن ابی الدلھات، انہوں نے بغداد میں بہت سے لوگوں سے روایت کیا ہے اور ان سے محمد بن المظفر اور علی بن عمر السکری نے روایت کیا ہے۔

اور خطیب فرماتے ہیں۔ میں ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

۵۔ ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد الازدی الموصلی، یہ اہل علم وفضل میں سے تھے۔ اور حافظ حدیث تھے اور انہوں نے علوم الحدیث میں ایک کتاب لکھی ہے جس کو خطیب بغدادی نے تاریخ میں اور ابن السمعانی نے الانساب میں ذکر کیا ہے۔

محمد بن جعفر بن علان نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور ابوالنجیب الارموی نے کہا ہے کہ اہل موصل ان کی قدر دانی نہیں کرتے تھے اور ان کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے۔ اور جب برقانی سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ اور برقانی کے علاوہ دیگر نے ان کے بارے میں اس سے بھی سخت رائے دی ہے۔

دسویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ وَ اَنَا حَیٌّ

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(رواه ابوالفتوح سعيد بن محمد بن اسماعيل اليعقوبي في جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض فضائل سيدنا رسول الله ﷺ وآثاره و ما ورد في فضل زيارته و درجة زواره)

سند کا بیان:

اس حدیث کو محدث اسماعیل بن عبداللہ بن عبدالمحسن الانصاری المالکی جو کہ ابن الانماطی کے نام سے مشہور ہیں نے اپنی حدیث کی کتاب '' جزء '' میں روایت کیا ہے اور

میں نے ان کے خط سے نقل کیا ہے۔ وہ یوں روایت کرتے ہیں: ہم کو ابو محمد عبداللہ بن علوان بن ھبۃ اللہ بن ریحان الحوطی التکریتی الصوفی نے قراءۃ بیان کیا اور میں نے اس کو حرم شریف میں دکۃ الصوفیۃ پر باب بنی شیبۃ کی طرف کعبۃ معظمۃ میں سنا۔ اور اس کی سند یوں ہے۔

قال ثنا ابوالفتوح سعید بن محمد بن اسماعیل الیعقوبی فی ربیع الاول سنة اثنتین و خمسین و خمسمائة قال ثنا الامام ابن السمعانی ثنا ابوسعید احمد بن محمد بن احمد بن الحسن الحافظ املاء فی الروضة بین قبر النبی ﷺ و منبره فی الزورة الثانیة انا ابوالحسین احمد بن عبدالرحمن الذکوانی انا احمد بن موسی بن مردویه الحافظ ثنا الحسن ابن محمد السوسی ثنا احمد بن سهل بن ایوب ثنا خالد بن یزید ثنا عبدالله بن عمر العمری قال سمعت سعد المقبری یقول سمعت اباهریرة رضی اللہ عنہ یقول قال رسول الله ﷺ : "مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ وَ اَنَا حَیٌّ، وَ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا وَ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ"

سند پر تبصرہ:

اس سند میں خالد بن یزید، اگر تو یہ العمری ہیں تو ان کے بارے میں ابن حبان نے کہا ہے کہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہے۔

احمد بن سہل بن ایوب اھوازی، ان کے بارے میں الصریفینی نے کہا ہے کہ یہ اھواز میں ترویہ کے دن ۲۹۱ھ میں وصال فرما گئے۔

گیارھویں حدیث:

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا. أَوْشَهِیْدًا

جس شخص نے خلوص نیّت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا (یہ کہا) اس کا گواہ ہوں گا۔

ا۔ البیهقی، شعب الایمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۷

۲۔ العسقلانی، تلخیص الجبیر، ۲: ۲۶۷

۳۔ الهندی، کنز العمال، ۱۵: ۶۵۲، رقم: ۴۲۵۸۴

وفی روایة "مَنْ زَارَنِیْ مُحْتَسِبًا اِلَی الْمَدِیْنَةِ کَانَ فِیْ جَوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ"

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ منورہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہو گا۔

سند کا بیان:

أنبانا الدمیاطی و ابن هارون و غیرهما قالوا أنبانا محمد بن هبه الله قال انا علی ابن الحسن الحافظ سماعا انا زاهر انا البیهقی انا ابو سعید بن ابی عمرو(ح) قال الحافظ و انا ابو سعید ابن البغدادی انا ابو نصر محمد بن احمد ابن شبویه انا ابو سعید الصیرفی انا محمد بن عبدالله الصفار ثنا ابن ابی الدنیا حدثنی سعید بن عثمان الجرجانی ثنا محمد بن اسماعیل بن ابی فدیك اخبرنی ابو المثنی سلیمان بن یزید العکی و فی حدیث زاهر: العتکی، (ح) قال الحافظ و انا ابن

السمرقندی انا بن مسعدۃ انا حمزۃ ثنا ابوبکر بن محمد احمد بن اسماعیل بجرجان ثنا ابوعوانۃ موسی بن یوسف القطان ثنا عباد بن موسی الختلی ثنا ابن ابی فدیک عن سلیمان ابن یزید الکعبی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: "مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَ شَهِیْدًا" وفی حدیث عبادۃ : "کُنْتُ لَہٗ شَهِیْدًا أَوْ شَفِیْعًا" و قالا "یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"

اس حدیث کو محدث ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مثیر العزم الساکن" میں ذکر کیا ہے اور میں نے مذکورہ سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس کی سند کے ساتھ جو ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

انا ابو عبداللہ الحافظ ثنا علی بن عیسی ثنا احمد بن عبدوس بن حمدویہ الصفار النیسابوری ثنا ایوب بن الحسن ثنا محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک بالمدینۃ ثنا سلیمان بن یزید الکعبی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : "مَنْ مَاتَ فِیْ أَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ مَنْ زَارَنِیْ مُحْتَسِبًا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"

سند پر تبصرہ:

یہ تینوں اسناد ابن ابی فدیک کے گرد گھومتی ہیں اور وہ مجمع علیہ ہے۔ اور سلیمان بن یزید کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہے قوی نہیں۔

بارہویں حدیث:

مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ

میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حافظ ابو عبداللہ محمد بن محمود ابن نجار اپنی کتاب "الدرّة الثمينة في فضائل المدينة" میں بیان کرتے ہیں۔

أنبانا ابو محمد بن علي انا ابو يعلى الأزدي انا ابو اسحاق البجلي انا سعيد بن ابي سعيد النيسابوري انا ابراهيم بن محمد المؤدب انا ابراهيم بن محمد ثنا محمد بن محمد ثنا محمد بن مقاتل ثنا جعفر ابن هازون ثنا سمعان بن المهدي عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ "مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ"

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گئی۔ میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

تیرہویں حدیث:

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ حَتّٰی یَنْتَهِیْ اِلٰی قَبْرِیْ كُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَهِیْدًا او قال شفیعًا

جس شخص نے میری زیارت کی حتیٰ کہ میری قبر پر پہنچا میں قیامت کے دن اس کو گواہ ہوں گا یا اس کا شفیع ہوں گا۔

(اس حدیث کو حافظ ابوجعفر عقیلی نے "کتاب الضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔)

سند کا بیان:

قال : ثنا سعید بن محمد الحضرمي ثنا فضلة بن سعید بن زمیل المازني ثنا محمد بن یحیی المازني عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ "مَنْ زَارَنِیْ فِیْ مَمَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَ مَنْ زَارَنِیْ حَتّٰی یَنْتَهِیْ اِلٰی قَبْرِیْ كُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شهِیْدًا او قَالَ شَفِیْعًا "

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

أنبأنا به ابو محمد الدمیاطي عن ابن هبة الله بسماعه منه انا ابو البرکات عبدالوهاب بن المبارك الانماطي انا ابوبكر محمد بن المظفر الشامي انا ابوالحسن احمد ابن محمد العتیقي انا یعقوب بن یوسف بن احمد الصیدلاني ثنا ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلي.

آگے انہوں نے اپنی سند بیان کی ہے مگر متن میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔" مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ كَانَ كَمَنْ رَآنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ .... اور باقی حدیث اسی طرح ہے۔

سند پر تبصرہ:

اس سند میں شعیب بن محمد الحضرمی ہیں اور شاید اس سند میں تصحیف ہے۔ اور فضالۃ بن سعید، ان کے بارے میں عقیلی نے کہا ہے کہ ان کی حدیث محفوظ نہیں۔ اور محمد بن یحیٰ المازنی، ان کو ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی احادیث تاریک اور منکر ہیں۔ اور ابن عدی نے اس حدیث کو اپنی احادیث میں ذکر نہیں کیا۔ اور ان کے بارے میں کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی عقیلی نے فضالہ کے بارے میں کچھ کہا ہے سوائے یہ کہ راوی متفرد ہیں اور ان کی احادیث منکر ہیں۔

چودہویں حدیث:

مَنْ لَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ

جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا

حدیث کی سند کا بیان:

قال ابو الحسين يحيى بن الحسن بن جعفر الحسنى فى كتاب " أخبار المدينة" ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمذانى ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل مدينى سنة ست و سبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه أنه قال قال رسول الله ﷺ " مَنْ زَارَقَبْرِىْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَ مَنْ لَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ "

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

و قال الحافظ ابو عبدالله ابن النجار فى "الدرّة الثمينة": روى عن

علی رضی اللہ عنہ أنه قال قال رسول الله ﷺ "مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ"

(جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

ابو سعید عبدالملک بن محمد بن ابراھیم نیشاپوری خرکوشی واعظ اپنی کتاب "شرف المصطفی ﷺ" میں بیان کرتے ہیں۔

روی عن علیؓ رضی اللہ عنہ أنه قال قال نبی الله ﷺ "مَنْ زَارَقَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَ مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ"

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

کتاب "شرف المصطفی ﷺ" آٹھ جلدوں میں ہے اور اس کے مصنف عبدالملک نیشاپوری ہیں جنہوں نے علوم شریعہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان کا وصال ۴۰۶ ھ میں نیشاپور میں ہوا۔ وہاں ان کی قبر مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فقہ میں استاذ شیخ ابو الحسن الماسرجسی ہیں اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان کی ہے۔ اس کی ابن عساکر نے تخریج کی ہے۔

أنبأنا عبدالمؤمن و آخرون عن ابن الشيرازى انا ابن عساكر انا ابو العز احمد بن عبيد الله انا ابو محمد الجوهرى انا على بن محمد بن احمد بن نصير بن عرفة ثنا محمد بن ابراهيم الصلحى ثنا منصور بن قدامة الواسطى ثنا المصفى ابن ابى الجارود ثنا عبدالملك بن هارون بن عنترة عن ابيه عن جده عن على بن ابى طالب قال: " من سأل لرسول الله ﷺ الدرجة الوسيلة حلّت له شفاعتى يوم القيامة و من زار قبر رسول الله ﷺ كان فى جوار رسول الله ﷺ."

عبدالملک بن حارون بن عنترۃ پر بہت جرح کی گئی ہے۔ یحیٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حدیث کو منکر قرار دیا اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

پندرہویں حدیث:

مَنْ أَتٰی الْمَدِیْنَةَ زَائِرًا لِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ أَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ آمِنًا.

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

حدیث کی سند کا بیان

امام یحیٰ الحسینی کتاب" أخبار المدینة فی ما جاء فی زیارة قبر النبی ﷺ و فی السلام علیه " میں اس سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ثنا محمد ابن یعقوب ثنا عبداللہ بن وھب عن رجل عن بکر بن عبداللہ عن النبی ﷺ قال " مَنْ أَتٰی الْمَدِیْنَةَ زَائِرًا لِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ أَحَدِالْحَرَمَیْنِ بُعِثَ آمِنًا"

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

اس طرح کی اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ''جس شخص کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ میری قبر کی زیارت کرے اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کرنی چاہیے۔'' ان روایات کو ہم ان شاء اللہ تعالی ''انبیائے کرام و صالحین کی قبور کی زیارت'' کے ذیل میں بیان کریں گے۔

دوسرا باب

اُن احادیث کا بیان جن میں لفظِ زیارت نہیں لیکن وہ زیارت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں

سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ ص سے یہ مروی ہے:

ما من أحد يسلّم عليّ الا ردّ الله عليّ روحي حتى أردّ عليه السّلام۔

"جب مجھے کوئی سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا ہوا ہے تا کہ میں اُس کے سلام کا جواب دوں۔"

حدیث کی سند کا بیان

انا بذلك و بجميع سنن ابى داود شيخنا الحافظ ابو محمد الدمياطى بقراء تى عليه لبعضها و قراء ة عليه و انا اسمع لباقيها قال انا بجميعها ابوالحسن ابن ابى عبدالله بن ابى الحسن البغدادى قراء ة عليه و انا اسمع عن ابى المعالى الفضل بن سهل بن بشر الاسفرايني عن الخطيب ابى بكر احمد بن على بن ثابت الحافظ قال شيخنا و انا ايضا. ابوالحسن عن الحافظ ابى الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن على الفارسى الاصل السلامى قال أخبر الشيخان ابو عبدالله محمد بن احمد بن عمر بن السمرقندى المقرى و العدل الفقيه ابوالحسين محمد بن محمد بن الحسين بن محمد الفراء الحنبلى قالا انا الخطيب و فات ابن السمرقندى الجزء السابع و العشرون فرواه عن الخطيب بالاجازة . قال ابن ناصر و قرأت هذا الكتاب مرارا على الشيخ الصالح ابى غالب محمد بن الحسن بن على البصرى الماوردى قالا انا ابو على على بن احمد بن على التسترى قالا انا ابو عمر القاسم بن جعفر ابن عبدالواحد الهاشمى انا ابو على محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤى ثنا أبوداود سليمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانى قال لنا محمد بن عوف ثنا المقرىء ثنا حيوة عن ابى صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبدالله بن قسيط عن ابى هريرة فذكره بلفظه .

سند پر تبصرہ:

یہ اسناد صحیح ہے۔ اور اس میں رواۃ کا حال یہ ہے۔

۱۔ محمد بن عوف: یہ امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ جلیل اور حافظ ہیں۔ ان کا اعتبار کیا جاتا ہے (لا یسئل عنہ)

۲۔ المقری ۲۔ حیوۃ ۳۔ اور یزید بن عبداللہ بن قسیط یہ "متفق علیھم" ہیں۔

حمید بن زیاد کے بارے میں آراء:

۱۔ ان سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: لیس بہ بأس۔ اور یہی رائے امام ابوحاتم کی ہے۔

۳۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: ثقہ لیس بہ بأس۔ ابن معین سے روایت کی گئی ہے کہ یہ ان کو "ضعیف" کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی صورتیں:

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا مقصد تو دعا ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں: "صلّی اللہ علیہ وسلّم" (اے اللہ تعالیٰ! حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما۔) یہ تو دعا ہے۔ سلام بھیجنے والے کو مسلّم اور صلوٰۃ بھیجنے والے کو مصلی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [الاحزاب:۵۶]

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی اکرم پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو آپ پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صحیحین کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے پس آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

قُوْلُوْا: " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وآلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.
اور فرمایا: سلام تو وہی ہے جو تم جانتے ہو۔"

علمائے کرام نے کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو التحیات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی " السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ "

صلوٰۃ وسلام کی اس قسم میں بہت سی روایتوں میں علی محمد کی بجائے علی رسول اللہ کا لفظ منقول ہے۔ اس سلسلے میں حضرت فاطمہ اللہ عنہا سے روایت ہے۔

روی عن فاطمة بنت النبی ﷺ ورضی اللہ عنها قالت قال لی رسول اللہ ﷺ :
"اِذَا دَخَلْتِ الْمَسْجِدَ فَقُوْلِيْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَاغْفِرْلَنَا وَسَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، فَاِذَا فَرَغْتِ فَقُوْلِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ غَيْرَ اَنْ قُوْلِيْ وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ"
(رواه القاضی اسماعیل بهذا اللفظ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو مسجد میں داخل ہو تو اس طرح کہہ " بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَاغْفِرْلَنَا وَسَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب تو نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلے تو بھی یہی کہا کر اور سهل لنا ابواب رحمتك کی بجائے سهل لنا ابواب فضلك کہا کر۔" قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

و عن فاطمة رضی الله عنها قالت: " كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَاِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ"

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس طرح فرماتے " بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلتے تو بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ" اس حدیث کو امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی یہ قسم خطاب (الصّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ) اور غیبت (الصّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ) کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور اس قسم میں اِسی طرح صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ خواہ پڑھنے والا دربارِ نبوی سے غائب ہو یا دربار میں حاضر ہو اور صلوٰۃ و سلام کی یہی قسم ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی غیر کے لئے صرف تبعاً استعمال کی جا سکتی ہے۔

سلام کی دوسری قسم:

اس سے مراد یہ ہے کہ سلام اِس طرح کیا جاتا ہے جس طرح کوئی آنے والا آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام کرتا ہے۔ اور یہ سلام حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اور بعد از وصال ایک ہی طرح سے ہے اور یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بالتبع عام مسلمان بھی باہم کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر مبارک کے پاس پہنچتے تو یوں عرض کرتے:

" السّلام عليك يا رسولَ الله السلام عليك يا ابا بكر السّلام عليك يا ابتاه "

اور یہ بھی دونوں طریقوں سے آپ سے مروی ہے۔ خطاب کے لفظ کے ساتھ بھی اور غائب کے لفظ سے بھی۔ سلام کی اس قسم کا تقاضا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اِس کا جواب بھی ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ یقیناً اِس کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ سلام کرنے والا خود قبرِ شریف کے پاس پہنچا حاضر ہو یا اس نے کسی قاصد کے ذریعہ سلام بھجوایا ہو جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اُن کا سلام پہنچا دے۔ دوسری قسم کے سلام میں سلام کرنے والے کو یقیناً جواب ملنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

پہلی قسم میں یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے اِس صورت میں بھی جواب ملتا ہو۔ تاکہ مسلمانوں کو جواب کی برکت ہر حالت میں حاصل ہو جایا کرے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دربارِ نبوی میں حاضر ہوا ہے اُس کو یقیناً قرب کی فضیلت مزید حاصل ہوتی ہے اور اگر جواب کا ملنا صرف سوال کی دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے تو وہ شخص جو دربار میں حاضر نہیں ہے اُس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو اِس فضیلت سے محروم نہ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

أَتَانِیْ مَلَكٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ يَقُوْلُ "أَمَا يُرْضِيْكَ أَنْ لَايُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا"
(رواه القاضي اسماعيل)

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "میرے پاس فرشتہ آیا اور عرض کیا۔ اے محمد! آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ اِس بات پر راضی نہیں کہ جو آپ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اُس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو تمہیں ایک بار سلام کرتا ہے میں اُس پر دس بار سلام بھیجتا ہوں؟" صاف ظاہر اس حدیث کا تعلق سلام کی قسم اوّل سے ہے۔

فصل:

جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتا ہے آپ ﷺ کو اس کا علم ہو جاتا ہے

روی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبیّ ﷺ قال: "اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَة سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِيْ السَّلَامَ"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ فرشتے روئے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے وہ اُس کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

اس کو امام نسائی اور قاضی اسماعیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ اور ان دو کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے اور یہ اسانید صحیحہ ہیں۔ اور اس کی سند اس طرح ہے۔ سفیان ثوری عن عبداللہ بن السائب ھکذافی کتاب القاضی اسماعیل و عبداللہ بن السائب و زاذان۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اور ان کو امام ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ پس یہ سند صحیح ہے۔

اِسی طرح کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

رواہ ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدی عن سفیان الثوری عن عبداللہ بن السائب عن زاذان عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ: "اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَة يَسِيْحُوْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنَ صَلَاةً مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ أُمَّتِيْ"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت اس طرح ہے۔

قال الدارقطنی المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود "يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِيْ السَّلَامَ"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ " مجھے میرے امت سے سلام پہنچاتے ہیں۔"

بکر ابن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ يُحَدَّثُ لَكُمْ فَإِذَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِيْ خَيْرًا لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَإِنْ رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللهَ وَ إِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ ذٰلِكَ اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ "

"میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم مجھ سے اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ اور جب میری وصال ہو جائے گا تو میرا وصال تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اگر برائی دیکھونگا تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت چاہوں گا۔"

قال ایوب السختیانی: " بلغنی واللہ أعلم ان ملکًا مؤکّل بکل من صلّی علی النبیّ ﷺ حتی یبلّغه النبیّ ﷺ."

ایوب سختیانی نے فرمایا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ہر اُس شخص پر جو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو درود کو حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب "فضل الصّلوۃ علی النّبیّ ﷺ" میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"لا تجعلو بیوتکم قبورا و صلّوا علیّ و سلّموا حیث کنتم فسیبلغنی سلامکم و صلاتکم" (رواہ ابو داود)

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجا کرو۔ وہ تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائے گا۔''

ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف سندوں سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ان اللہ أعطانی ملکا من الملائکة یقوم علی قبری اذا أنا متّ فلا یصلّی علیّ عبد صلاة الا قال یا أحمد ! فلان بن فلان یصلّی علیك ، یسمّیه باسمه و اسم ابیه فیصلّی اللہ علیه مکانها عشرا"

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فرشتہ عطا فرمایا ہے جو میری قبر پر میرے مرنے کے بعد حاضر رہے گا اور جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ سے کہے گا اے احمد مجتبیٰ! آپ پر فلاں ابن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس شخص پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

ایک اور روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔

" ان اللہ أعطی ملکا من الملائکة اسماء الخلائق و فی روایة اسماع الخلائق فهو قائم یلی قبری الی یوم القیامة."

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں سے ایک کو تمام مخلوقات کے نام دے دیئے ہوئے ہیں پس وہ قیامت تک میری قبر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے (تاکہ سلام عرض کرنے والوں کے نام لکھتا رہے۔)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

و عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: " لیس أحد من أمة محمد ﷺ یصلّی علیه صلاة الا و هی تبلغه یقول له الملك فلان یصلّی علیك کذا و کذا صلاة "

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اُمت میں سے جو کوئی بھی آپ پر درود بھیجتا ہے تو وہ آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ ایک فرشتہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔

اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضور نبی اکرم ﷺ کو خبر پہنچاتے ہیں۔ اِسی طرح دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درود بھیجنے والے کا درود حضور نبی اکرم ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔

جمعہ کے دن صلاۃ وسلام کی اہمیت:

اوس ابن اوس کی روایت سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد میں منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" انّ من افضل ايامكم يوم الجمعة فأكثروا عليّ من الصلاة فيه فانّ صلاتكم معروضة عليّ، قال فقالوا يارسول الله و كيف تعرض صلاتنا عليك و قد ارمت؟ قال يقولون بليت ، قال انّ الله حرّم على الأرض أجساد الأنبياء "

"تمہارے دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اُس میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ اِس لئے کہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کیا ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش ہوں گے، آپ تو مٹی بن چکے ہوں گے؟ (آپ کا جسم مٹی ہو چکا ہوگا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم کھائے۔"

حدیث کی سند:

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مذکور کو ایک اور سند سے بیان کیا ہے جس کو انہوں نے کتاب الجنائز کے آخر میں بیان کیا ہے۔ اور اس کے متن

میں الفاظ کی زیادتی ہے۔

انا اقضی القضاۃ ابوبکر محمد بن عبدعظیم بن علی الشافعی المعروف بابن السقطی بقراء تی علیه بحمیع سنن ابن ماجة قال انا ابوبکر عبدالعزیز ابن احمد ابی الفتح بن یاقا اجازۃ قال انا ابوزرعة طاهر بن محمد طاهر المقدسی سماعا الا ما عین فی الکتاب باجازته من ابی زرعة و هذا الحدیث من المسموع ، قال انا ابو منصور محمد بن الحسین ابن احمد بن الهیثم المقومی اجازۃ ان لم یکن سماعا۔ ثم ظهر سماعه منه ۔ انا ابو طلحة القاسم بن ابی المنذر الخطیب انا ابو القاسم علی بن ابراهیم بن سلمة بن بحر القطان ثنا ابو عبدالله محمد بن یزید بن ماجه ثنا عمرو بن سوار المقری ثنا عبدالله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی هلال عن زید ابن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : " أكثروا الصلاة عليّ يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملائكة و ان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلاته حتّی یفرغ منها قال قلت: بعد الموت؟ قال و بعد الموت ، ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الأنبياء علیہم السلام فنبی الله حی یرزق "

یہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں اور اس میں " حتّی یفرغ منها " کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ اور حتّی کے لفظ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ درود شریف بغیر کسی تاخیر کے فوری پیش کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث مرسل کے الفاظ یہ ہیں۔

عن الحسن عن النبی ﷺ : " أكثروا عليّ الصلاة يوم الجمعة فانها تعرض عليّ "

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ کہ ''مجھ پر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

اسی طرح امام ابوبکر احمد بن محمد اسحاق بن السنی نے کتاب عمل یوم و لیلۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔

عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: " أكثروا الصلاة علىّ يوم الجمعة "

اس حدیث کی سند پر بحث کرنے کے بعد امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی جس کی سند کو عمدہ قرار دیا گیا ہے اُس کے الفاظ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أكثروا علىّ من الصلاة في كل يوم الجمعة فان صلاة امتي تعرض علىّ في كل يوم جمعة فمن كان أكثرهم علىّ صلاة كان أقربهم مني منزلة "

''ہر جمعہ کو میرے اُوپر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ ہر جمعہ کو میری اُمت کے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، جس کے درود زیادہ ہوں گے وہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔''

یزید الرقاشی کی روایت ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن اِس بات کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے کہ درود بھیجنے والا کا درود حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچائے اور کہے کہ آپ کی اُمت کے فلاں شخص نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے۔

حضرت ابوطلحہ کی ایک روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

عن ابي طلحة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : " اتاني جبرئيل ﷺ قال بشّر امتك ، من صلّى عليك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات

و کفر عنہ بھا عشر سیئات و رفع لہ بھا عشر درجات و ردّ اللہ علیہ مثل قولہ و عرضت علیّ یوم القیامۃ" (رواہ ابن عساکر)

"میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اپنی اُمت کو آپ خوشخبری دیدیں کہ اُن میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور اُس کے دس رُتبے زیادہ کر دیتا ہے اور اُس کا درود مجھ پر قیامت کے دن پیش ہوگا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پیش ہونے کا وقت وہی بیان کیا گیا ہے جس وقت درود بھیجنے والے نے درود بھیجا ہے اور بعض احادیث میں جمعہ کے دن کا وقت قرار دیا گیا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہے کہ درود قیامت کے روز حضور نبی اکرم ﷺ پر پیش کئے جائینگے۔ اِن احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اِس لئے کہ درود بار بار پیش کئے جاتے ہیں۔ درود بھیجنے کے ساتھ ہی وہ درود پیش کر دیا جاتا ہے پھر جمعہ کے دن، اور اسی طرح قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث صراحتاً بیان کرتی ہیں کہ ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ اور وہ دونوں احادیث صحیح ہیں۔ اور حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث یہ بتلاتی ہیں کہ آپ ﷺ کے وصال فرمانے سے درود کے پہنچنے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور ان تمام احادیث کو ہمارا بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم یہ واضح کریں کہ درود پاک آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور ملائکہ کا آپ کی بارگاہ میں درود پیش کرنا یہ صاف ظاہر ہے اس شخص کے حوالے سے ہے جو حاضر نہ ہو اور رہا اس شخص کا معاملہ جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درود پاک پیش کر رہا ہے تو کیا اس کا درود بھی ملائکہ کے ذریعہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود کا پیش ہوتا ہے یا آپ براہ راست اس کو سماعت فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں دو حدیثیں مذکور

ہیں۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علیّ نائیابلغته ، و فی روایة نائیا منه أبلغت؟ و فی روایة نائیا من قبری ، و فی روایة عن قبری

''جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اُس کو سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

الحدیث الثانی:

ما من عبد یسلّم علیّ عند قبری الا وکل بها ملك لیبلغنی و کفی امر آخرته و دنیاه و کنت له شهیدا و شفیعا یوم القیامة.

''جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے،اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تا کہ مجھے وہ سلام پہنچائے اور یہ بات اُس کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے۔اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

و فی روایة: " من صلّی علیّ عند قبری و کل الله بها ملکا یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له شهیدا و شفیعا یوم القیامة."

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔''جو مسلمان میری قبر پر آ کر درود پیش کرتا ہے اُس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ درود مجھ تک پہنچا دے اور یہ بات اُس کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے روز اُس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔''

یہ دونوں احادیث محمد بن مروان السدی الصغیر سے مروی ہیں اور وہ ضعیف ہیں اگر ان کی سند اس واسطے سے ہو " عن الاعمش عن أبی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ"

اور رہی پہلی حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ قریب آ کر درود پیش کرنے والے کے درود کو میں براہِ راست سُنتا ہوں۔'' اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

احمد بن علي الحبراني و يوسف بن الضحاك الفقيه و محمّد بن عثمان ابن ابی شيبة و احمد بن ابراهيم بن ملحان و عيسى بن عبدالله الطيالسي و ليث بن نصر الصاغاني و الحسين بن عمر بن ابراهيم الثقفي كلهم عن العلاء بن عمرو الحنفي عن محمّد بن مروان السدى

اور دوسری حدیث کی سند اس طرح ہے۔

رواه محمّد بن عبدالله بن ابراهيم الشافعي و ابو الحسين احمد بن عثمان الآدمي و ابو عبدالله الصفار و محمّد بن عمر ابن حفص النيسابوری كلهم عن محمّد بن يونس بن موسىٰ الكديمي، و في بعض هذا عن محمّد بن موسىٰ نسبة الى جده عن الاصمعي عبدالملك ابن قريب عن محمّد بن مروان السدى عن الاعمش

اور حدیث پہلی سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں الکدیمی کا ضعف السدی کے ساتھ مل گیا ہے۔ اور پہلی حدیث میں سدی جو کہ اضعف ہیں وہ نہیں ہیں۔

اب ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ جو شخص قبر کے پاس آ کر سلام کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اُس کو براہِ راست سنتے ہیں اور اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُس شخص کی حاضری حضور نبی اکرم ﷺ کے علم میں ہوتی ہے اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اُس کے حاصل کرنے کے لئے دُنیا کی دولتیں لٹائی جا سکتی ہیں۔

سلیمان بن سحیم کا خواب:

سلیمان ابن سحیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ لوگ قبر کے پاس آ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ کو اُن کے سلام کا علم ہوتا ہے؟ حضور نبی اکرم نے فرمایا: بیشک۔ اور میں اُن کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابراھیم بن بشار کا واقعہ:

حضرت ابراہیم ابن بشار رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ میں نے ایک بار حج کیا مدینہ منورہ پہنچا تو حضور ﷺ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے سلام عرض کیا اور میں نے حجرہ کے اندر سے وعلیکم السلام کی آواز سنی۔

"ردّ اللہ روحی" کا معنیٰ:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ اِس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنیٰ تو یہ ہیں۔ حافظ ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دوبارہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر میں روح لوٹا دی گئی ہے تا کہ آپ ﷺ سلام کرنے والوں کا جواب دے سکیں اور اب وہ روح مستقلاً حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک میں ہے۔

دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روحِ مبارک جناب باری تعالیٰ میں مشغول رہتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ جب کوئی سلام کرتا ہے تو روح مبارکہ سلام پیش کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اُس سلام کو سننے کے بعد اس کا جواب دیتی ہے۔

تیسرا باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا اور اس بارے میں وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا بیان

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے زیارتِ قبر نبی ﷺ کی نیت سے سفر ثابت ہے اُن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ محض قبر نبی ﷺ کی زیارت کے لئے شام سے چل کر مدینہ منورہ آئے۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور عبدالغنی مقدسی نے "الکمال" میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے بعد کبھی کسی کے لیے آذان نہیں دی، سوائے اس سفر کے جو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے شام سے مدینہ تک کیا تھا۔ اور پھر جب مدینہ پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر انہوں نے اذان دینی شروع کی، لیکن اذان پوری نہ کر سکے۔ اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آذان دی تھی۔

ابن عساکر کی سند کا بیان:

أنبأنا عبد المؤمن بن خلف ع علي بن محمّد بن هارون و غيرهما قالوا ان القاضي ابو نصر بن هبة الله بن محمّد بن مميل الشيرازی اذنا ان الحافظ ابو القاسم علي بن الحسين بن هبة الله بن عساكر الدمشقي قراء ة عليه وانا اسمع قال انا ابو القاسم زاهر بن طاهر قال انا انا ابو سعيد محمّد بن عبد الرحمن قال انا ابو احمد محمّد بن محمّد انا ابو الحسن محمّد بن محمّد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء حدثني ابي محمّد بن سليمان عن ابيه سليمان بن بلال عن ام الدرداء عن ابي الدرداء قال لما دخل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بيت المقدس ....فزوجوهما.

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فتح بیت

المقدس کے بعد روانہ ہوئے اور جابیہ کی طرف گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ انہیں شام میں ہی رہنے کی اجازت دے دیں۔ پس انہوں نے اجازت دے دی۔ پھر انہوں نے کہا اور میرے بھائی ابو رویحہ رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے میری مؤاخات کرائی تھی۔ پس آپ اور آپ کے بھائی دونوں شہر خولان میں قیام پذیر ہو گئے۔ پھر وہ دونوں خولان کے لوگوں کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے: ہم تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہم کافر تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم دونوں مفلس تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی کر دیا۔ پس اگر تم ہمیں رشتہ دے دو تو الحمد للہ اور اگر تم ہمیں واپس لوٹا دو تو ولا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ پس ان لوگوں نے ان کا نکاح کروا دیا۔

ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ظلم و جفا ہے، کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے آؤ؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو ان پر بہت خوف اور رنج طاری تھا فوراً شام سے مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہوگئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر رونا اور اس پر چہرے کو رگڑنا شروع کر دیا۔ اتنے میں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آگئے ان کو دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کو سینے سے چمٹالیا اور پیار کرنا شروع کر دیا اُن دونوں نے کہا اے بلال! ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں وہ اذان سناؤ، جو آپ ہمارے نانا جان کے لئے دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ آذان دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ مسجد نبوی کی چھت پر اُس جگہ پہنچے جہاں کھڑے ہوکر وہ آذان دیا کرتے تھے۔ آذان کے شروع میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر کہا تھا کہ مدینہ میں بھونچال آ گیا جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا بھونچال اور بڑھ گیا۔ جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه کہا تو بچے اور عورتیں روتے پیٹتے گھروں سے باہر نکل آئے اور ان کو یہ کہنے لگے کہ کیا حضور اکرم ﷺ کی دوبارہ تشریف آوری ہوگئی ہے؟ آپ ﷺ کے وصال کے دن کے علاوہ مدینہ میں اس دن سے زیادہ آہ و بکا نہیں سنی گئی تھی۔

ابن عساکر نے اس روایت کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو رویحہ ان کا نام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الخثعمی ہے۔ اور طبقات میں ہے کہ ان کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مؤاخات کو محمد بن عمر نے ثابت نہیں کیا مگر ابن اسحاق وغیرہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر پر استدلال محض خواب کی بات سے نہیں ہے بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صحابی رسول کے عمل سے ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا قصہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خواب ان سے مخفی رہا ہو۔ نیز جبکہ یہ ثابت ہے کہ شیطان حضور نبی اکرم ﷺ کے بھیس میں کسی کے خواب میں نہیں آ سکتا ہے اور یہ خواب جو کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فعل کا مؤید ہے یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ شام سے مدینہ کو اپنا قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر ان کا سلام پیش کرے۔

امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم نے فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر شام سے اور تابعین کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے قاصد کا سفر محض زیارتِ قبر نبی ﷺ اور سلام کے لئے تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ دنیوی تھا نہ دینی۔ ہم یہ وضاحت اس لئے کر رہے ہیں تاکہ کوئی بے علم یہ نہ کہے کہ صرف زیارت کے لیے سفر سنت نہیں۔ ہم اس کا رد کسی اور مقام پر کریں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے کسی ضرورت کی بناء پر مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر قبر نبی ﷺ کی زیارت کی یا ان کے قصد کی بنیاد کسی حاجت اور زیارت دونوں پر تھی ایسے افراد تو بے شمار ہیں۔ یزید ابن ابی سعید کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملنے گیا۔ جب میں ان کے پاس سے چلنے لگا تو فرمایا کہ میری تم سے ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ جب تم مدینہ پہنچ کر قبر نبی کی زیارت کرو گے اس وقت میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے۔

ابو اللیث سمرقندی نے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ ابو القاسم نے فرمایا: جب میں

نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تو قاسم بن غسان نے کہا میری تم سے ایک گذارش ہے جب تم قبر نبی ﷺ کے پاس پہنچو تو میرا سلام عرض کر دینا۔ پس جب میں نے مسجد نبوی میں اپنا قدم رکھا تو مجھے ان کا وہ پیغام یاد آیا۔

فقیہ ابو اللیث نے فرمایا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی خود مدینہ نہ پہنچ سکے اور دوسرے کے ذریعہ سلام پہنچائے تو ان شاء اللہ اس کو بھی سلام کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ اور ''فتوح الشام'' میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں مقیم تھے انہوں نے ایک خط حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں ان سے بیت المقدس پہنچنے کی درخواست کی۔ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو شب کا وقت تھا فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی سلام عرض کیا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کر لی۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں پہنچے اور اسلام لے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان سے فرمایا: کیا تمہاری خواہش نہیں کہ میرے ساتھ مدینہ چلو اور حضور اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری دو۔ اور آپ ﷺ کی زیارت سے لطف اندوز ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں ضرور ایسا کروں گا۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس وقت مدینہ پہنچے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

مؤرخین اور محدثین بیان کرتے ہیں جن میں ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب میں اور بلاذری نے ''تاریخ الاشراف'' میں اور ابن عبد ربہ نے ''العقد'' میں ذکر کیا ہے کہ زیاد ابن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو اس کے پاس حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ آئے وہ براہ راست اس سے بات نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس تک اپنی بات پہنچانے کی یہ تدبیر کی کہ اس کے چھوٹے بیٹے کو گود میں بٹھالیا اور اس بچہ کو خطاب کر کے باتیں کرنے لگے تا کہ زیاد ان کی بات سن لے۔ اس بچہ سے کہا کہ تیرے باپ کے یہ یہ کالے کارنامے ہیں۔ اور وہ اس سال حج کو جا رہا ہے۔ لامحالہ مدینہ بھی جائے گا وہاں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجۃ النبی بقید حیات ہیں وہ ان سے ملنے ضرور

جائیگا۔ اب اگر انہوں نے ملنے کی اجازت دیدی تو یہ ایک بڑی مصیبت والا کام ہوگا وہ رسول اکرم ﷺ سے خیانت کرینگی اور اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو یہ اس کے خلاف بڑی دلیل بن آئے گی۔ زیاد نے جب یہ باتیں سنیں تو اس سال حج کا ارادہ ہی ترک کردیا۔ اس واقعہ کو بلاذری نے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے اس بارے تین اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ اس نے حج کیا مگر حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے زیارت بارگاہ نبوی ﷺ نہیں کی۔

۲۔ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور اس نے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضری کا ارادہ کیا مگر اس کو حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کا قول یاد آ گیا پس یہ واپس لوٹ گیا۔

۳۔ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے حجاب فرمایا اور اس کو داخلہ کی اجازت نہیں دی۔

واقعہ سے استدلال:

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حاجی کے لیے بارگاہ نبوی ﷺ کی زیارت ایک لازمی بات تھی ورنہ ممکن ہے زیاد کسی اور طریقے سے حج کرتا کہ اسے مدینہ منورہ جانا ہی نہ پڑتا بلکہ مدینہ منورہ سے ہٹ کر سفر کرنا اس کے لیے آسان تھا کیونکہ وہ عراق میں تھا اور عراق سے مکہ آنے میں آسانی ہے لیکن دراصل ان کے نزدیک مدینہ کی حاضری ایسا فعل تھا جس کو ترک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسلاف کے ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کو جائے تو پہلے مدینہ منورہ جائے یا مکۃ المکرمۃ۔ اس مسئلہ کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "المناسك الكبير" میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو پہلے مدینۃ المنورہ جائے پھر مکۃ المکرمۃ؟ تو انہوں نے عبدالرحمان ابن یزید اور عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب حج کر چکے تو اگر چاہے مدینہ ہو آئے۔ اور حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا خرچہ اور سفر اس

طرح ہو کہ میں پہلے مکۃ المکرمۃ جاؤں پھر مدینۃ المنورہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب تو مکہ جائے تو ہر چیز کو اس کے تابع بنا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ تو جب حج کرے تو پہلے مکہ جا پھر مدینہ جا۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ عدی بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پہلے مدینہ جاتی تھی پھر مکہ معظمہ اور یہ کہتی تھی کہ ہم اس جگہ سے احرام باندھیں گے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے بھی پہلے مدینہ جانے کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور حضرت علقمہ و اسود اور عمرو ابن میمون رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابتداء مدینہ سے کی ہے۔ ابن قدامہ نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پہلی حج کے ارادے سے چلے اور وہ شام سے آنے والا نہ ہو (کیونکہ شام سے آئے گا تو مدینہ منورہ مکہ سے پہلے آئے گا) تو وہ پہلے مختصر راستہ سے مکۃ المکرمۃ پہنچے اور مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینۃ المنورہ جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء مدینہ جانے سے ایسی صورت پیش آ جائے کہ اس کا حج ہی فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے لئے ہے جو حج کا سفر کرے اور اگر عمرہ کا سفر ہے تو اس میں عمرہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے متعلق یہ قول نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے: احسن یہ ہے کہ مکہ سے آغاز کرے۔ یہ قول حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

اب غور کریں کہ تمام بزرگوں نے مدینۃ المنورہ جانے کا ذکر کیا ہے، خواہ مکۃ المکرمۃ سے پہلے خواہ اس کے بعد۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ جانے میں اہم مقصد زیارت قبر نبی ہے۔ محض مسجد نبوی کی نماز کی فضیلت مدینہ جانے کا سبب نہیں ہے ورنہ نماز کی فضیلت تو مسجد بیت المقدس میں بھی ہے اور وہاں پہنچنے کا ایسا جذبہ نہیں ہے جیسا کہ مدینہ پہنچنے کا۔ تو معلوم ہوا کہ مدینۃ المنورہ پہنچنے کا قصد و ارادہ زیارت قبر نبی سے ہی متعلق ہے اور اگر نماز کی فضیلت سبب ہے بھی تو وہ بالتبع ہے۔

بعض بزرگوں کے پہلے مدینہ جانے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میقات سے احرام باندھنا چاہتے تھے، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مقصد ہو لیکن صرف اسی کو مقصد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر ملک کا علیحدہ میقات مقرر فرما دیا ہے۔ وہ کوئی تابعین جن سے پہلے مدینہ جانا منقول ہے۔ ان سے اگرچہ اس کی کوئی وجہ منقول نہیں ہے لیکن یقیناً ان کے نزدیک مدینہ پہنچ کر زیارت کی سنت کو ترجیح دینا وجہ ہوگی۔ ورنہ اگر محض میقات النبی ﷺ کی متابعت فوت ہو چکی تھی وہ پھر مدینہ نہ آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ جاتے تھے۔

ابوبکر محمد ابن الحسین الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الشریعۃ میں "باب دفن ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما مع النبی ﷺ" میں تحریر کیا ہے۔ علمائے حجاز، علمائے عراق، علمائے شام، علمائے خراسان، علمائے اہل یمن، خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے جس نے بھی کتاب المناسک لکھی ہے، وہ ہر شخص کو جو مدینہ میں آتا ہے خواہ حج و عمرہ کے لئے گھر سے نکلا ہو یا صرف مدینہ کے لئے چلا ہو اس کو بتایا ہے کہ کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور کس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبر نبی بھی ایک عبادت ہے۔

اسی کے قریب قریب ابن بطہ العکبری نے "کتاب الابانہ" میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے جس کسی عالم نے بھی مناسک پر کتاب لکھی ہے اور اس میں احرام وطواف وغیرہ کے احکام بیان کئے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے زیارت کے آداب بھی تحریر کئے ہیں اور لکھا ہے کہ پھر قبر کے پاس پہنچے۔ قبر کا استقبال کرے اور قبلہ کی جانب پشت کر کے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہے اور دعائیں مانگے۔ پھر دائیں جانب ہٹ کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ کہے۔

ہم نے دیکھا ہے ہمارے ہاں ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب کوئی حج کے لئے جاتا ہے اور اس کے اہل وعیال، دوست احباب اس کو رخصت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا سلام بھی حضور اکرم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما

سے عرض کر دینا۔ اس پر نہ کوئی ناپسند کرتا ہے نہ اس فعل کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ بہر حال زیارت قبر نبی پر کسی نے ناپسندیدگی نہیں کی ہے۔ یہ ابن بطہ کا کلام رحمہ اللہ تعالیٰ تھا۔

ابن بطہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور آجری کا مقصود بعض ملحدین کا رد کرنا ہے جو سیدنا ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تدفین کا انکار کرتے ہیں۔ رہا حضور اکرم ﷺ کی زیارت کا مسئلہ تو اس کو کسی نے غلط خیال نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ بعض متقدمین نے زیارت کو مناسک حج کے تابع قرار دیا ہے۔ ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ آٹھویں صدی میں زیارت کے معاملہ میں یا زیارت کے لئے سفر کے معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہوگا۔

ان دونوں کے کلام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حجاج ہمیشہ بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ مناسک حج کے تابع ہوتا ہے۔ اور ابو بکر آجری یہ متقدمین میں سے ہیں اور انہوں نے سن ۳۶۰ ھ میں وصال فرمایا ہے۔ یہ ثقہ اور صدوق تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۔ اور ابن بطہ کا انتقال سن ۳۸۷ ھ میں ہوا یہ حنابلہ کے نامور فقہاء میں سے تھے یہ وقت کے امام اور حدیث اور فقہ کے فاضل جلیل تھے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق بن ابراہیم الفقیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سے حاجیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کا قصد کر کے جاتے ہیں تاکہ مسجد نبوی میں نمازیں ادا کریں اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک آپ کے منبر اور آپ کی قبر انور سے اپنے ہاتھوں کو مس کر کے تبرک حاصل کریں اور آپ کے قدمین اور اس ستون سے جس سے آپ ﷺ ٹیک لگاتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام جہاں وحی لے کر آتے تھے ، ان تمام مقامات سے تبرک حاصل کریں۔ اور آپ ﷺ کے آثار و نشانات سے تبرک حاصل کریں۔

ہم نے زیارت کے مستحب ہونے کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال ذکر کر دیے تھے۔ الباجی المالکی کہتے ہیں کہ مدینہ سے باہر سے آنے والے مدینہ منورہ کا قصد اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کر سکیں اور آپ پر صلوۃ و سلام بھیج سکیں۔ اور عبدی مالکی نے تو شرح الرسالہ میں یہاں تک تصریح کی ہے کہ زیارت قبر نبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مدینہ کا سفر کعبہ اور بیت المقدس کی زیارت کے سفر سے بھی

افضل ہے۔ اصحاب مذاہب کے اکثر فقہائے کرام نے جب زیارت قبر نبی ﷺ کے آداب بیان کیے ہیں تو یہ اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس کی طرف سفر بھی مستحب ہو کیونکہ انہوں نے حجاج کے لیے حج سے فارغ ہونے کے بعد زیارت کو مستحب بتایا ہے اور جب زیارت کے لیے سفر لازم ہے تو یقیناً یہ سفر مستحب ہوگا۔

ایک بدوی کا ایمان افروز واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بدوی کا قصہ مشہور ہے جس کو فقہائے کرام نے مناسک کے بیان کے تحت مختلف اسناد کے ساتھ محمد بن حرب الہلالی سے نقل کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد الفاظ ہیں کہ ''پھر وہ اعرابی اپنی سواری پر سوار ہوا اور لوٹ گیا'' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعرابی مسافر تھا۔ اور اس حکایت کو آئمہ میں سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس اعرابی کا نام محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن معاویۃ ابن عمرو بن عتبۃ بن ابی سفیان صخر بن حرب تھا۔ اور وہ بہت فصیح اللسان تھے اور انہوں نے سن ۲۲۸ھ میں وفات پائی اور ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو اپنی تاریخ میں اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مثیر العزم الساکن'' میں نقل کیا ہے۔ اور ان دو کے علاوہ دیگر نے اپنی اسانید کے ساتھ محمد بن حرب الھلالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ'' میں مدینہ پہنچا اور حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا وہاں قبر کے سامنے بیٹھ گیا اتنے میں ایک بدو آیا قبر کی زیارت کی اور کہنے لگا اے خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب اُتاری ہے اور اس میں فرمایا ہے۔

'' ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توّابًا رحيمًا '' [النساء : ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور

شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

یا رسول اللہ! اب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہو۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ پھر رویا اور یوں گویا ہوا:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْاَكَمُ
نَفْسِيْ الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

ا۔ اے وہ بہترین ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ ہو گئے ہیں۔

۲۔ میری جان اس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے اس میں سخاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

پھر اس نے استغفار کیا اور واپس چلا گیا۔ ہلالی کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میں سویا تو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اس شخص سے ملو اور اس کو خوشخبری دے دو اللہ تعالیٰ نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔ میں خواب سے بیدار ہو کر اس خوش قسمت کی تلاش میں نکلا لیکن وہ مجھے نہ ملا۔

بعض دوستوں کی فرمائش پر شیخ ابو الطیب مقدسی نے ان اشعار پر تضمین کی ہے اور چند اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ ان کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

اَقُوْلُ وَ الدَّمْعُ مِنْ عَيْنَيَّ مُنْسَجِمُ
لَمَّا رَاَيْتُ جِدَارَ الْقَبْرِ يُسْتَلَمُ

وَالنَّاسُ يَغْشَوْنَهُ بَاكٍ وَ مُنقَطِعٌ
مِنَ الْمَهَابَةِ اَوْ دَاعٍ فَمُلْتَزِمٌ

فَمَا تَمَالَكْتُ اَنْ نَادَيْتُ مِنْ حُرَقٍ
فِي الصَّدْرِ كَادَتْ لَهَا الاَحْشَاءُ تَضْطَرِمُ

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمَهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِيْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنَهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ والْكَرَمُ

وَ فِيهِ شَمْسُ التُّقىٰ وَالدِّيْنِ قَدْ غَرَبَتْ
مِنْ بَعْدِ مَا اَشْرَقَتْ مِنْ نُوْرِهِ الظُّلَمُ

حَاشىٰ لِوَجْهِكَ اَنْ يَبْلىٰ وَ قَدْ هُدِيَتْ
فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ اَنْوَارِه الْاُمَمُ

وَ اِنْ تَمَسَّكَ اَيْدِى التُّرْبُ لَامِسَةً
فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ اَنْوَارِه الْاُمَمُ

لَقِيْتَ رَبَّكَ وَ الْاِسْلَامُ صَارِمُهُ
مَاضٍ وَ قَدْ كَانَ بَحْرُ الْكُفْرِ يَلْتَطِمُ

فَقُمْتَ فِيهِ مَقَامَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلىٰ
اَنْ عَزَّ فَهُوَ عَلَى الْاَدْيَانِ يَحْتَكِمُ

لَئِنْ رَأَیْنَاهُ قَبْرًا اِنَّ بَاطِنَهٗ
لَرَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْخُلْدِ تَبْتَسِمُ

طَافَتْ بِهٖ مِنْ نَوَاحِیْهِ مَلَائِكَتُهٗ
تَغْشَاهُ فِیْ كُلِّ مَا یَوْمٍ وَّ تَزْدَحِمُ

لَوْ كُنْتُ اَبْصَرْتُهٗ حَیًّا لَقُلْتُ لَهٗ
لَا تَمْشِ اِلَّا عَلٰی خَدِّیْ لَكَ الْقَدَمُ

هَدٰی بِهِ اللّٰهُ قَوْمًا قَالَ قَائِلُهُمْ
بِبَطْنِ یَثْرِبَ لَمَّا ضَمَّهُ الرَّجَمُ

اِنْ مَاتَ اَحْمَدَ فَالرَّحْمٰنُ خَالِقُهٗ
حَیٌّ وَ نَعْبُدُهٗ مَا اَوْرَقَ السَّلَمُ

ترجمہ اشعار:

۱۔ میں کہہ رہا تھا اور آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے جب میں نے دیکھا کہ قبر کی دیواروں کو بوسہ دیا جا رہا ہے۔

۲۔ لوگ قبر مبارک کو ڈھانپے ہوئے ہیں، رو رہے ہیں اور ہیبت کی وجہ سے جدا ہیں یا چمٹ کر دعا کر رہے ہیں۔

۳۔ پس میرے قابو میں نہ رہا اور میں نے سینے لگی آگ کی وجہ سے صدا دی اور وہ آگ ایسی تھی کہ جس کی وجہ سے قریب تھا کہ آنتیں باطن شعلہ زن تھا۔

۴۔ اے وہ بہتر ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ بن گئے ہیں۔

۵۔ میری جان اس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے،

اس میں سخاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

۶۔ اور اس میں پاکیزگی اور دین کا سورج ہے جو غروب ہوگیا اپنے نور سے تاریکیوں کو روشن کرنے کے بعد۔

۷۔ آپ کا چہرہ اس سے منزہ ہے کہ وہ پرانا بنے جبکہ اُس کی روشنی سے امتوں کو مشرق و مغرب میں ہدایت دی گئی ہے۔

۸۔ اگرچہ چھوتے وقت ہاتھ مٹی کو چھوتے ہیں۔ آپ تو بلند آسمانوں میں قوم کے سردار ہیں۔

۹۔ آپ اپنے رب سے جا ملے اور اسلام کی تلوار چل رہی ہے جبکہ کفر کا سمندر موجزن تھا۔

۱۰۔ آپ اسلام کے بارے میں مرسلین کے مقام پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وہ غالب ہوگیا اب وہ تمام دینوں پر حکمراں ہے۔

۱۱۔ اگرچہ ہم اس کو قبر دیکھ رہے ہیں۔ بیشک اس کا باطن جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے جو کھل رہا ہے۔

۱۲۔ اس کے اطراف کا فرشتے طواف کرتے ہیں جو اس پر آتے ہیں اور ازدحام کرتے ہیں۔

۱۳۔ اگر میں ان کو زندہ دیکھتا تو ان سے کہتا کہ آپ نہ چلیں گے مگر میرے رخساروں پر۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ قوم کو ہدایت دی ان کے لئے کہنے والے نے کہا۔ مدینہ کی سرزمین میں جبکہ قبر نے ان کو پہلو میں لے لیا۔

۱۵۔ اگر احمد ﷺ وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا خالق زندہ ہے ہم اس کی عبادت کرینگے جب تک سلم (درخت) پر پتے آتے رہیں گے۔ ۱۸۱

باب چہارم

علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کہ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے

قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت مسلمانوں میں مجمع علیہ سنت ہے اور اُس کی فضیلت پسندیدہ چیز ہے۔

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حج اور عمرہ کے بعد قبر النبی ﷺ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

شیخ محاملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تجرید" میں فرمایا حاجی کے لئے مستحب ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

ابو عبداللہ الحسین الحلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "المنہاج فی شعب الایمان فی تعظیم النبی ﷺ" میں فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو اُن کی تعظیم کے طریقے وہ تھے جنہیں ان لوگوں نے اختیار کیا جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا، اب اُن کی تعظیم کا طریقہ یہی ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے۔

امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الحاوی" میں فرمایا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم ہے اور وہ مستحب ہے۔اور الماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں حاجیوں پر والی مقرر کرنے کے سلسلے میں فرمایا متولی کے لئے شرط ہے کہ وہ مطاع، ذی رائے، شجاع ہو اور دیگر شرائط کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: جب لوگ حج کر چکیں تو اُن کو کچھ مہلت دے اور جب واپس ہوں تو اُن کو مدینہ طیبہ والے راستہ سے واپس لے کر لوٹے تا کہ اُن کو حج کے ساتھ قبر النبی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے اور یہ اگرچہ حج کے ارکان میں سے نہیں ہے۔لیکن شرعی مستحبات میں سے ہے اور حاجیوں کی اچھی عادتوں میں سے ہے۔

صاحب المہذب کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔

القاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب حج سے فارغ ہو تو سنت ہے کہ ملتزم

کے پاس کھڑا ہو کر دُعا کرے پھر زمزم پیے پھر مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے۔

امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا جب حج سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

احناف کے نزدیک تو قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحبات میں سب سے زیادہ افضل بلکہ درجہ وجوب سے قریب تر ہے۔ اور ان میں سے ابو منصور محمد ابن مکرم کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی "مناسک" میں اور عبداللہ ابن محمود نے "شرح المختار" میں اِس کی تصریح کی ہے۔

فتاوی ابو اللیث سمرقندی میں حسن ابن زیاد کی روایت سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حاجی کے لئے مناسب ہے کہ پہلے مکہ جائے جب وہاں کے ارکان ادا کر چکے تو مدینہ جائے اور اگر پہلے مدینہ ہو آئے یہ بھی جائز ہے۔ مدینہ پہنچ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک پر جائے قبلہ اور قبر کے درمیان اِس طرح کھڑا ہو کہ اُس کا رُخ قبر کی جانب ہو۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی سلام پڑھے اور اُن کے لئے رحمت کی دعا کرے۔

ابو العباس السروجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے " الغایۃ " میں لکھا ہے جب حج یا عمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوں تو مدینہ طیبہ پہنچ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کریں یہ اس کی ایک قابل تعریف کوشش ہوگی۔ اسی طرح حنابلہ نے بھی اس طرح کی تصریحات کی ہیں۔

ابو الخطاب محفوظ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب الھدایۃ" میں فرمایا حاجی جب حج سے فارغ ہوجائے تو اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ اور صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔

ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ السامری الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المستوعب میں باب زیارۃ قبر الرسول ﷺ قائم کیا ہے اور اس میں لکھا ہے۔ جب زائر، مدینہ

الرسول ﷺ پہنچے اس کے لئے مستحب ہے کہ داخلہ کے وقت غسل کرے پھر مسجد نبوی میں پہنچے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرے پھر قبر النبی ﷺ کی دیوار کے پاس پہنچ کر اس طرح کھڑا ہو کہ قبر النبی ﷺ سامنے ہو اور قبلہ پشت کی جانب ہو اور منبر النبی ﷺ بائیں جانب ہو اور پھر دعا وصلوٰۃ وسلام کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ بھی کہے اے اللہ تعالیٰ ! تو نے فرمایا ہے۔" ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توّاباً رحيماً " [النساء: ۶۴]

(اے حبیب ! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

اور یوں کہے:" اے اللہ تعالیٰ! اب میں تیرے نبی کے پاس مغفرت چاہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں تو اپنی مغفرت میرے لئے ثابت کر دے جس طرح تو نے ان کے لئے مغفرت ثابت کی ہے جو ان کی زندگی میں مغفرت کے لئے آئے۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری طرف تیرے نبی مکرّم کے واسطہ سے متوجہ ہوں۔" اس کے بعد جب واپسی کا ارادہ کرے دوبارہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہو کر رخصت ہو۔

دیکھیے ! یہ مصنف حنبلی ہیں اور منکرِ زیارت قبر النبی ﷺ بھی حنبلی ہیں۔ انہوں نے کس قدر صراحت کے ساتھ زیارت قبرِ النبی ﷺ کا ذکر کیا ہے اور نبی مکرم ﷺ کے واسطہ سے توجہ الی اللہ کو بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابو منصور کرمانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہا اگر تجھ سے کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ تک سلام پہنچانے کی درخواست کی ہے تو تجھے قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر کہنا چاہیے۔ " السلام عليك يا رسول من فلان ابن فلان .... " اے رسول مکرّم ! آپ پر فلاں ابن فلاں کی جانب سے سلام ہو اور وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رحمت اور مغفرت کی سفارش چاہتا ہے آپ اس کی سفارش فرما دیں۔ اس مسئلہ کے لئے

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مفصل باب قائم کرینگے۔

نجم الدین ابن حمدان حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اَلرِّعَایَۃُ الکبریٰ" میں فرمایا۔ جو شخص حج سے فارغ ہو اس کے لئے نبی مکرم ﷺ اور صاحبین رضی اللہ عنہما کی قبور کی زیارت مسنون ہے اور اگر وہ چاہے تو حج سے پہلے زیارت کر لے۔

امام ابنِ جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "مثیر العزم الساکن الی أشرف الأماکن" میں زیارت قبر النبی ﷺ پر باب باندھا ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث بیان کی ہیں۔

شیخ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المغنی میں فرمایا ہے اور یہ حنابلہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس میں فصل "قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحب ہے" قائم کی ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بطریق دار قطنی اور سعید ابن منصور عن حفص بیان کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بطریق احمد بیان کی ہے "ما من احد یسلّم علیّ عند قبری ...." جو کوئی مسلمان میری قبر کے پاس آ کر سلام کرے گا اس کے لئے مجھ پر شفاعت ضروری ہوگئی۔

اسی طرح مالکیہ کی بھی تصریحات ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو اجماعی قرار دیا ہے۔

اور عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تہذیب المطالب" میں شیخ ابو عمران المالکی کی جانب سے نقل کیا ہے کہ زیارتِ قبر النبی ﷺ واجب ہے اور عبدالحق نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کسی نے کسی کے ذریعہ حج کرایا اور اس کو حج و زیارت کے لئے خرچہ دیا۔ اب وہ شخص حج کر کے لوٹ آیا اور کسی عذر کی وجہ سے مدینہ طیبہ نہ جا سکا تو کیا ہو۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ زیارت پر جو خرچ ہوتا اس شخص کو وہ واپس کرنا ہوگا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس پر ضروری ہوگا کہ وہ اس نائب کو لوٹائے تاکہ وہ زیارت کر کے واپس آئے۔ یہ وہی عبدالحق

ہیں جنھوں نے شیوخ قیروان اور شیوخ صیقلیہ سے فقہ حاصل کیا ہے۔

شیخ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الحاوی'' میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ کسی کو اجرت پر زیارت کیلئے بھیجنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کام غیر معین اور غیر مقدر ہے اور اگر مزدوری محض قبر النبی ﷺ کے پاس کھڑے ہونے کی قرار دی جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مجرد کھڑے رہنے میں قائم مقامی درست نہ ہوگی۔ اور اگر اُجرت اس بات کی قرار دی جائے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر دعا کرے گا تو یہ درست ہے اس لئے کہ دعا میں قائم مقامی درست ہے اور اس دعا کی مقدار کی جہالت اس اجارہ کو باطل نہ کرے گی۔

ہاں ایک تیسری صورت بھی ہے جس کو ماوردی نے بیان نہیں کیا اور وہ سلام پہنچانا ہے تو اس اجارہ اور مزدوری کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کیا کرتے تھے اور بظاہر مالکیہ کی یہی مراد ہے۔ ورنہ مزدور کے جا کر کھڑے ہو جانے سے بھیجنے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہم عنقریب ابن المواز کے حوالہ سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کا ذکر کریں گے کہ اس اجیر کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور دعا کرے جس طرح بیت اللہ کے پاس وداع کے وقت دعا کرتے ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب النوادر" میں ابن حبیب کے کلام سے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجموعہ سے اور ابن القرظی کے کلام سے زیارۃ القبور کی بحث ذکر کرنے کے بعد کہا اور شہدائے اُحد کی قبور کے پاس جائے اور اُسی طرح سلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر انور اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبر پر سلام پڑھا تھا۔

ابو الولید ابن رشد المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شرح العتبیہ" میں قبر نبی ﷺ کے پاس سے گزرنے والے کے بارے میں لکھا ہے۔ ایک سوال کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس سے گذرے، کیا ہر بار گزرتے ہوئے سلام کرے گا؟ جواب میں کہا: ہاں۔ اُس پر ضروری ہے کہ وہ سلام پڑھے جب وہاں سے گذرے اکثر

لوگوں کی یہی رائے ہے۔ لیکن جب نہ گذر رہا ہو تو پھر ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ''اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے'' اور فرمایا۔ '' اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنالیا ہے۔'' جب وہاں سے نہ گذر رہا ہو تو سلام نہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اور جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر مسافر ہر روز قبر النبی ﷺ پر حاضری دے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں ہے ہاں واپسی کے روز جا کر سلام پڑھ لے۔

امام محمد ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی بار گذرے گا اس کو سلام پڑھنا ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ضرور گذرے ہاں جب مدینۃ المنورۃ سے لوٹے تو ضرور وہاں جائے۔ یہ مکروہ ہے کہ کثرت سے وہاں سے گذرے اور کثرت سے سلام پڑھے اور ہر روز اس پر آئے اور اس کے فعل سے یہ قبر کی طرح ہو جائے کہ وہاں نماز کے لیے ہر روز جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے: '' میری قبر کو بت نہ بناؤ جس کی عبادت کی جائے'' اور '' اللہ تعالیٰ کا ان پر سخت غضب ہے جو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنا دیتے ہیں۔'' یہاں تک ابن رشد کا کلام تھا۔

دیکھیے پردیسی پر رخصتی کے وقت حاضری کا حکم دیتے ہیں تو سلام کی بھی لا محالہ اجازت ہوگی۔ کثرت سے آنے جانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور زیارت کا اصلاً مستحب ہونا متفق علیہ ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الشفاء'' میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین ابو جعفر کی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں گفتگو ہوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ امیر المومنین اس مسجد میں زور سے نہ بولیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبيّ '' [الحجرات: ۲] اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے۔ اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''جو لوگ

دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ تعالیٰ نے ادب کے واسطے" [الحجرات: ۳] اور زور سے پکارنے والوں کی مذمت میں فرمایا: "جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے [الحجرات: ۴]

حضور نبی اکرم ﷺ کا احترام جس طرح زندگی میں ضروری تھا آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں سن کر ابو جعفر شرمندہ ہوگیا اور کہا اے ابو عبداللہ میں قبلہ کا استقبال کر کے حضور کی قبر کے پاس دعا کروں یا دعا میں حضور کی قبر کا استقبال کروں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے روگردانی کیوں کرتے ہو؟ جبکہ حضور کی ذات گرامی تمہارا اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ ہوگی۔ آپ ﷺ کی طرف منہ کرو اور آپ کے ذریعہ شفاعت چاہو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ " ولو أنھم اذ ظلموا أنفسھم جاء وك فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توّاباً رحیماً" [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو دیکھو کس عمدہ طریقہ پر زیارت اور توسل اور حضور کے ساتھ حسن ادب کا بیان فرمایا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن حبیب نے کہا ہے۔ اور جب مسجد النبی ﷺ میں داخل ہو تو کہے۔

" بسم اللہ و سلام علی رسول اللہ السلام علینا من ربنا و صلّی اللہ و ملائکتہ علیٰ محمد، اللّھمّ اغفرلی ذنوبی و افتح لی أبواب رحمتك و جنتك و احفظنی من الشیطان الرجیم"

بسم اللہ اور سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر۔ سلام ہو ہم پر ہمارے رب کریم کی جانب سے اور صلوٰۃ ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے سیدنا محمد ﷺ پر۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے لیے میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے اور میرے لئے اپنے رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور شیطان مردود سے میری حفاظت فرما دے۔)

پھر رِیَاض الْجَنَّۃ میں جائے اور یہ مسجد کا وہ حصہ ہے جو منبر اور قبر النبی ﷺ کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دو رکعت نماز پڑھے پھر قبر کے نزدیک متواضع ہوکر دل جمعی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرے اور جو تعریف بھی دل میں آئے وہ کرے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے اور ان کے لئے دعا کرے اور مسجد قباء اور شہدائے اُحد کی قبور پر جانے میں کوتاہی نہ کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب محمد'' میں فرمایا ہے کہ جب مدینہ میں داخل ہو اور جب مدینہ سے لوٹے اور قیام کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب واپس ہو تو آخری کام قبر پر حاضری ہو۔ اور ایسا ہی ہر مدنی کو سفر کے وقت کرنا چاہیے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں فرمایا: مدینہ کا باشندہ جب مسجد میں داخل ہو یا نکلے اس کے لئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ باہر سے آنے والوں کو کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی مدنی سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے تو وہ قبر النبی ﷺ پر حاضری ہوکر درود پڑھے اور دعا کرے اور اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے کرے۔

جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا کہ بعض مدنی نہ سفر میں گئے نہ سفر سے آئے اور قبر پر حاضری دیتے ہیں یا ہر جمعہ کو حاضری دیتے ہیں۔ یا دن میں دو تین مرتبہ حاضر ہوکر تھوڑی دیر سلام و صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہمارے شہر کے کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے اور ایسا نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور فرمایا: اس امت کے اخیر کی وہی چیزیں اصلاح کرسکتی ہیں جن چیزوں نے اول امت کی اصلاح کی

ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کا اس طرح کا عمل نہ دیکھا نہ سنا۔ اور قبر مبارک پر حاضری صرف اس کے لئے جو سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے ورنہ مکروہ ہے۔

ابن القاسم علیہم السلام نے فرمایا: میں نے اہل مدینہ کو سفر میں جاتے وقت یا واپسی پر ایسا کرتے دیکھا ہے اور یہی میری رائے ہے۔ امام الباجی علیہم السلام نے فرمایا ان لوگوں نے صلوٰۃ وسلام کے بارے میں اہل مدینہ اور پردیسیوں میں فرق کیا ہے اس لئے کہ پردیسی تو اسی مقصد کے لئے مدینہ آتے ہیں اور مدنی اس غرض کے لئے وہاں مقیم نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں تک قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔

اب امام الباجی کے قول پر غور کیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پردیسی اس قصد سے سفر کر کے آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ وسلام کے قصد سے مدینہ کا سفر کرنا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک زیارتِ قبر النبی ﷺ ایک ثواب کا کام ہے۔ لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق کثرت سے حاضری و صلوٰۃ وسلام کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہ کثرت بسا اوقات فعل ممنوع تک پہنچ جاتی ہے۔ بقیہ تینوں امام زیارت کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کی کثرت کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی خیر کی کثرت خیر ہی ہوگی۔ غرضیکہ مجرد زیارت کو سب آئمہ مستحب قرار دیتے ہیں۔ "کتاب النوادر" میں مذکور ہے۔ زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ شہدائے اُحد کی قبور پر حاضری دے اور اسی طرح صلوٰۃ وسلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبور پر پڑھا تھا۔

ابو محمد عبدالکریم کی مالکی نے اپنی "مناسک" میں جس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور روایتیں لکھی ہیں، لکھا ہے۔" جب تمہارا حج وعمرہ شرعی اعتبار سے مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی سوائے

اس کے مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام کے لئے حاضر ہو اور وہاں دعا کرے اور صاحبین پر سلام بھیجے اور بقیع میں پہنچ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی قبروں کی زیارت کرے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھے۔ جو ان باتوں پر قادر ہو اس کو یہ باتیں نہیں چھوڑنی چاہئیں۔

امام عبدی علیہم السلام نے "شرح الرسالہ" میں لکھا ہے کہ مسجد حرام یا مکہ جانے کی نذر ماننا اس کی شرع میں اصل ہے اور اس نذر سے مراد حج یا عمرہ ہوگا اور مدینہ منورہ میں زیارت قبر النبی ﷺ کے لئے نذر ماننا یہ کعبہ اور بیت المقدس کی نذر سے افضل ہے۔ جب کوئی شخص ان تینوں مسجدوں تک جانے کی نذر مانتا ہے تو کعبہ کی نذر پر اتفاق ہے کہ وہ لازم ہو جاتی ہے اور مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس کی نذر کے بارے میں آئمہ میں اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں جس اختلاف کی طرف عبدی نے اشارہ کیا ہے وہ مسجد بیت المقدس اور مسجد مدینہ کے بارے میں نہ کہ زیارت قبر النبی ﷺ کے بارے میں۔ یہ چاروں مذاہب کے اقوال اور تصریحات ہیں جو میں نے ذکر کیں۔ اسی طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بعد کے بزرگوں کے اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مختلف سندوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہوتے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔ کسی شخص نے حضرت نافع سے دریافت کیا تھا کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر النبی ﷺ پر سلام پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ اور میں نے سینکڑوں بار دیکھا ہے۔ وہ قبر پر پہنچتے تھے اور عرض کرتے تھے: " السلام علی النبیّ السلام علی أبی بکر السلام علیٰ أبی " نبی اکرم پر سلام ہو، سیدنا ابوبکر پر سلام ہو، ابا جان پر سلام ہو۔

مؤطا امام مالک میں یہ روایت مذکور ہے کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ قبر النبی ﷺ پر قیام کرتے تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے تھے۔ اور ابن قاسم اور قعنبی کے مطابق سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا

ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے دعا بھی فرماتے تھے۔ اور ابن وھب کی روایت میں ہے ایک مسلم کو حاضری کے وقت یہ کہنا چاہیے۔ ''السلام علیك أیھا النبیّ و رحمة الله و برکاته.'' اور مبسوط میں ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام کہے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''مصنف'' میں'' باب السلام علی قبر النبی ﷺ ''میں ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں بہت سے آثار ہیں ان میں سے اسنادِ صحیح کے ساتھ ہے کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر سے واپس آتے تھے تو قبر النبی ﷺ پر پہنچتے تھے اور کہتے تھے: '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبِیْ ''۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا، کوئی نبی زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں رہتا۔ (یعنی حضور بھی چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہے لہٰذا اب قبر پر سلام پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں) پھر امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کیا کہ '' جس رات معراج ہوئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔'' ان کا اس قول کو نقل کرنے سے مقصد حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تردید ہے جو بہترین رد ہے۔ اس میں اور بھی حدیث ہے جس کو ہم حیات شہداء کے باب میں ذکر کریں گے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جبکہ گھر میں محصور تھے اور کچھ لوگوں نے ان کو شام کی طرف چلے جانے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا تھا کہ میں دار الہجرہ اور حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تردید ہوتی ہے۔ اور اگر حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ زیارت قبر کے استحباب کے مخالف نہیں ہے۔ چونکہ بہرحال حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے اس جگہ کو شرف حاصل ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے۔

اَمُرُّ عَلٰی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی
اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ
وَلٰکِنْ حُبَّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

۱۔میں لیلیٰ کے مکانات پر سے گذرتا ہوں تو اس دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔

۲۔مکانات کی محبت نے میرے دل کو نہیں گھیرا، لیکن اس کی محبت نے جو ان مکانات میں رہا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" میں فرمایا۔بعض راویوں نے بیان کیا کہ ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قبر النبی ﷺ پر آئے تو اپنے ہاتھ اُٹھائے جس سے ہمیں شبہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت باندھ رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور واپس ہو گئے۔

"مسند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ" میں سند متصل سے منقول ہے کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے قبر النبی ﷺ کے قریب پہنچے۔قبر کی طرف رُخ کیا اور قبلہ سمت پشت کی اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے۔

ابراہیم الحربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے "مناسک" میں فرمایا۔قبلہ کی جانب پشت کرو اور وسطِ قبر کی جانب رخ کرو پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَکَاتُہ۔ ابن بطال نے شرح بخاری میں کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول" میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ذکر اور علم کے حلقے کرو اور ان سے روحانی غذا حاصل کرو اور اس میں قبر النبی ﷺ کی

زیارت اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اس مسئلہ میں اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام آثار اور علمائے کرام کے اقوال کو ذکر کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے "زُرْنَا قَبرَ النَّبِیّ" کے قول کو مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے۔ " لعن اللہ زوّارات القبور " (قبر کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔) یعنی اس حدیث میں لفظ زیارت مذمت کے طور پر آیا ہے۔ مگر قبر پر حاضری اور سلام کو مکروہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

یہ توجیہ مناسب نہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں یہ بھی مذکور ہے۔ " کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا " (میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا آگاہ اب زیارت کیا کرو) اور حضور کا ارشاد ہے " من زار قبری "یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ پس لفظ زیارت ہمیشہ مذمت کے لیے نہیں آیا لہٰذا بعض لوگوں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس بنا پر مکروہ سمجھا ہے کہ زائر مزور سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ توجیہ بھی مناسب نہیں ہے اس لئے کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو اہل جنت زائر اور اللہ تعالیٰ مزور (جس کی زیارت کی جائے) ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیارت کی اضافت قبر کی جانب ہے اور اگر زُرْتُ النَّبِیّ کہا جاتا تو وہ مکروہ نہ سمجھتے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا ہے کہ "اے اللہ تعالیٰ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔"

یہ قاضی کا کلام ہے۔ لیکن یہ توجیہ بھی غیر معقول ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے "جس نے میری قبر کی زیارت کی" یعنی زیارت کی نسبت قبر کی طرف کی ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی تو یہ توجیہ چل سکتی ہے۔

عبدالحق صقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو عمران مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول زُرْنَا قَبرَ النَّبِیّ کو اس لئے مکروہ سمجھا ہے کہ زیارت تو ایسا فعل ہے

چاہے کوئی کرے چاہے نہ کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری واجب ہے یعنی سنن واجبہ میں سے ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری کو زیارت سے تعبیر کیا جائے جو زندوں کے لئے اس معنیٰ میں بولا جاتا ہے کہ چاہے وہاں جائے چاہے نہ جائے لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی ذات اس سے اشرف اور اعلیٰ ہے کہ اس کے لئے زیارت کا لفظ بولا جائے۔ اس جواب میں اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب میں دو طرح سے فرق ہے۔ پہلا یہ ہے کہ ابو عمران قبر مبارک کی زیارت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ لفظ زیارت نہیں بولا جائے گا۔ اور اور قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی طرف لفظ زیارت کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ ابو عمران مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہات میں کافی فرق ہے۔ ابو عمران کا قول چاہتا ہے کہ زُرْتُ النَّبِیَّ اور زُرْتُ قَبَرَ النَّبِیِّ دونوں کراہت میں یکساں ہیں جبکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی یہ درست ہے مگر یہ کہنا کہ میں نے قبر نبی ﷺ کی زیارت کی یہ کہنا درست نہیں مگر یہ اختلاف صرف الفاظ کے استعمال میں ہے باقی رہا قبر مبارک کی زیارت کا مسئلہ تو اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے البیان و التحصیل میں فرمایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں زیارت بیت الحرام کو زیارت کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اسی طرح لوگوں کے اس مقولے زُرْتُ النَّبِیَّ کو بھی مکروہ سمجھتا ہوں۔ امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لفظ زیارت مُردوں کے لئے مستعمل ہے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اس لفظ کے استعمال کو اسی طرح مکروہ سمجھا جیسا کہ وہ ایام التشریق بولنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کے بجائے ایاماً معدودات کہنا پسند کرتے تھے یا عشاء کی بجائے لفظ عتمہ کو مکروہ سمجھتے یا طواف افاضہ کی بجائے طواف الزیارہ کہنا ان کو پسند نہ تھا گویا کہ ان کے نزدیک وہ لفظ مستحب ہے جو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے" فاذا أفضتم من عرفات. " اسی طرح وہ بیت اللہ شریف کے طواف کو زیارت نہیں بولتے۔

اسی طرح وہ لفظ المضی کی نسبت قبر النبی ﷺ کی طرف کرنے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ المضی کا معنی صرف جانا ہوگا خواہ وہاں نہ پہنچے اور نفع حاصل نہ کرے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ زیارت کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ وہاں جا کر ثواب حاصل کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تاویل میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ابن رشد کا کلام زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ ابن المواز نے کتاب الحج کے باب ماجاء فی الوداع کے تحت بیان کیا ہے کہ اشہب نے کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے عمرہ کرنے والے کے لئے دریافت کیا گیا کہ جب وہ واپسی کا ارادہ کرے تو کیا اس پر وداع ضروری ہے؟ انہوں نے کہا اس کو اختیار ہے پھر فرمایا۔ مجھے وداع کا لفظ پسند نہیں ہے۔ طواف کہو قرآن نے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کہا ہے۔ اسی طرح مجھے لفظ زیارت پسند نہیں۔ اسی طرح میں قول زُرْتُ النَّبِیَّ کو پسند نہیں کرتا۔ حضور کی ذات اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ وداع کا لفظ بھی نہ لغت میں ہے نہ قرآن میں بلکہ طواف کا لفظ آیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ آخری عبادت طواف کعبہ ہے۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ آخری طواف میں کعبہ کے پردوں سے چمٹنا چاہیے؟ انہوں نے فرمایا بس وقوف و دعا کرنی چاہیے۔ پھر ان سے عرض کیا گیا کہ قبر النبی ﷺ کے پاس بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا بیشک وقوف اور دعا ہونی چاہیے۔ "الموازیۃ" مالکیوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس سے میں نے یہ باتیں نقل کی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جس طرح آخری طواف کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس کے لئے لفظ وداع کے استعمال کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی عقلمند شخص یہ تصور نہیں کرسکتا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ طواف وداع کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر کے معاملہ میں زیارت کے لفظ کو پسند نہیں کیا ورنہ وہ اس کے قائل ہیں کہ وہاں قیام کیا جائے اور صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے۔ اب اگر کوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری اور صلوٰۃ و سلام کو ممنوع قرار دیتے تھے تو یہ امام

مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور خود اس قائل کی عقل کا قصور ہے۔

ازالہ اشکال:

اگر کوئی یہ کہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی "مصنف" میں سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ حسن ابن حسن ابن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو قبر النبی ﷺ کے پاس دیکھا تو ان کو روکا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا" میں کہتا ہوں کہ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ" میں سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا ایک شخص روزانہ آ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کرتا ہے اور درود و سلام پڑھتا ہے۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پیش کروں۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: کیا میں تمہیں حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے والد گرامی سے سنی ہے اس نے کہا اچھا سنائیں۔ پس امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے اپنے والد گرامی کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا"

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے جھڑکا تھا کہ وہ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر رہا تھا اور مسنون طریقہ کو چھوڑ رہا تھا۔ اور یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ سلام دور سے بھی پہنچ جاتا ہے تاکہ ہر وقت حاضر ہو کر سلام پیش کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔ تو امام زین العابدین کا قول بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔ ورنہ سلف میں کسی سے کیسے ممکن ہے کہ مطلق زیارتِ قبر پر اعتراض کرے اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کو مکروہ قرار دے

جس پر اجماع ہو چکا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ جو احادیث اور آثار اس زیارت کی ذیل میں وارد ہوئے ہیں۔ پس نبی اکرم ﷺ اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں پس ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

اب حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک " **لا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا** " (میری قبر کو عید نہ بناؤ) امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند میں نافع الصائغ ہیں ان سے سنن کے چاروں آئمہ اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔" **تعرف حفظه و تنكر** " اور امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے وہ حافظ نہیں اور یہ لین ہے اس کا حفظ معروف ہے مگر منکر ہے اور یحیٰی ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابو زرعہ نے کہا ہے **لا بأس به**۔

اور ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے غرائب روایت کی ہیں اور یہ اپنی روایات میں مستقیم الحدیث ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت نہ ہو تو کوئی کلام نہیں اور اگر یہ ثابت ہو جائے یہ زیادہ اقرب ہے۔ شیخ زکی الدین المنذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ قبر نبی پر بکثرت حاضر ہونے کی ترغیب کے لیے یہ حدیث وارد ہوئی ہو یعنی جس طرح عید سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے تم میری قبر پر حاضری کی یہ صورت نہ کرنا بلکہ بکثرت حاضری دینا اور اس معنی کی تائید اسی حدیث کا دوسرا حصہ کرتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔" یعنی وہاں نماز پڑھنا نہ چھوڑو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ میری قبر پر حاضری کا کوئی وقت مخصوص نہ کرو جیسا کہ بعض چیزوں کی زیارت کے لیے دن مخصوص کر دیا جاتا ہے بلکہ جس دن چاہو حاضری دیا کرو اور یہ بھی معنی ہیں کہ میری قبر پر حاضری کے لیے ایسی زیب و زینت نہ کیا کرو جیسا کہ عید کے لیے کرتے ہو محض حاضری سلام وصلوۃ و زیارت کے لیے ہونی چاہیے کہ حاضری دینے کے بعد پھر زائر واپس لوٹ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی ﷺ کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

زیارتِ قبرالنبی ثواب کا کام ہے

یہ بات کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کہ زیارت قبر النبی ثواب کا کام ہے۔

کتاب اللہ سے ثبوت:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

" ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توّابا رحيما " [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالی سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالی کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے پر راہنمائی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ گناہگار رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہاں مغفرت چاہیں اور رسول اللہ ﷺ ان کی مغفرت کی سفارش کریں۔ یہ آیت اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آئی ہے لیکن یہ حضور ﷺ کا وہ رتبہ ہے جو وفات سے بھی کم نہ ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے مغفرت کی دعا کرانے کے لیے تھا اور یہ بات آپ کے وصال مبارک کے بعد متصور نہیں۔ اس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کے مطابق اللہ تعالی کا توّاب و رحیم ہونا تین امور پر منحصر ہے۔

۱۔ گناہگار کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا۔

۲۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں معافی چاہنا۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمانا۔

جہاں تک حضور نبی اکرم ﷺ کے دعا فرمانے کا تعلق ہے تو وہ آپ ﷺ نے تمام مومنین کے لیے فرما دی ہوئی ہے۔ آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔

"واستغفر لذنبك و للمؤمنين والمؤمنات" [سورہ محمد: ۱۹]

اور استغفار کریں اپنے بعد آنے والوں کے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے

اسی لیے عاصم بن سلیمان تابعی رحمہ اللہ تعالی نے حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ صحابی سے کہا تھا۔ آپ کے لیے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مغفرت کی دعا فرما دی تھی تو انہوں نے کہا: ہاں اور تمہارے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے نقل کیا ہے۔

پس مذکورہ تین امور میں سے استغفارِ رسول ﷺ سب مسلمانوں کے لیے ثابت ہے۔ پس اب اگر وہ حاضر ہوگئے اور انہوں نے استغفار کرلی تو وہ تینوں چیزیں متحقق ہوگئیں جو اللہ تعالی کی طرف سے توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے کی شرط تھیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کا گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا، ان کے لیے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ گنہگاروں کے استغفار کے بعد ہو۔ بلکہ مطلقاً رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ذکر کیا گیا ہے خواہ وہ استغفار پہلے ہو یا بعد میں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ ان (گناہگاروں) کے استغفار میں آپ ﷺ کا استغفار شامل ہو۔ اس لیے اگر "واستغفرلهم الرسول" کا عطف "فَاسْتَغْفَرُوا الله" پر کیا جائے تو گنہگاروں کا استغفار کرنا رسول اکرم ﷺ کے استغفار کے بعد ہونا ثابت ہوگا۔ لیکن اگر ہم "و استغفرلهم الرسول" کا عطف "جاء وك" پر کریں تو پھر رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ان کے استغفار کے بعد ہونا ضروری نہ ہوگا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم یہ سمجھ لیں کہ بعداز وصال رسول اللہ ﷺ استغفار نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہم ایسا ہرگز خیال نہیں کرتے اور ہم آئندہ یہ واضح کریں گے کہ آپ بعد از وصال بھی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کے بارے

میں اگر یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ آپ اب امت کے لیے استغفار نہیں کرتے تو پھر بھی جب یہ معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت امت پر کمال درجے کی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب بھی آنے والے کے لیے استغفار کر سکتے ہیں۔ بہرصورت یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنے والے کے لیے تینوں امور حاصل ہو جاتے ہیں خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آیا ہو یا آپ کے وصال مبارک کے بعد۔

اس آیت مبارکہ کا نزول اگرچہ خاص ایک قوم کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوا تھا لیکن علت کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حکم ہر آنے والے کے لیے ہوگا خواہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی خدمت میں پہنچا ہو یا وصال کے بعد، اسی لیے علمائے کرام نے آیت سے دونوں حالتوں میں اس حکم کا عموم سمجھا ہے اور جو شخص بھی آپ کی قبر انور پر پہنچے اس کے لیے اس آیت کی تلاوت اور استغفار کو مستحب قرار دیا ہے اور اس بارے میں شیخ عتبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے جو ہم تیسرے باب کے آخر میں ذکر کر چکے ہیں اور جس کو ہر مذہب کے علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اور مستحب خیال کرتے ہیں اور اس کو آداب زائر میں سے قرار دیتے ہیں۔

سنت مبارکہ سے دلائل:

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو ہم باب اوّل اور باب ثانی میں ان احادیث کا ذکر کر چکے ہیں جو خاص طور پر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں منقول ہیں اور وہ احادیث بھی ذکر کر چکے ہیں جن میں عام قبور کی زیارت کا حکم ہے اور ان میں آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو'' اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔'' حافظ ابو موسیٰ اصبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب'' آداب زیارت القبور'' میں ذکر کیا ہے کہ زیارت قبور کا حکم حدیث حضرت بریدہ اور حضرت انس اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم

میں وارد ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سید القبور ہے وہ بھی لامحالہ قبروں کے عموم میں داخل ہے اور اس کی زیارت بھی عام حکم میں شامل ہے۔

اجماع امت سے دلائل:

اجماع کی بات تو ہم قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے چوتھے باب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ یاد رکھیں علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کے لیے قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے بلکہ بعض ظاہر یہ اسی حدیث کی وجہ سے قبروں کی زیارت کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضور ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو زیارت قبور کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔

زیارتِ قبور کے منکرین کے اقوال:

"مصنف ابن ابی شیبہ" میں امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر زیارتِ قبور کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ممانعت نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی قبر کی زیارت کو جاتا۔ اگر یہ نسبت ان کی طرف صحیح ہے تو یہی کہا جائے گا کہ اس بارے میں ناسخ قول ان تک نہیں پہنچا تھا اور انہوں نے اپنے اس موقف کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی اس لیے یہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "وہ زیارت قبور کو مکروہ سمجھتے تھے" لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں جو مکروہ سمجھتے تھے؟ لہذا ان کا یہ قول حجت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کراہت کی وجہ بیان نہیں کی لہذا اس سے مراد زیارت قبور کی کوئی کراہت والی صورت ہی مراد ہوگی۔

پس یہی دو قول ہیں جن سے زیارت قبور کو روکنے والا شخص استدلال کرسکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ دو قول اس درجہ کے نہیں ہیں کہ صحیح احادیث اور مشہور سنت کے معارض ہوسکیں بلکہ اگر ان قولوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ قول اس قدر شاذ ہوں گے جن کا اتباع اور ان پر اعتماد درست نہ ہوگا اس لیے کہ ہمیں قطعی طور پر مردوں کے لیے

زیارت قبول کا شریعت سے ثبوت ملتا ہے۔ اور آپ ﷺ کی قبرِ مبارک بھی اس عموم کے ماتحت آجاتی ہے لیکن ہمارا مقصود آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا خاص دلائل سے ثابت کرنا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم خاص و عام دلائل سے ثابت ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مردوں کے لیے غیر نبی کی قبر کی زیارت میں اختلاف بھی ہو تو بھی اس سے حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا مختلف فیہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے کہ زیارت قبر میں صاحب قبر کی تعظیم ہے۔ اور تعظیم نبی واجب ہے اور غیر نبی کی تعظیم واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے معاملہ میں مرد و عورت کا بھی فرق نہیں ہے اور قبر نبی کی زیارت کے لیے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے دیگر قبور کی زیارت کے استحباب میں اجماع صرف مردوں کے لیے ہے۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم:

عورتوں کے لیے زیارت قبور کے مسئلہ میں ہمارے مذہب میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کے لیے قبرستان جانا مکروہ ہے۔ شیخ ابو حامد، محاملی، ابن الصباغ، جرجانی، نصر مقدسی، ابن ابی عصرون رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں اور اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہی نہیں ہے۔ صاحب المہذب اور صاحب البیان اسی کے قائل ہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ان کے لیے مکروہ ہے نہ مستحب بلکہ مباح ہے۔ اور اس قول کے قائل امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر ان کا زیارت کرنا غم تازہ کرنے اور نوحہ کرنے کے لیے ہے

تو حرام ہے۔ اور اگر محض عبرت کے لیے ہے تو مکروہ ہے مگر بوڑھی عورتوں کے لیے مباح ہے۔ جیسا کہ ان کے لیے مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہونا مباح ہے۔ اور یہ امام شاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے۔ مرد اور عورت میں یہ فرق اس لیے ہے کہ مرد کے پاس ضبط اور قوت ہوتی ہے اس لیے وہ زیادہ آہ و بکاء نہیں کرتا جبکہ عورت اس کے برعکس ہے۔

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

زیارتِ قبور کے جواز کے دلائل:

جو حضرات عورتوں کے زیارتِ قبور کے لیے نکلنے کے جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''میں نے تمھیں زیارت قبور سے منع کیا تھا پس زیارت کیا کرو۔'' اس اجازت میں مرد و عورت سب داخل ہیں۔ مگر اس کے برعکس جو لوگ عدمِ جواز کے قائلین ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف مردوں کو خطاب ہے اور صرف انہی کو اجازت ملی تھی۔

جواز کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔'' اور اس کو قبر کی زیارت سے منع نہیں کیا۔ اور یہ صحیح استدلال ہے۔

جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قبرستان جا کر میں کیا دعا پڑھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یوں کہنا: " السلام علی أهل الديار من المؤمنين " (اہل دیار کے رہنے والوں پر سلام ہو مومنوں کی طرف سے۔) یہ بھی صحیح استدلال ہے۔ نیز ہم عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیع

تشریف لے جانے کا واقعہ ذکر کریں گے وہ بھی صحیح استدلال ہے۔

قبر انور کی حاضری کے مستحب ہونے کا قیاس سے جواز:

حضور نبی مکرم ﷺ کی قبر کی زیارت عبادت اور کار ثواب ہے۔ اس موضوع کو قیاس سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور نبی اکرم ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور یہ جانا آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے بھی مستحب ہے۔ تو جب آپ ﷺ کی قبر انور کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا مستحب ہوا تو پھر آپ کی قبر کی زیارت کیوں مستحب نہ ہوگی؟ جبکہ ہر مسلمان پر آپ ﷺ کے حقوق ہیں۔ اور ہر مسلمان پر آپ ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔

اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہاں پہنچ کر ان کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت فرمائی۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ کا مقصد ان اصحاب القبور کی مغفرت کی دعا کرنا تھا نہ کہ اپنی مغفرت کرانا۔ لہذا حضور ﷺ اس سے مستغنی ہیں کہ آپ کی مغفرت کی دعا کی جائے اس لیے آپ کی قبر مبارک کی حاضری کیونکر کی جاتی ہے؟

جواب:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اس لیے نہیں ہے کہ حضور کی مغفرت کی دعا کی جائے بلکہ آپ کی تعظیم کے لیے اور تبرک حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اور اس لیے ہے کہ ہمارے صلوۃ وسلام سے ہم پر رحمت نازل ہو اور ہمیں ثواب حاصل ہو جیسا کہ عام حالات میں ہمیں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے یا حضور ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے کا حکم ہے۔ یہ چیزیں تو خود حضور ﷺ کو ہماری دعا و درود سے پہلے حاصل ہیں ہمیں تو اس لیے حکم دیا گیا ہے تا کہ اس فعل سے اللہ تعالی کی رحمت ہمیں حاصل ہو جائے۔

اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت تعظیم کے لیے اور عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے اور اس میں اندیشہ ہے کہ مبالغہ شروع ہو جائے اور اس کو پوجنا شروع کر دیا جائے جبکہ یہ احتمال عام قبروں کی زیارت میں نہیں ہے۔

جواب:

یہ بات تو اس قدر لچر اور مبنی بر جہالت ہے کہ اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان اوہام کی بنیاد پر زیارت کے تمام احکام سے قطع نظر کی جائے گی تو پھر کوئی فرض قابل عمل نہ رہے گا۔ ہر واجب اور فرض پر اس طرح کے باطل اوہام پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ متقدمین نے ان باطل اوہام کی بنیاد پر کبھی بھی زیارت قبر نبی سے قطع نظر نہیں کیا۔

اس کے علاوہ علمائے کرام نے وہ تمام حدود متعین کر دی ہیں جو تعظیم کے لیے ہیں اور عوام کو اس میں مبالغہ سے روک دیا ہے۔ اور ان تمام آداب کو واضح کر دیا ہے جو زیارت قبر نبی کے لیے ضروری ہیں۔ تو اب محض اس باطل وہم سے قبر نبی کی زیارت سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا۔ علمائے کرام کی جانب سے زیارت قبر النبی ﷺ کے آداب بیان کرنے کے بعد اس بات کا خطرہ نہیں کہ وہاں غیر اللہ کی عبادت ہو گی۔ اب اگر کوئی منصب نبوت کی تعظیم کو ترک کرے گا اور اس تعظیم کو خدا کی عبادت سمجھے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا اور جو تعظیم نبی اس پر فرض تھی اس کی ادائیگی میں اس نے کوتاہی کی۔

زیارت قبور کی اقسام:

زیارت قبور کی چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

ایک قسم تو یہ ہے کہ زیارت سے مقصود محض موت کو یاد کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہوتا ہے۔ اس میں تو مطلقاً قبروں کی زیارت کافی ہے۔ خواہ زائر ان اہل قبور سے واقف

ہو یا نہ ہو۔ یہاں نہ استغفار کا قصد ہوتا ہے نہ برکت حاصل کرنے کا نہ ان کے حقوق ادا کرنے کا اور زیارت کی یہ صورت مستحب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔" وہ اس طرح کہ انسان جب قبر دیکھتا ہے تو اس کو موت اور اس کے بعد کی کیفیات یاد آتی ہیں اور اس کو نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم میں تمام قبور کی زیارت شامل ہے اور تمام قبور کی زیارت کا یکساں حکم ہے جیسا کہ نماز کے ثواب کے بارے میں تین مسجدوں کے علاوہ تمام مساجد کا یکساں حکم ہے۔

دوسری قسم:

دوسری قسم یہ ہے کہ زیارت قبور کا مقصد اہل قبور کے لیے دعا کرنا ہو جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت کی۔ اور اس طرح کی زیارت ہر مسلمان کی قبر کے لیے مستحب ہے۔

تیسری قسم:

تیسری قسم یہ ہے کہ نیک لوگوں کی قبر کی زیارت کی جائے تا کہ برکت حاصل ہو۔ اس کے بارے میں ابو محمد شار مساحی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نفع اور برکت حاصل کرنے کے لیے کسی قبر کی زیارت بدعت ہے سوائے قبر رسول اکرم ﷺ اور دیگر رسل عظام سلام اللہ علیہم کی قبروں کے۔ کسی اور قبر کی اس لحاظ سے زیارت کیا یہ واقعی بدعت ہے؟ اس بارے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس موقع پر صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت اور دیگر انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کی قبور کی زیارت تبرک حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔

چوتھی قسم:

چوتھی قسم یہ ہے کہ قبور کی زیارت اہل قبور کے حقوق ادا کرنے کے لیے کی

جائے۔ اگر کسی کا کسی پر حق ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے اور قبر کی زیارت کرنا بھی صاحب قبر کے ساتھ نیکی کا برتاؤ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت اسی قسم کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ پر گریہ طاری ہوگیا اور صحابہ کرام علیہم السلام پر بھی گریہ طاری ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے ربّ سے اجازت چاہی کہ ان کی مغفرت کی دعا کروں تو اس کی اجازت نہ ملی۔ ہاں قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی۔ لہٰذا تم بھی قبور کی زیارت کر لیا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔“ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ یہ زیارت میت کے لیے رحمت ہوتی ہے اور وہ اس زیارت سے مانوس ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبر میں میت اس زیارت کرنے والے سے زیادہ مانوس ہوتی ہے جو اسے دنیا میں محبت کرتا تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس سے اس کی دنیا میں جان پہچان تھی پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے تو وہ (مردہ) اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔“ اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرہ میں کہا ہے کہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور ایسے بہت سے آثار ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ زندہ لوگ جب مُردوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لیے درود وسلام کا تحفہ بھیجتے ہیں تو مردے کو نفع پہنچتا ہے۔ جب یہ واضح ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی ﷺ میں چار مقاصد جو ہم نے بیان کیے، وہ سب ثابت ہیں۔ پہلا تو وہ ظاہر ہے۔ اور دوسرا تو ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے لیے دعا کریں اگرچہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ ہماری دعا سے بے نیاز ہیں۔

تیسری اور چوتھی وجہ اس طور پر پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ سے زیادہ برکتوں والا کوئی اور نہیں ہے اور نہ آپ سے زیادہ مسلمانوں پر کسی کا حق ہے تو

وہ فوائد جو آپ کی قبر کی زیارت میں پائے جاتے ہیں کسی غیر کی قبر میں متصور نہیں ہیں جیسا کہ مسجدِ حرام کی فضیلت دوسری مسجد میں متصور نہیں ہے۔ اسی طور پر قبر نبی کا قصد کرنا خصوصی طور پر ثابت ہوا اور یہ تو اس وقت ہے کہ جب قبر نبی کی زیارت کے سفر پر کوئی خاص دلیل نہ ہو اب جبکہ خاص دلائل بھی موجود ہیں تو حضورا کرم ﷺ کی قبر کی زیارت بعینہ مستحب ہے اور غیر نبی کی قبر کی زیارت علی الاطلاق مستحب ہے اور اس پر اجماع بھی منقول ہے بلکہ بعض علمائے کرام تو اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "النوادر" میں مذکور ہے۔" زیارتِ قبور میں، وہاں بیٹھنے میں اور وہاں سے گذرتے وقت سلام بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ فعل حضورا کرم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر سے واپس آئے ۔ اس عرصے میں آپ کے بھائی عاصم کی وفات ہوگئی تھی تو آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا کی اور استغفار کیا۔ اور بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ دردناک اشعار بھی پڑھے۔

فان تك احزان و فائِضُ دَمْعَة
جَرَيْنَ دَمًا مِنْ دَاخِلِ الْجَوْفِ مُنقعا
تَجَرَّعْتُهَا مِنْ عَاصِمٍ و اَحْتَسَيْتُهَا
فَاَعْظَمُ مِنْهَا مَا اَحْتَسىٰ وَ تَجرعا
فَلَيْتَ الْمَنَايَا كُنّ خَلَّفْنَ عَاصِمًا
فَعِشْنَا جَمِيْعًا اَوْ ذَهَبْنَ بنا معاً
دَفَعْنا بِكَ الْاَيَّامَ حَتى اِذَا اَتَت
تَرِيْدُكَ لَمْ نَسْتَطِعْ لَهَا عَنْكَ مدفعاً

۱۔ اگرچہ یہ غم اور بہنے والے آنسو ہیں مگر انہوں نے باطن سے مجتمع خون بہا دیا ہے۔

۲۔ میں نے عاصم کی وجہ سے ان کو گھونٹ گھونٹ پیا اور نگل لیا اس سے بڑھ کر وہ ہے جو اس نے پیا اور نگلا۔

۳۔ پس کاش موتیں عاصم کو باقی رکھتیں تو ہم ساتھ جیتے یا ہمیں ساتھ لے جاتیں۔

۴۔ تیرے ذریعے ہم نے مصائب کی مدافعت کی حتی کہ وہ جب آئے تیرے ارادے سے ہم ان کو تجھ سے دور نہ کر سکے۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا کیا جب آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے بھائی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور آپ آئیں تو ان کی قبر پر گئیں۔ اور اسی طرح رسول اکرم ﷺ اہل بقیع کے استغفار کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔

حضور اکرم ﷺ قبرستان میں یوں دعا فرماتے تھے'' اے مومنوں اور مسلمانوں کی بستی والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ! رحم فرمائے ہمارے اگلوں پر اور پچھلوں پر اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان کا بدلہ عطا فرما اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ فرما۔

اہل قبور کو سلام کرنے پر یہ دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سلام کرنا مسنون عمل ہے۔ اور خود حضور اکرم ﷺ شہدائے احد کی قبروں پر بھی تشریف لے گئے ان کو سلام کیا اور ان کے لیے دعا کی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیارت قبور کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: '' ابتداء حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی تھی تو اگر انسان کوئی کلمہ خیر کہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ یہ اجازت اس لیے دی گئی تاکہ زائر کو عبرت ہو۔ ہاں جو سفر سے واپس لوٹے اور اس کا کوئی عزیز مرگیا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ دعا اور رحمت کی درخواست کرے۔ اور شہدائے احد کی قبروں پر بھی حاضری دینی چاہیے اور ان پر اسی طرح سلام پڑھنا چاہیے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر پڑھا جاتا ہے۔

بعض علمائے کرام نے زیارت قبور کے بارے میں "لا باس" کہا ہے۔ یعنی اگر کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو صرف مباح کہہ رہے ہیں لیکن مباح اور سنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور شاید ان کے نزدیک زیارت قبور عیادت مریض کی طرح ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح ہے جن کی اصل وضع، عبادت کے لیے نہیں ہے۔ اور اس پر آئندہ گفتگو ہوگی جب ہم اس موضوع پر بیان کریں گے کہ اگر کسی نے زیارت کی نیت کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جائے کہ مردوں کی زیارت زندوں کی زیارت کی طرح ہے مگر زندوں کی زیارت کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ عبادت کے لیے ہے بلکہ اس کو کبھی تقرب الی اللہ کی نیت سے کرلیا جاتا ہے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے اور کبھی تقرب کا قصد نہیں ہوتا تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح زیارت قبور ہے اور اس میں قربت کی مختلف صورتیں ہیں ایک وجہ قربت کی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے زیارت کرے تو یہ زیارت ہر ایک کے لیے مستحب ہے۔

دوسری وجہ قربت کی یہ ہے کہ ترحم اور دعا کے لیے زیارت کرے اور یہ ان قبروں کے لیے ہے جو کسی رشتہ دار کی ہوں اور وہ رشتہ دار زیارت کرنے والے کی عدم موجودگی میں فوت ہوگیا ہو جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا جب وہ اپنے بھائی عاصم کی موت کے بعد وطن واپس ہوئے تھے۔ اسی طرح آپ کے صاحبزادے کا وصال آپ کی عدم موجودگی میں ہوا تو واپس آکر آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ آپ کو قبر بتائی

گئی تو وہاں پہنچ کر اس کی مغفرت کی دعائیں فرمائیں۔ اس کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا جب آپ کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی وفات حبشی گاؤں میں ہوئی یہ گاؤں مکہ سے بارہ میل ہے۔ ان کا جنازہ مکہ لایا گیا اور ان کو وہاں دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچیں تو ان کی قبر پر گئیں اور وہاں یہ اشعار پڑھے:

وَ كُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيْمَةَ حِقبَةً
مِنَ الدَّهرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا
فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَاَنِّيْ وَ مَالِكًا
لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعَا

اور ہم ایک عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو ہم مجلسوں کی طرح تھے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔

پھر جب ہم جدا ہوگئے تو گویا کہ میں اور مالک نے باوجود اجتماع کے طول کے ایک شب بھی ساتھ نہ گذاری تھی۔

اور پھر فرمایا: اگر میں وصال کے وقت موجود ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی اور اگر میں اس وقت ہوتی تو اس جگہ دفن کراتی جہاں وصال ہوا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی ملیکہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملنے چلا تو وہ ایک جگہ سے آتی ہوئی ملیں ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت سے آرہی ہیں۔

امام محمد بن حسن نے السیر الکبیر میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کرنے یا عمرہ کرنے مکہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر گئیں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا اگر میں موت کے وقت ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی یہ اظہار تاسف کے طور پر فرمایا کہ وہ پردیس میں فوت ہو گئے اور پھر قبر پر حاضری کے عذر کے طور پر فرمایا اس لیے کہ ایک حدیث سے بظاہر عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قبروں پر جانے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہے۔'' البتہ اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور انہوں نے حدیث میں ظاہری ممانعت کی وجہ سے کہا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور کی زیارت بھی باعث ثواب ہے اور بسا اوقات اس زیارت کی تاکید ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی رشتہ دار کی قبر کی زیارت رشتہ داری کی وجہ سے اس پر حاضری کی تاکید ہے۔ اور جس سے کوئی رشتہ نہ ہو اس کی قبر پر حاضری بھی عبرت حاصل کرنے کے لیے اور رحم کی درخواست کرنے کے لیے مستحب ہے عام مسلمانوں کی قبروں کا یہی حکم ہے۔ زیارت قبر نبی ﷺ کے حوالے سے مالکیہ کی نصوص ساتویں باب میں آئیں گی۔ جب کوئی کسی ایک قبر کی زیارت کر لیتا ہے تو سنت ادا ہو جاتی ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس معین قبر کی زیارت ہی سنت ہے تاکہ اس سے اس قبر کی فضیلت واضح ہو۔ بیشک تمام صلحاء کی قبور کی زیارت قربت ہے۔ اس کی مثال نماز مسجد میں پڑھنے کی مثل ہے کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔ اس لیے کسی بھی مسجد میں بھی نماز پڑھ لے گا تو یہ مقصد پورا ہو جائے گا کوئی خاص مسجد مطلوب نہیں سوائے ان تین مساجد کے کہ جن کو متعین کر دیا گیا ہے۔ اور ان مساجد میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہوگا۔

جب آپ یہ سمجھ گئے کہ زیارت قبور کا معاملہ مسجد کی نماز کی طرح کا ہے تو زیارت کے لیے کسی خاص قبر کا قصد مناسب نہیں ہے۔ جن علمائے کرام نے زیارت قبر کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اس سے مراد اس قسم کی زیارت ہے جہاں قبر سے عبرت حاصل کرنا مقصود ہو وہاں کسی خاص قبر کی نیت کرنا درست نہیں ہوگا۔ اب اگر بعض علماء نے باقاعدہ نیت کے ساتھ سواری پر زیارت قبور کے لیے جانے سے روکا ہے تو اس سے

ان کی مراد یہی ہو گی۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور سے یا ان لوگوں کی قبروں سے جن کے جنتی ہونے کی شرع نے گواہی دی ہے تبرک کی نیت سے سفر کیا جائے تو ان کے لیے سفر مستحب ہو گا۔ جیسا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس ان سب مساجد کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے تو اس سے زیادہ تبرک حاصل کرنے کی نیت سے سفر کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی خاص میت کے لیے دعا کی نذر کر لی ہو یا کسی ایسی ہستی کی کہ جس کے جنتی ہونے کی گواہی شریعت نے دے دی ہو جیسے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو اس کا قصد کرنا مستحب ہو گا اور پھر نبی اکرم ﷺ کا درجہ تو ان سب سے بلند و بالا ہے جس طرح وہ مساجد جن کی عظمت کی شریعت نے گواہی دی ہے ان میں سے اعلیٰ درجہ مسجد حرام کا ہے۔ اور اس معنی میں سفر کی نیت نہیں کی جائیگی مگر صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات کی۔

جب صرف قبرستان میں جا کر دعا کرنا مقصود ہو تو اور صاحب قبر کا کوئی خاص حق اس کے ذمہ نہ ہو تو اس وقت کسی خاص قبر کی نیت نہیں کی جائے گی۔ مگر کسی خاص میت کے لیے دعا کی نیت کی تھی تو پھر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہو گا اس لیے کہ اس کا حق متعین ہو گیا۔ اب کوئی دوسری قبر اس کے قائم مقام نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ کسی متعین فقیر پر صدقہ کرنے کی نذر کی ہو تو اسی فقیر کو صدقہ دینا ضروری ہو گا۔ اگر کسی مخصوص قبر پر پہنچ کر دعا کرنے کی نذر کی ہو تو قرین قیاس یہ ہے کہ اس کی وفا ضروری ہو گی اس لیے کہ دعا عند القبور مقصود ہے جیسا کہ اہل بقیع کے لیے دعا۔ اس صورت میں بھی اس واجب کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا درست ہو گا جبکہ نذر سے وجوب ہو چکا ہے مگر بغیر نذر کے سفر کرنا درست نہ ہو گا۔ اس لیے کسی مخصوص قبر کے پاس پہنچ کر دعا کرنا شرع میں ثواب نہیں ہے کیونکہ میت کے حق کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ادائے حق کے لیے جیسا کہ والدین کی قبر کی زیارت اس کا بعینہ قصد کرنا مشروع ہے اور اس کے لیے سفر کرنا جائز بلکہ مستحب ہو گا اور سب سے بڑا حق نبی مکرم ﷺ کا ہے تو اس وجہ سے وہاں پہنچنے کے لیے بھی سفر

مستحب ہوگا۔

یہتمام بحث اس صورت تھی جب کوئی خاص دلیل قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نہ ہوتی جب کہ یہاں تو زیارت کے لیے سفر کرنے پر خلف وسلف کا اجماع ہے۔ جب کوئی شخص زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کرے تو کیا اس پر نذر لازم ہوگی؟ قاضی ابن کج نے تصریح کی ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا اور زیارت کرنا لازم ہوگا۔ اور العبدی المالکی نے اس نذر کے لزوم کی تصریح کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مستحب یا مقرب فعل نذر سے واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قربت کی دو قسمیں ہیں ایک قربت تو وہ ہے جو اصل وضع میں عبادت نہیں ہے بلکہ وہ اچھا عمل یا اخلاق حسنہ میں سے ہے جس کی ترغیب شارع نے عمومی فائدہ کی وجہ سے دی ہے۔ اس میں کبھی اللہ تعالی کی رضا مندی بھی مقصود ہوتی ہے تو ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ مریض کی مزاج پرسی، دور سے آنے والوں کی ملاقات اور سلام کو رواج دینا۔

اس قسم کی قربت کے لازم ہونے میں دو قول ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نذر کرنے سے اس قربت کا لزوم ہوجائے گا اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص نے نذر مانی ہو کہ وہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری کرے گا تو ضرور فرمانبرداری کرے''۔ اس قسم میں جنازے کی شرکت اور چھینکنے والے کو دعا دینا شامل ہے۔

دوسری قسم عبادات مقصودہ میں نذر ماننے کے حوالے سے ہے۔ عبادات مقصودہ وہ ہیں جن کی اصل وضع تقرب الی اللہ کے لیے ہے اور ان کا مخلوق کو مکلف بنایا گیا ہے۔ جیسے کہ عبادت نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ یہ قسم نذر سے بالاجماع لازم ہوجاتی ہے سوائے بعض مستثنی صورتوں کے۔

بعض علمائے کرام نے اس طور پر وضاحت کی ہے کہ قسم اول وہ ہے جس کو ابتداء شرع نے واجب قرار نہیں دیا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کو ابتداء سے ہی واجب قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اعتکاف کو دوسری قسم میں داخل کیا ہے اگرچہ وہ ابتداء واجب نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اعتکاف کے معنی ایک جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اس کی جنس

جوشرعاً واجب ہے وہ عرفات میں ٹھہرنا ہے۔قسم اول میں تجدید وضو کو داخل کیا ہے اس لیے کہ شریعت میں بغیر حدث کے وضو واجب نہیں ہے۔اور وضو مقصود بالذات بھی نہیں ہے بلکہ وہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔صحیح یہی ہے کہ تجدید وضو نذر سے واجب ہو جائے گا۔

جو صورتیں مستثنیٰ ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ کسی واجب کی ایک صفت کو تنہا اپنے اوپر لازم کرنا جیسا کہ طویل قراءت یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنے کی نذر ماننا۔اس میں دو قول ہیں۔راجح قول یہی ہے کہ نذر ماننے سے لزوم ہو جائے گا۔ایسی صورت کہ جس میں کسی شرعی رخصت کا ابطلال ہورہا ہو جیسے کہ سفر میں رمضان کے روزے کی نذر ماننا،اس میں بھی دو قول ہیں۔راجح قول یہی ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔اسی طرح مریض کا نذر ماننا کہ وہ تکلیف کے ساتھ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرے گا یا روزے کی نذر کرنا کہ وہ مرض میں بھی افطار نہ کرے گا۔اس میں صحیح قول یہ ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے نفلوں میں قیام کی نذر مانی یا پورے سر کے مسح کرنے کی یا سر کے مسح کو تین بار کرنے کی نذر مانی یا سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کی نذر مانی تو رافعی نے ان صورتوں میں لزوم و عدم لزوم دونوں کو جائز قرار دیا ہے مگر تیمم کی نذر منعقد نہ ہوگی اس لیے کی اس کا جواز ضرورت کے وقت ہے۔

اگر اس نے کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر نماز لازم ہو جائے گی۔اور کیا یہ جگہ بھی متعین ہو جائے گی؟ اس بارے میں یہی موقف ہے کہ اگر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو یہ جگہ لازم ہو جائے گی اور اگر اس نے مسجد نبوی کی نیت کی تھی تو مسجد نبوی یا مسجد حرام متعین ہوں گی اور اگر مسجد اقصیٰ کی نیت کی تھی تو وہ یا پہلی دونوں مسجدیں متعین ہو جائیں گی۔(یعنی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ یہ دونوں مسجدیں اس سے درجہ میں اعلیٰ ہیں) اور اگر اس نے ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی نیت کی تھی تو وہ جگہ متعین نہ ہوگی اور اگر اس نے مسجد حرام میں جانے کی نذر مانی تو نذر لازم ہو جائے گی۔اور اگر مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ پہنچنے کی نذر کی تھی تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ

تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الأم'' میں فرمایا ہے کہ بیت اللہ شریف پہنچنے کی نیکی فرض ہے اور باقی دونوں جگہ پہنچنا نفل ہے۔ اس قول کی دلیل میں حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے جس کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ نے بیت اللہ فتح کر لیا تو وہ بیت المقدس میں جا کر دو نوافل پڑھے گا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہاں نماز پڑھ لے''۔ اس کے دوبارہ سوال پر بھی نبی اکرم ﷺ نے یہی فرمایا ''یہاں نماز پڑھ لے'' تیسری بار سوال پر فرمایا: ''پھر تیرا جو جی چاہے وہ کر۔''

حضرت عمر بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر تم نے یہاں نماز پڑھ لی تو بیت المقدس میں پڑھنے والی نماز ادا ہو گئی۔''

یاد رکھیں کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام میں نماز پڑھ لینے سے نذر پوری ہو جاتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال غلط ہوگا کہ بیت المقدس میں نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ ادا ہو جائے گی اور اس لیے کہ دونوں مسجدیں انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور مکہ کی نماز بیت المقدس کی نماز سے افضل ہے تو لامحالہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مکہ میں نماز پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔

اگر کسی نے بیت المقدس تک چلنے کی نذر نہ مانی ہو تو صرف نماز کا لزوم رہ جائے گا تو اس کی نذر بیت الحرام میں نماز سے پوری ہو جائے گی اور اگر چل کر جانے کا بھی اس کے ذمہ لزوم مانا جائے تو بیت الحرام کی نماز سے نذر پوری نہ ہوگی۔ ہاں! اگر وہ اس مسافت کی مقدار مکہ مکرمہ کی طرف بھی مسافت طے کر لے جو اس کے اور بیت المقدس

کے درمیان تھی تو بے شک نذر پوری ہوجائے گی۔ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ اس شخص نے بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر مانی تھی یا صرف نماز کی ہی نذر مانی تھی اگر صرف نماز کی نذر مانی جائے تو مکہ کی نماز سے اس کی ادائیگی ہوجانی ظاہر ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر میں لامحالہ بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر ہے تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس جانے کی منّت کا لزوم نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے اس بحث کو بہت طویل کر دیا لیکن یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بعض التزامات تو وہ ہیں جن کے نذر سے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم نہیں ہوتے۔ اور آپ کو ان میں سے ہر قسم کا ماخذ معلوم ہوگیا۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی نذر کے لازم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کا دوسرا قول یہ ہے کہ نذر کے لزوم کی شرط یہ ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے کا حکم:

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھ لیں کہ قبر نبی ﷺ کی زیارت ایک قربت اور باعث ثواب عمل ہے کیونکہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے اور اس پر آمادہ کیا ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اس کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت عموم کی ہے اور ایک جہت خصوص کی۔ خصوص کی جہت تو یہ ہے کہ خاص دلائل سے اس کا باعث قربت ہونا ثابت ہے تو اب نذر ماننے سے اس کا لزوم یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اس کو ان عبادات مقصودہ کے ساتھ لاحق مانا جائے گا جو صرف عبادت کے طور پر کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ نماز، صدقہ، روزہ، اعتکاف۔ اسی وجہ سے قاضی ابن کج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ قبر نبی کی زیارت کرے گا تو اس کے لیے بالاتفاق اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

غیر نبی کی زیارت قبر کی نذر ماننے کا حکم:

اگر کسی شخص نے کسی غیر نبی کی قبر کی زیارت نذر مانی تو اس میں دونوں صورتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اور جن کا موقف ہے کہ یہ نذر لازم ہوگی یہی حق ہے۔ یہ ان دلائل کی بنیاد پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ غیر نبی کی قبر کی نذر میں لزوم و عدم لزوم ممکن ہے اس وقت ہو جب کہ مطلقا قبر کی نذر مانی ہو اور اور لازم اس لیے قرار دیا ہو کہ جس طرح سفر سے آنے والوں کی زیارت کی منّت اور سلام کو رائج کرنے کی منّت لازم ہوتی ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح جو اصل وضع میں قربت مقصودہ نہیں ہیں اگر چہ محض قربت ہیں۔ اور اس صورت میں اصح یہ ہے کہ لزوم ہو جائے گا۔ انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کے علاوہ کسی معین قبر کی زیارت کوئی قربت نہیں ہے۔ اور قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے زیارت مقصود ہوتی ہے۔

نذر کے وجوب کی شرط:

بعض لوگ نذر کے وجوب کی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو جیسے کہ اعتکاف۔ اور اعتکاف کا وجوب نذر سے اس لیے ہو جاتا ہے کہ اس کی جنس کا ایک فرد وقوف عرفہ واجب ہے۔ اس کے لیے کہا جائے گا کہ زیارت نبی کی جنس کا بھی وجوب ثابت ہے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ کی طرف ہجرت تھی۔ تو اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو چیز نذر سے لازم ہوگی وہ تقرب ہوگی اور ہر تقرب کا لزوم نہیں ہوتا اور زیارت قبر نبی ﷺ ایسی قربت ہے جو نذر سے واجب ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ بعض علمائے کرام زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کا وجوب نہیں مانتے تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قربت نہیں مانتے۔

مجھے بعض باطل کی حمایت کرنے والوں کی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ القاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی زیارتِ قبر نبی کی نذر مانے تو اس پر وجوب ہو جائے گا یا نہیں؟

تو انہوں نے فرمایا اگر اس کا مقصود مسجد نبوی تھی تو وہاں جائے اور اس میں نماز پڑھے اور اگر اس نے قبر نبی ﷺ کا ارادہ کیا تھا تو عمل نہ کرے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے " **لا یعمل المطی الا الی ثلاثة مساجد** " سواری کام میں نہ لائی جائے سوائے تین مسجدوں کے۔

اب اگر اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے درست مانا جائے تو اس کی اس طرح تاویل ضروری ہے کہ اس سے زیارت قبر نبی کی قربت ہونے کی نفی ثابت نہ ہو۔ اس لیے کہ خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، دیگر علمائے کرام اور جمیع امت مسلمہ سے اس عمل کا قربت ہونا منقول ہے۔

ایک تاویل تو یہ ہے کہ اس کو ایسی قربت مانا جائے کہ جس کا لزوم نذر سے نہیں ہوتا۔جیسا کہ اہل مدینہ اور آس پاس کے لوگوں کے لیے مسجد قباء جانا قربت ہے لیکن نذر سے اس کا وجوب نہیں ہوتا۔مگر محمد بن مسلمہ مالکی کے نزدیک نذر سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کو اس شخص کے لیے مانا جائے جو دور سے آنے کی نذر مانتا ہے۔جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کا استعمال صرف تین مسجدوں کے لیے کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر سفر کی نذر مانی ہے تو یہ نذر لازم نہیں ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق سفر قربت نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے مسجد قبا کے قریب رہنے والوں کے لیے اس کی زیارت قربت ہے لیکن نذر سے اس کا لزوم نہیں ہوتا۔ یہ توجیہہ تمام توجیہات میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قواعد سے قریب تر ہے۔

''**التھذیب للمسائل المدونہ**'' میں مذکور ہے کہ جس نے یہ نذر مانی کہ ''میں مدینہ یا بیت المقدس پہنچوں گا'' یا یہ کہا میں مدینہ یا بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔تو وہ یہ کہنا پورا نہ کرے جب تک اس نے ان دونوں جگہوں کی مسجدوں میں نماز کی نیت نہ کی ہو یا ان مسجدوں کا نام نہ لیا ہو اور یوں نہ کہا ہو کہ میں مسجد رسول یا مسجد بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ اگر اس نے ان مساجد میں نماز کی نیت نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ سوار ہو کر جائے تو اس پر کوئی ہدی لازم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان مسجدوں کا نام لینا

گویا کہ یہ کہنا ہے کہ میں ان مساجد میں نماز پڑھوں گا۔ ہاں اگر کسی اور شہر کی مسجد میں نماز کی نذر مانی تو وہاں جانا ضروری نہیں صرف اپنے شہر کی مسجد میں نماز ادا کر لینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔ اور اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ سرحد کی نگرانی کرے گا یا روزہ رکھے گا تو اگر وہ مقام ایسا ہے کہ وہاں جانا قربت ہے تو اس پر یہ نذر لازم ہوگی جیسے عسقلان یا اسکندریہ ہے اگرچہ وہ نذر ماننے والا مدنی یا مکی ہو۔ اور اگر کسی نے پیدل چلنے کی نذر مانی تو اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہوگا سوائے یہ کہ مکہ یا بیت اللہ یا مسجد حرام یا کعبہ یا حجر اسود یا رکن تک پیدل جانے کی نذر مانی ہو کیونکہ اس صورت میں تو یہ نذر لازم ہوگی۔

تہذیب کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مدینہ تک جانے کی نذر پورا کرنا لازم ہوگا۔ اگر مسجد کی تصریح کی گئی ہو یا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہاں کسی اور حوالے سے جانے کی نذر کا کوئی لزوم نہیں ہے اگرچہ یہ قربت ہیں۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت قبر النبی ﷺ بالخصوص مطلوب ہے۔ ان احادیث مبارکہ کی بنیاد پر جو ہم نے شروع کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ اور سلف و خلف کے عمل کی بنیاد پر اور اسی طرح دیگر عام دلائل کی بنیاد پر بھی وہ مطلوب ہے کیونکہ زیارت قبور کے بارے میں جو عام احادیث صحیحہ مشہور ہیں ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔

نذر کے ذریعہ اس کا لزوم پہلی جہت یعنی بالخصوص مطلوب ہونے کی بناء پر ہے۔ ہاں دوسری جہت یعنی عام دلائل کی بناء پر مطلوب ہونے کے اعتبار سے ہم نے واضح کیا تھا کہ زیارت کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں۔ اور زیارت قبور اس طرح ہے جس طرح کہ دور سے آنے والوں کی زیارت کرنا۔ اور ہم نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ نذر ماننے سے آنے والوں کی زیارت لازم ہو جائے گی باوجودیکہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ فعل تقرب ہے یا نہیں؟ کسی معین قبر کی زیارت کی نذر اگر اس کے لیے دعا مقصود ہے تو میت کے حق کی وجہ سے اس کا بھی لزوم ہو جائے گا۔ اور اگر زیارت سے مقصد برکت حاصل کرنا ہے تو بھی حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی نذر کا لزوم ہو جائے گا اور اگر عبرت

حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کیلزوم میں اختلاف ہے۔ اور اگر کوئی بھی مقصد معیّن نہیں کیا تو پھر لزوم نہ ہو گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والے نے شاید صرف بغیر مقصد آنے کے حوالے سے سوال کیا ہو اور امام صاحب نے اسی حیثیت سے سائل کا جواب دیا ہے اور نذر کو لازم قرار نہیں دیا۔ اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں جو خاص روایات ہیں وہ نہ پہنچی ہوں اور وہ عام قبور والی احادیث کی بنیاد پر عدم لزوم کے قائل ہو گئے ہوں۔ حالانکہ یہ قبر مبارک سب سے زیادہ شرف والی ہے اور سب سے زیادہ زیارت کے لائق ہے مگر اس کے باوجود اگر بغیر مقصد آنے کی نذر مانی جائے تو ایسی نذر لازم نہیں ہو گی خواہ یہ قبر نبی ہو یا غیر کی قبر ہو۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ قبر پر جانے سے صاحب قبر کی زیارت مقصود ہوتی ہے۔ اور یہی زیارت ہے جس کو قربت کہا جاتا ہے۔ اور عام طور پر قبر کی زیارت کا مقصد صاحب قبر کی زیارت ہوتی ہے۔ کبھی قبر کی زیارت کا مقصد اس مقام کی زیارت ہوتا ہے، اس مقام کے کسی شرف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ زیارت اگر اس جگہ کی زیارت ہے جس کی شرافت پر شرع شاہد ہے تو یہ قربت ہو گی ورنہ نہیں اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب اسی بنیاد پر ہے۔ جس طرح کہ ان کا استدلال دلالت بھی کرتا ہے کہ ان کے مدنظر مکان کی زیارت ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی زیارت اس اعتبار سے کہ وہ سرزمین کی زیارت ہے قربت نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول " زرتُ قبرَ النبیؐ " کی ممانعت کو اسی معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ اور اس صورت میں یا تو ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کریں گے حضور اکرم ﷺ کے فرمان " لا تشدّ الرحال الا الیٰ ثلاثۃ مساجد " پر عمل کرتے ہوئے۔ اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان " من زار قبری " کو اس معنیٰ پر محمول کریں گے کہ " جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں مدفون ہوں" جس طرح کے ذہن فوری طور پر ادھر ہی جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور کی قبر مبارک کی زیارت بھی قربت ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان "من زار

قبری " یہ خاص ہے بہ نسبت " لا تشدّ الرحال " والی روایت کے۔ تو اس خاص کے ذریعہ اس عام کی تخصیص کر لی جائے گی اور مطلب یہ ہو گا کہ " لا تشدّ الرحال" کی ممانعت سے زیارتِ قبر نبی مستثنیٰ ہو گی، اس فرمان "من زار قبری " کی وجہ سے۔

بہتر یہی ہے کہ حضور کے فرمان "من زار قبری" کے معنیٰ "من زارنی فی قبری" (جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں ہوں) لیے جائیں اور محض سرزمین کی زیارت کو قربت نہ مانا جائے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے۔ پس اس سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی بھی وضاحت ہو جائے گی اور یہ بات بھی ظاہر ہو جائے گی کہ امام صاحب کے قول کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ زیارت قربت نہیں ہے۔ اور نہ یہ معنیٰ ہے کہ زیارت کا سفر قربت نہیں ہے بلکہ یہ تو سب علمائے کرام کے نزدیک قربت ہے۔ لہٰذا اگر اس مسجد نبوی ﷺ میں آنے کی نذر مانی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کے ذمہ لازم ہو جائے گی۔ اور شیخ ابو علی سنجی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ صرف زیارت پر اکتفاء کرے گا۔ اور امام رافعی کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے۔ اور امام صاحب نے اس حوالے سے توقف کیا ہے کہ زیارت مسجد سے اور اس کی تعظیم سے تعلق نہیں رکھتی اور انہوں نے اس حوالے سے توقف نہیں کیا کہ زیارت قربت نہیں بلکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہم چوتھے باب میں شیخ عبدی مالکی کا یہ قول تک نقل کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ تک زیارت کے لیے پیدل جانا، کعبہ اور بیت المقدس تک جانے سے زیادہ افضل ہے۔

چھٹا باب

زیارتِ بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر قربت ہے

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کا کتاب اللہ سے ثبوت:

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری اور زیارت کے لیے سفر کرنا باعث تقرب ہے اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

" ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابًا رحيمًا " [النساء : ۶۴] (اے حبیب ! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالی سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالی کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

پانچویں باب میں ہم اس کے بارے میں پوری بحث کر چکے ہیں اور بارگاہ نبوی میں حاضری کے لیے آنا بہر صورت ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ قریب سے آنا ہو یا دور سے۔ خواہ سفر کر کے آنا ہو یا بغیر سفر کے۔ لہذا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہاں مطلق آنے کا ذکر ہے تو اس کی دلالت ہر آنے والے یعنی ہر فرد پر نہیں ہے اس لئے کہ یہاں آنے کا ذکر شرط کی ضمن میں ہے لہذا وہ آنے والے تمام افراد پر صادق ہوگا جس سے بھی آنا ثابت ہوگا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تو تواب ورحیم ثابت ہوگا۔

دوسری دلیل..... زیارت کے تقرب ہونے کا سنت سے ثبوت:

زیارت کا قربت ہونا سنت سے بھی ثابت ہے کیونکہ حدیث مبارکہ " من زار قبري وجبت له شفاعتي " یہ عام ہے خواہ زیارت کرنے والا قریب مقام سے آیا ہو یا دور سے، خواہ سفر کر کے آیا ہو یا بغیر سفر کے، سب عموم میں داخل ہیں۔ خاص طور پر اس حدیث کے پیش نظر جس کی ابن السکن نے تصحیح بھی کی ہے " من جاء ني زائراً لا تعمله حاجة الّا زيارتي " اس سے تو بظاہر سفر کر کے آنے والا مراد ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے

ہیں کہ اس حدیث میں اس آنے والے کا ذکر ہے جو حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد قبر انور پر حاضر ہوا ہے یا عموم کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مقصود ہی بعد از وصال آنے والے کے لئے بشارت دینا ہے۔

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کی تیسری دلیل:

سنت ہی سے ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں زیارت کی تصریح ہے اور زیارت کا لفظ چاہتا ہے کہ زیارت کرنے والا اپنی جگہ سے منتقل ہو کر اس شخص کے پاس پہنچا ہے جس کی اس کو زیارت کرنی ہے جیسا کہ لفظ " جاء وك " (وہ تیرے پاس آتے) جو آیت میں مذکور ہے، وہ چل کر آنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بہر حال اس زیارت کے معنی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نذر قل ہونا پایا جاتا ہے۔ جو شخص کسی شخص کے پاس مستقلا رہتا ہو اس کی ملاقات کو زیارت نہیں کہتے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ سے فلاں کی زیارت کے لیے آیا۔ اور اسی طرح کہتے ہیں کہ ہم نے مصر سے یا شام سے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ پس زیارت کا آغاز اس مقام سے ہوگا جہاں سے کوئی آرہا ہوگا۔ پس جب ایسی زیارت قربت ہوگی تو اس کے لئے سفر بھی قربت ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا مدینہ سے باہر زیارت قبور کے لئے جانا ثابت ہے جبکہ قریب جگہ کی طرف نکلنا جائز ہے تو دور جگہ کی طرف جانا بھی جائز ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ سے باہر بقیع میں زیارت قبور کے لئے تشریف لے گئے۔

حضور اکرم ﷺ خود شہدائے احد کی قبور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔" ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے نکلے یہاں تک کہ ---------

راوی کہتے ہیں ہم نیعرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اصحاب کی قبور ہیں۔ اور جب ہم شہداء کی قبروں پر آئے تو فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ جب غیر النبی کی قبر کی زیارت کے لئے نکلنا جائز ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور نکلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

چوتھی دلیل....اجماع امّت سے ثبوت:

چوتھی دلیل سلف وخلف کا اجماع اور اتفاق ہے۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر ہمیشہ سے ہر سال حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جاتے ہیں اور بہت سے لوگ حج سے پہلے زیارت کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے اور ہمارے بڑوں نے دیکھا ہے اور علماء پرانے زمانے سے یہ بات نقل کرتے چلے آئے ہیں جیسا کہ ہم نے تیسرے باب میں بتایا ہے اور یہ ایسا یقینی معاملہ ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ سب لوگ مدینہ پہنچنے کا قصد کرتے ہیں خواہ ان کا حج کا راستہ ادھر سے گزرتا ہو یا نہ گزرتا ہو اس مقصد کے لئے بڑی مسافت طے کرتے ہیں رقم خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقیں برداشت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خلف وسلف کا اجماع اور اتفاق جن میں علماء اور صلحاء داخل ہیں ناممکن ہے کہ کسی غلط بات پر ہو سکے۔ سب کا مقصد اس فعل سے تقرب الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا اس کو انتہائی رنج وقلق ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ امت کا یہ اجماع غلط بات پر ہے تو وہ خود خطا کار ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے اس لئے کہ اکثر مصنفین مناسک کی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی میں جانے کی اور وہاں نماز پڑھنے کی بھی نیت کر لے۔ منکرینِ زیارت بھی در اصل زیارت کے منکر نہیں ہیں بلکہ زیارت مستحبہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ مسجد کا بھی قصد کر لے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں یہ بحث کہ لوگ مدینہ منورہ کے سفر میں کس چیز

کا قصد کرتے ہیں؟ منصف مزاج آدمی اگر اس پر غور کرے گا اور لوگوں سے معلومات حاصل کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگ جب مدینہ منورہ کا قصد کرتے ہیں تو وہ زیارت کا قصد کرتے ہیں اور راستہ طے کرتے ہوئے ان کے دل میں زیارت کے علاوہ ثواب کی دیگر باتوں کا خیال تک بھی نہیں آتا ہے ان کی بڑی غرض زیارت ہوتی ہے۔ اگر وہاں زیارت کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ وہاں کا سفر نہ کرتے۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کا سفر بہت کم کرتے ہیں اگرچہ وہاں بھی نماز کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ جانے کا اصلی مقصد زیارت ہے جس طرح مکہ معظمہ جانے کا اصلی مقصد حج اور عمرہ ہے۔ اب اگر سائل کو ہمارے بیان میں کوئی شک ہے تو وہ جانے والوں سے تحقیق کر لے۔

باقی رہا مناسک حج کے بارے میں کتب لکھنے والوں کا طریقہ جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے زیارت کے لئے مسجد نبوی کے قصد کو بمنزلہ شرط کے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ زیارت کی قربت کے ساتھ دوسری قربتیں بھی حاصل کر لی جائیں۔ مسجد نبوی کے قصد کی قربت بھی حاصل کر لی جائے اور دیگر قربات مثلاً شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کا ثواب بھی حاصل کر لیا جائے۔ مصنفین نے اس خیال سے تنبیہ کی ہے کہ کہیں زیارت کو جانے والا دیگر قربات کی نیت کو زیارت کے اجر کی کمی کا سبب نہ سمجھ بیٹھے۔ اسی وجہ سے ابو عمرو ابن الصلاح نے تصریح کی ہے کہ دیگر قربات کا قصد زیارت کے ثواب میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ مسجد نبوی کا قصد زیارت کے قصد کے لئے بمنزلہ شرط بیان کیا گیا ہے تو اس کی غلطی ہے۔

پانچویں دلیل..... قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے:

پانچویں دلیل یہ ہے کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے۔ شریعت کے قواعد سب اس کے شاہد ہیں کہ وسائل کا اعتبار، مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے اور تمہارے درجات بلند کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا: ''ناپسندیدگی کی حالت میں وضو کو مکمل طریقہ پر کرنا۔ مسجد کی

طرف زیادہ قدم چلنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارے لئے سرحد کی حفاظت کی طرح ہے'' اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ زیادہ قدم چلنے کو جو شرف حاصل ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ عبادت کا وسیلہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص نے وضو کیا اور بہت اچھے طریقے سے وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف نکلا اور اس کو کوئی چیز نہیں نکالتی سوائے نماز کے، وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک غلطی معاف کر دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا'' نماز کا بڑا اجر اس شخص کے لئے ہے جو دور سے چل کر آئے'' اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح روایت ہے کہ'' ایک شخص نے کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے نامہ اعمال میں مسجد تک چل کر آنے کا اور جب میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاؤں تو چل کر جانے کا اجر لکھا جائے۔ تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے یہ سارا کچھ جمع کر لیا۔'' اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے دور تھے اور ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے وہ گھر بیچ کر مسجد کے قریب گھر بنائیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا اور فرمایا: '' بے شک تمہارے لیے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ ہے۔'' اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: '' جس شخص نے گھر میں وضو کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں فرض ادا کرے تو اس کے ہر دو قدموں میں سے ایک قدم اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور دوسرا اس کا ایک رتبہ بلند کر دیتا ہے۔'' اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے اللہ تعالیٰ

اس کے لئے جب بھی وہ صبح و شام گیا، مہمان نوازی کا کھانا تیار فرما دیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کو وہی ثواب ملتا ہے جو احرام باندھے ہوئے حاجی کو اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے نکلتا ہے اور اس نے یہ مشقت صرف اسی کام کے لیے کی تو اس کو عمرہ کرنے والے کا سا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجدوں میں آتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت دے دو۔'' اس حدیث کو امام ابو داود، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''یہی لوگ رحمت میں غوطہ لگانے والے ہیں۔''

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے غسل کیا اور خوب غسل کیا اور صبح کو روانہ ہوا اور خوب صبح کو روانہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی بیہودہ کام نہیں کیا اس کو ہر قدم پر ایک سال کے قیام و صیام کا ثواب ملے گا۔'' اس حدیث کو امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پیدل چلا، سوار نہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے مریض بھائی کی مزاج پرسی کے لئے چلا وہ جنت کی منزل میں چلا اور وہ جب وہاں جا کر بیٹھتا ہے تو رحمت خداوندی اس کو ڈھانپ لیتی ہے'' حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی مریض کی مزاج پرسی کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے: ''تو پاکیزہ بن گیا اور تیرا چلنا پاک بنا اور تو نے جنت کی منزل میں اپنا ٹھکانا بنا لیا'' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

یہ تمام احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہے۔ اس امر میں اختلاف کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے جب شریعت اسلامیہ ایسی باتوں سے بھری

ہوئی ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

" من يخرج من بيته مهاجراً الى الله و رسوله ثمّ يدركه الموت فقد وقع أجره على الله " [النساء: ۱۰۰]

اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا"

یہ آیت ہمارے موقف کی بہترین دلیل ہے کیونکہ زیارت رسول ﷺ کے لئے جو شخص گھر سے مسافر بن کر نکلا وہ ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مہاجر ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

" یہ (حکم) اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس (بھی) لگتی ہے اور جو مشقت (بھی) پہنچتی ہے۔ اور جو بھوک (بھی) لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جہاں کا چلنا کافروں کو غضبناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ بھی پاتے ہیں (خواہ قتل اور زخم ہو یا مال غنیمت وغیرہ) مگر یہ کہ ہر ایک بات کے بدلہ میں ان کے لیے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لیے (یہ سب صرف وسفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (التوبہ، ۱۲۰: ۱۲۱)

اس آیت میں جس قدر باتیں ہیں وہ ساری ان کے نامہ اعمال میں لکھ دی گئیں اور ان کا اجر ان کے لئے مقرر کر دیا گیا کیونکہ یہ ساری چیزیں جہاد کا وسیلہ تھیں بلکہ جہاد کی جو شرف حاصل ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اصولین نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے جو شخص دور سے آ کر حج کرے

گا اس کا حج مکی کے حج سے افضل ہے اور حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے'' برداشت کرنے والے میری وجہ سے جو کچھ برداشت کرتے ہیں وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں جو شخص کسی قربت کے لئے کسی جائز چیز کو وسیلہ بنائے جس میں مشقت ہو جیسے سفر، تو وہ اس مشقت کو اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرتا ہے۔ لہذا اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کی اس کوشش میں اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے گا۔ کسی قربت کا وسیلہ اگر جائز کام ہے اور اس میں مشقت بھی نہیں ہے جبکہ وہ وسیلہ ہے تو عمل کرنے والے کو اس کا بھی اجر ملے گا۔ مثلاً کوئی شخص سوتا ہے تا کہ تہجد کی نماز کی اس میں طاقت آجائے تو اس نیند کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ اسی لئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے'' مجھے تو اپنی نیند میں بھی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اسی طرح امید ہے جس طرح تہجد کی نماز میں۔''

علماء نے اس قسم کے ثواب کے بارے میں بحث کی ہے کہ وہ نیت پر ہے یا عمل پر۔ اور صحیح یہی ہے کہ عمل پر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان بھی یہی بتاتا ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو خرچہ بھی کرے حتی کہ جو لقمہ بھی تو اپنی بیوی کے منہ میں دے گا اور اس سے تیرا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو اس سے تیرا رتبہ بڑھے گا۔'' اسی طرح ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔'' وہ اپنی شہوت حلال جگہ سے پوری کر رہا ہے تو اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔''

عبادات کی اقسام

عبادات چار قسم کی ہیں:

۱۔ وہ عبادت جن کی وضع ہی عبادت کے طور پر ہے جیسا کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ جب یہ صحیح طور پر ادا کر دی جائیں تو وہ لامحالہ قربت ہوں گی۔ ان کا وجود شرعی اعتبار سے قربت کے سوا نہیں ہوسکتا۔

۲۔ دوسری قسم وہ عبادات ہیں جن کو شرع نے مکارم اخلاق کی وجہ سے لازم کیا ہے۔ جیسے سلام کو فروغ دینا۔ اور ان کے لزوم کا سبب مختلف مصالح ہیں۔ اور یہی شارع کا مقصود ہے۔ اگر یہ امر خداوندی کے تحت وجود میں لائی جائیں تو قربت ہیں اور اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر باقی مباحات کی طرح ہیں۔

۳۔ تیسری قسم میں وہ عبادات شامل ہیں جو مستقلا تو عبادت نہیں مگر یہ کسی امر خیر تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جیسے کہ چلنا۔ ان کا حکم بھی وہی ہوگا جس مقصود کے یہ تابع ہوں گی۔ اگر مقصد حرام ہے تو اس کے لئے چلنا بھی حرام ہوگا اور اگر مقصد مباح ہے تو اس کے لئے چلنا بھی مباح ہوگا اور اگر مقصد قربت ہے تو اس کے لئے چلنا بھی قربت ہوگا۔ اگر ان کا وجود بے مقصد ہے تو وہ عبث ہیں۔ اس قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ان کا مقصود قربت ہو تو یہ بھی قربت ہوں گی۔

۴۔ اس سے مراد وہ عبادات ہیں جو وضع کے اعتبار سے مباح ہیں اور مقصود مصالح دنیا حاصل کرنا ہے جیسا کہ کھانا، پینا، سونا جسمانی مصلحت کے لئے اب یہ بغیر کسی نیت کئے جائیں یا دنیوی غرض سے کی جائیں تو مباح ہیں اور اگر دینی مصلحت سے کی جائیں تو موجب اجر ہیں۔ ان کا اجر نیت پر ہے یا ایسے عمل پر ہے جو نیت کے ساتھ ہو۔ دوسری رائے زیادہ بہتر ہے۔

ان باتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے سفر زیارت کے قصد سے زیارت کے وسیلہ سے تو زیارت کی طرح وہ بھی قربت ہوگا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ زیارت قربت ضرور ہے لیکن قریب شخص کے لئے ہے نہ کہ دور سے آنے والے کے لئے تو ایسی صورت میں سفر قربت نہ ہوگا۔ اس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت بہر حال قربت ہے۔ قریب کے لئے بھی اور دور سے آنے والے کے لئے بھی۔ زیارت کے مطلق دلائل کو قریب کے لئے خاص کرنا غلطی اور

خطا ہے۔

اعتراض کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز مطلقاً قربت ہے اور اس کے لئے سفر قربت نہیں ہے بجز تین مسجدوں کے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کوئی چیز قربت ہوتی ہے مگر اس کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے سے وہ قربت نہیں رہتی۔ پس مطلق نماز قربت ہے اور تین مسجدوں کے علاوہ کسی معین مسجد کی نماز چونکہ قربت نہیں ہے لہذا اس کے لئے سفر کرنا بھی قربت نہ ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ اس اصول کے مطابق تو نذر ماننا قربت ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک وسیلہ ہے جو ایک نفلی عبادت کو واجب بنا دیتا ہے اور واجب نفل سے افضل ہے۔ حالانکہ نذر کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے نذر ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے: ”وہ خیر کا سبب نہیں ہے بلکہ بخیل سے مال خرچ کرانے کی ایک تدبیر ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ نفل کو واجب بنانا قربت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں اندیشہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ یہ نفل نہ ادا کر سکا تو گناہگار ہوگا اور اس نفل کی ادائیگی بغیر اس نذر کے بھی ہو سکتی ہے تو نذر سے اس نے ایک خطرہ مول لیا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ قربت کے وسیلہ کو قربت قرار دیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس مطلوب تک پہنچا دینے والا ہے لیکن کبھی اس میں ایسا عارضہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس کو مکروہ بنا دیتا ہے جیسا کہ کوئی غصب شدہ زمین پر چل کر مسجد میں جائے تو یہ چل کر جانا اس عارضہ کی وجہ سے قربت نہ رہے گا کہ وہ غصب کردہ زمین پر چلا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کیسے یقینی ہے جبکہ اصولیین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی چیز پر امر، اس کے موقوف علیہ پر بھی امر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اسی وجہ سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ مستحب چیز کا وسیلہ بھی مستحب ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بتا دینگے کہ کسی فعل کا قربت ہونا اعم ہے اس سے

کہ وہ فعل مأمور بہ ہو اور ہم پہلے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ یہ سفر مستحبًا مأمور بہ ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مامور بہ کی تکمیل جس چیز پر موقوف ہو وہ منقسم ہے اس چیز کی طرف جو اس کے وجود کے لئے شرط ہے اور اس چیز کی طرف جو اس کے وجود کے علم کے لئے شرط ہے جیسا کہ سر کے جز کا دھونا چہرے کے دھونے کے علم کے لئے۔ اور اختلاف دوسری قسم میں زیادہ سخت ہے اور ہماری بحث اس سے نہیں ہے۔

قسم اول یعنی یہ مسئلہ کہ کیا وہ شے جو مأمور بہ کے لیے شرط یا سبب ہوتی ہے۔ جس طرح کے مسئلہ میں ہم ہیں اس بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ مأمور بہ واجب ہوتا ہے مقصد کے وجوب کے لیے۔ اس بارے میں اصولیین کے دو گروہوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ صرف شرط میں مخالف ہے سبب میں نہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ شرط اور سبب دونوں میں مخالف ہے۔

اشکال:

کیا تم یہ کہتے ہو کہ زیارت کے لئے ہر سفر مستحب ہے یا یہ کہتے ہو کہ مطلق سفر مستحب ہے؟

جواب:

اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ماہیت کلیہ پر امر اس کی کسی جزئی پر نہیں ہوتا لیکن جزئیات میں سے کوئی جزئی غیر معین مامور بہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کلی پر عمل اس کے بغیر ممکن نہیں اور مخاطب کو کسی جزئی کے اختیار کرنے کا حق ہے۔ اب جب کہ وہ کسی معین جزئی پر عمل کرے گا وہ امر کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اس نے مامور بہ پر عمل کر لیا ہے۔ تو ہر وہ سفر جو زیارت کے ارادے سے ہو اور اس کے ساتھ کسی حرام یا مکروہ کا تعلق نہ ہو تو وہ قربت ہوگا کیونکہ وہ ایک قربت تک پہنچانے والا ہے اور اس کے ذریعہ مامور بہ سفر ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اس جزئی کے

ضمن میں حاصل ہو گیا۔

آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معین سفر مامور بہ ہے اس لئے کہ امر کا تعلق تو کلی سے ہے اور یہ جزئی ہے لیکن اس کو قربت قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کے ذریعہ قربت کا ارادہ کیا ہے اور یہ اس کا وسیلہ ہے۔ پس قربت کلی اور جزئی دونوں پر صادق آتا ہے اور طلب کا تعلق کلی سے ہے اور معین سفر زیارت کا وسیلہ ہے اور اس میں شرط نہیں ہے۔ مطلق سفر زیارت کے لیے وسیلہ اور شرط ہے اور مطلق سفر شرط ہے اور کبھی اس سے توسل کا ارادہ نہیں ہوتا تو اس کو وسیلہ نہیں کہا جاتا۔

ازالہء اشکال:

اب اگر تم یہ کہو کہ مقدمہ وسیلہ ہے یا غیر وسیلہ؟ تو میں کہوں گا کہ مقدمہ وہ ہوتا ہے جس پر شی موقوف ہو اور آپ نے اس میں اصولیوں کا اختلاف جان لیا ہے کہ اس شے کے وجوب سے مقدمہ کا وجوب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں اس سے بحث نہیں کہ وہ قربت ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ جو موقوف علیہ ہوتا ہے کبھی اس میں قربت کی نیت کر لی جاتی ہے تو وہ قربت بن جاتا ہے ورنہ وہ قربت نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص مکہ کا سفر کسی برے کام کے لئے کرے پھر حج کرے تو اس کا سفر قربت نہ ہوگا لیکن اس سے امر کا سقوط ہو جائے گا چونکہ وہ سبب اس کے وجوب کا مقتضی تھا وہ زائل ہو گیا۔

وسیلہ کی وضاحت:

وسیلہ کے بارے میں جوہری نے لکھا ہے۔" وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے اس کی جمع وسل اور وسائل ہے۔ اور توسیل (باب تفعیل) اور توسّل (باب تفعّل) کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور جب کسی شخص نے کسی نیک عمل کے ذریعے تقرب حاصل کیا تو کہا جاتا ہے: وسّل فلان الی ربه وسيلةً و توسّل اليه بوسيلة (فلاں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کیا۔) جوہری کا کلام ختم ہو گیا۔

تو جب مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق کیا جائے وہ اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے ذریعہ تقرب حاصل ہوا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ موقوف علیہ ہے بلکہ کبھی مقصد معین وسیلہ پر موقوف ہوتا ہے۔ پس اس کے وجوب میں بھی پہلے والا اختلاف ہوگا۔ اور کبھی مقصد بعینہ اس پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ اس سے پر موقوف ہوتا ہے جو اس سے اعم ہو اور بندہ اس کو وسیلے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اور کبھی مقصد اصلاً نفس الامر میں اس پر موقوف نہیں ہوتا لیکن بندہ اس کا قصد کرتا ہے یا اس کے موقوف ہونے کا اس کو وہم ہوتا ہے یا اس کے دل میں آتا ہے کہ یہ اس پر موقوف ہے لیکن دوسرے کے دل میں ایسا خیال نہیں آتا۔ پس ان تمام صورتوں میں اسے وسیلہ اور قربت کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں اصولیین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پس مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ تقرب کی نیت نہ کی ہو اور اگر تقرب کی نیت نہ کی تو اس کو وسیلہ مجازاً کہا جاتا ہے اور اصولیوں کے نزدیک مقدمہ سے مراد موقوف علیہ ہوتا ہے خواہ اس میں پہنچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو تو ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مقدمہ وسیلہ کے مترادف ہے تو پھر بلا شبہ وہ قربت نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ذریعہ کسی قربت کے تقرب ہونے کا قصد نہ کیا جائے۔ تو ہمارا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی عمل کا قربت ہونا اس کے واجب اور مستحب ہونے کے علاوہ ہے اس لئے ایجاب یا ندب کا حکم ماہیت کلیہ پر ہوا ہے اور جو چیز خارج میں متشخص ہے تو طلب خاص طور پر اس سے متعلق نہیں ہےپس اس پر خصوصاً حکم نہ ہوگا کہ یہ واجب ہے۔ ہاں وہ اپنے ضمن میں واجب تک پہنچا دینے والی ہے۔ کسی شے پر قربت ہونے کا حکم لگانا کبھی تو یہ اس شے کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور یہ ایسی شے ہوگی جس کو وضع ہی قربت کے لیے کیا گیا ہے۔ پس یہ قربت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس اعتبار سے قربت ہوتی ہے کہ اس سے تقرب کا قصد کیا جاتا ہے۔ پس فعل کے متشخص ہو جانے کے بعد اس پر حکم لگایا جائے گا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو اب سمجھو یہاں چند اعتبارات ہیں ایک مطلق سفر ہے دوسرے مدینہ کا سفر ہے۔ تیسرے مدینہ کا سفر قربت کی نیت سے کرنا ہے۔ تو پہلی دو قسمیں نہ مطلوب ہیں نہ قربت ہیں اپنے طور پر۔ تیسری قسم مطلوب اور قربت ہے۔ قربت کے تفاوت سے اس کے مراتب مختلف ہیں اس لیے کہ کبھی تو مقصد صرف زیارت ہوتی ہے اور کبھی اس کے ساتھ دوسری قربتوں کی نیت ہوتی ہے جیسے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا شہدائے احد کی زیارت کرنا اور کبھی ان کا مجموعہ ہوتا ہے یا ان میں قدر مشترک اور وہ مطلق قربت ہے۔ اور یہ چاروں صورتیں قربت کی ہیں کیونکہ مدینہ کا سفر قربت اس لئے نہیں ہے کہ وہ مطلق سفر ہے یا مدینہ کا سفر ہے۔ بلکہ اس بنیاد پر قربت بنا ہے کہ قربت کا قصد کیا ہے تو اب جہاں کہیں قربت کا قصد ہو قربت ثابت ہو جائے گی۔ چاروں میں سے ہر ایک پر قربت کا حکم لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ بطور کلی کے ہو یا مشخص جزئی کے ہو۔ لیکن اس کے مطلوب یا مستحب ہونے کا حکم بخصوصہ وہ ان میں سے کسی مشخص پر نہیں ہے اس کا تعلق ان میں سے کسی ایک غیر متعین پر ہے اور جب اس کا وجود ہو جائے گا تو وہ قربت ہوگا اور مامور بہ اس کے ضمن میں ادا ہو جائے گا۔

اب اگر تم یہ کہو کہ سفر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس میں مسافر نے زیارت کے ساتھ کسی دوسری عبادت کا بھی قصد کر لیا ہو۔ جیسا کہ مسجد نبوی میں نماز یا اعتکاف تو اس کے قربت ہونے میں تو اشکال نہیں ہے اور دوسری صورت سفر کی یہ ہے کہ محض زیارت کی نیت ہو۔ یہ صورت اور جس سفر میں کوئی نیت ہی نہ ہو اختلاف اور بحث اس صورت میں ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، اس میں ہمیں اعتراض ہے۔ اس لئے کہ کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اخص پر بھی موقوف ہو اور وہ شخص جو دور ہے اس کی زیارت تو مذکور تینوں قسموں پر موقوف ہے نہ کہ صرف قسم ثانی پر تاکہ تمہارا دعویٰ مکمل ہو سکے۔

میں کہتا ہوں یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر تم اس بات کے قائل

ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے تو نہ اس استدلال کی ضرورت ہے نہ تقسیم کی۔ اور اگر تم یہ کہو کہ قربت کا وسیلہ قربت نہیں ہوتا تو تمہارے پاس ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر تم پر یہ لازم ہوگا کہ زیارت کے سفر کے ساتھ اور کسی قربت کی نیت کر لی جائے تو بھی وہ سفر قربت نہ ہو اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے تو جب ثابت ہو چکا کہ زیارت قربت ہے تو سفر کے بارے میں کیا اعتراض ہے۔؟ اور تمہارا یہ استدلال کہ ''کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اخص پر بھی موقوف ہو'' بہت عجیب ہے۔ کیونکہ اگر تم وسیلہ کی یہ تعریف کرو کہ جو مقصود سے تقرب کی نیت سے کیا جائے، تو اس صورت میں ہر وہ سفر زیارت جس میں کسی دوسری قربت کی نیت کی گئی ہو اور ایسا سفر جس میں محض زیارت کا قصد کیا گیا ہو یہ قربت ہوں گے کیونکہ ان کے ذریعے قربت تک پہنچنے کا قصد کیا گیا ہے۔ پس واجب ہوگا کہ یہ قربت ہوں خواہ زیارت بعینہ موقوف ہو یا نہ ہو۔ پس ان دو قسموں میں فرق کرنا باطل ہوگا۔

اگر آپ وسیلہ کی یہ وضاحت کریں کہ جس پر مقصود موقوف ہوتا ہے جس طرح آپ کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے۔ اگر آپ اس کے ساتھ قربت کے قصد کی شرط لگاتے ہیں اور قربت کی علت کو یہ قصد بناتے ہیں تو وہ دونوں قسموں میں موجود ہے۔ اور اگر علت کو موقوف بناتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یہ اعم پر موقوف ہے اخص پر موقوف نہیں تو آپ پر لازم ہوگا کہ آپ کہیں '' قربت دونوں سفروں سے اعم ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا خصوص قربت نہیں۔'' پس آپ کا دونوں قسموں میں فرق کرنا اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اس کو مجرد لیں تو یہ باطل ہے کیونکہ مطلق سفر اس میں داخل ہے اور کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ یہ قربت ہے۔ بے شک سفر صرف سفر ہونے کے اعتبار سے یہ مباح ہے اور یہ قربت کے قصد سے قربت بنتا ہے پس جب علت حاصل ہو جائے گی تو معلول بھی حاصل ہو جائے گا اور اگر علت نہ پائی جائے تو معلول نہیں پایا جاتا۔ پس ایک قربت اور دوسری قربت میں آپ کا فرق کرنا اس کا کوئی سبب نہیں۔

پس اس تمام بحث کے بعد کہ زیارتِ بارگاہ نبوی ﷺ قربت ہے اور قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، یہ ثابت ہو گیا کہ زیارت کے لیے سفر قربت ہے خواہ اس کے ساتھ کسی دوسری قربت کو شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اور اس میں شک کرنا سابقہ ثابت شدہ باتوں میں شک کرنا ہے۔ اور یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ یوں کہیں کہ "صرف زیارت کے لیے سفر یہ لاتشدّ الرحال کی نہی کے زمرے میں آتا ہے۔" زیارت کے لیے سفر اور مسجد کے لیے سفر یہ مسجد کے لیے سفر ہے اور یہ حدیث کے تحت مباح ہے کیونکہ ہم حدیث کا معنی بیان کریں گے اور یہ نہی زیارت کے لیے نہیں آئی۔

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ زیارت کے لیے سفر ممنوع ہے تو زیارت اور مسجد نبوی کے لیے سفر یہ بھی ممنوع ہونا چاہیے کیونکہ ایک سفر ممنوع ہے اور دوسرا مباح۔ اور اس کی وجہ سے آپ کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے۔

اور دونوں مقاصد سے عاری سفر اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً وہ سفر قربت کا ہو مگر زیارت کے علاوہ کسی اور قربت کے لیے ہو اور سفر مباح اور ان دونوں حالتوں کے علاوہ سفر، مگر ہمیں ان سے غرض نہیں۔ مگر سفر کی اقسام میں سے قسم ثانی میں آپ کا نماز میں قصر کرنے کے بارے میں قول۔ اس عبارت میں دو احتمالات ہیں۔

زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی دوسری قربت مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ کا قصد نہ ہو۔ اور کسی عقلمند سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسی نیت کرے گا۔ اور یہاں اس صورت کا معاملہ زیرِ بحث نہیں۔ لوگ اس صورت میں سوال کرتے ہیں جو پیش آتی ہے۔ اور اس کا حکم کیا ہے؟ پھر ہم کہتے ہیں اگر فرض کر لیا جائے

دوسرا معاملہ یہ ہے کہ زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ذہن میں کوئی اور معاملہ نہ ہو نہ کسی اور امر کی نیت کی ہو نہ اس کی نفی ہو۔ پس اس صورت کے قربت ہونے میں کوئی تامل نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ زیارت قرب ہے لہٰذا اس کا وسیلہ بھی قربت ہو گا۔ اور ظاہر ہے سوال کرنے والے کا تعلق دوسری صورت سے ہے کہ اس کا حکم کیا

ہے؟ اور اس میں مخالف کا مدعا یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ کسی دوسرے فعل کو بھی شامل کر لیا جائے تا کہ یہ سفر مستحب ہو جائے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ معترض کے نزدیک زیارت تب مستحب ہو گی جب زائر زیارت بارگاہ نبوی کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے گا۔ اور اس کلام کا تقاضا یہ ہوا کہ اگر وہ کسی دوسری چیز کی زیارت کی نیت نہیں کرتا تو اس کا یہ سفر تقرب نہیں ہو گا خواہ وہ اس دوسرے فعل کی زیارت کی نیت کرے یا نہیں۔

ساتواں باب

مخالف کے شبہات کا رد

فصل اوّل

شبہات کا بیان

پہلا شبہ...... حدیث کے معنٰی کی تعیین میں غلطی:

"لا تشدّ الرحال" اس حدیث کا معنٰی سمجھنے میں مخالف کو یہ وہم ہوگیا کہ یہ حدیث زیارت کے سفر کی مخالفت کیلئے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ہم اوّلاً حدیث کے الفاظ ذکر تے ہیں ۔ پھر ان شاء اللہ تعالی اس کے معانی بتائیں گے یہ حدیث متفق علیہ صحیح ہے اور اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے مشہور الفاظ یہ ہیں۔

"لا تشدّ الرحال الّا الی ثلاث مساجد: مسجدی هذا و مسجد الحرام، و مسجد الاقصیٰ" (رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف میری یہ مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف)

ان الفاظ کے ساتھ سفیان ابن عیینہ نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے ۔معمر نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے "تشدّ الرحال الی ثلاثة مساجد" اور اس میں حصر نہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں۔

عن أبی هریرة أنّ رسول الله ﷺ قال : انّما یسافر الی ثلاثة مساجد مسجد الكعبة، و مسجدی، و مسجد ایلیاء

(مسلم، الصحیح، ۲: ۱۰۱۵، كتاب الحج، رقم: ۱۳۹۷)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (زیادہ

ثواب کے حصول کی نیت سے) صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے:
مسجد کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس)

ان تینوں روایتوں کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فضل المدینۃ" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے۔" **لا تشدّ الرحال الا الی ثلاثة مساجد: مسجدی هذا والمسجد الحرام، والمسجد الاقصیٰ**" حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔" **انّما تشدّ الرحال الی ثلاثة مساجد : مسجد ابراهیم و مسجد محمّد و مسجد بیت المقدس**" (رخت سفر صرف تین مساجد کی جانب ہی باندھا جائے: مسجد ابراہیم، مسجد محمد اور مسجد بیت المقدس)

اس روایت کو اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ بھی کے آئے ہیں۔" **لا تشدّ الرحال الّا الی ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، و مسجد المدینة ومسجد بیت المقدس**"

اب ہم اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور اس کی تقدیر یہ ہوگی۔" کسی مسجد کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی جانب۔ یا تقدیر یہ ہوگی رخت سفر نہ باندھا جائے کسی مکان کی طرف مگر تین مساجد کی طرف۔"

یہ دونوں تقدیریں ضروری ہیں تاکہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جائے اور ان دونوں تقدیروں میں پہلی تقدیر یعنی مسجد کی تقدیر زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ مسجد مساجد کی جنس قریب ہے اور اس میں زیادہ تخصیصات بھی نہیں کرنی پڑیں گی۔

سفر میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ چیز جو سفر کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جیسے حج یا جہاد یا طلب علم یا والدین کی زیارت یا ہجرت وغیرہ۔

دوسری چیز وہ مکان ہوتا ہے جو سفر کا اختتام ہوتا ہے جیسے مکہ المکرمہ یا مدینہ

منورہ یا بیت المقدس یا اور کوئی جگہ خواہ کوئی غرض ہو۔ اب اس امر میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفات کے میدان کیلئے رخت سفر باندھنا حج کے افعال کیلئے واجب ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے حالانکہ وہ تین مساجد میں داخل نہیں ہے۔ ایک الگ مقام ہے۔ اسی طرح طلب علم کے لیے سفر کرنا اور رخت سفر باندھنا بالاجماع جائز ہے خواہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کوئی مکان ہو۔ اور کسی مکان کا سفر کبھی مستحب کبھی واجب علی الکفایہ اور کبھی فرض عین ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاد کیلئے سفر اور خاص حالات میں بلاد کفر سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت، والدین کی زیارت کیلئے سفر اور بھائیوں کی ملاقات کیلئے اور تجارت وغیرہ ان سب امور کیلئے سفر بالاتفاق جائز ہے حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کیلئے سفر نہیں ہے۔

اصل معانی اس حدیث کے یہی ہیں کہ مساجد میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے یا مقامات اور مکانوں میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ اب دونوں تقدیروں پر اگر مساجد یا امکنہ غایتِ سفر ہیں اور باعث سفر کوئی اور چیز ہے مثلاً علم حاصل کرنا وغیرہ تو یہ سفر ہر مسجد اور ہر مکان کی طرف جائز ہوگا۔ تو حدیث کی یہ مراد نہیں ہوسکتی۔ پھر اس تقدیر پر قصدِ زیارت النبی ﷺ سے سفر کی غایت مسجد نبوی ہوگی اس لئے کہ وہ قبر شریف کے ساتھ ملحق ہے تو زیارت النبی ﷺ کیلئے سفر کی غایت تینوں مساجد میں ایک مسجد ہوئی اور اگر مساجد اور امکنہ کو علت سفر قرار دیا جائے تو علت کے معنی یہ ہوئے کہ ان مقامات کی تعظیم کی وجہ سے سفر کیا جارہا ہے اور ان میں داخل ہوکر تبرک حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ اس اعتبار سے ہوگا کہ سفر کرنے والا اس سرزمین کو دوسری سرزمینوں سے افضل قرار دے رہا ہے۔

سفر کی ممانعت کے اسباب:

خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی ممانعت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک تو یہ کہ غایت سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کوئی مقام ہو۔ اور دوسرے یہ کہ علت سفر اس مکان و

مقام کی تعظیم ہو تو اب زیارت نبی کے لئے سفر کی غایت مسجد نبوی ہے۔اور اس کی علت اس سرزمین میں مدفون کی تعظیم ہے نہ کہ اس مقام کی تو اس کو ممنوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہونے چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ غایت تینوں مساجد میں کوئی مسجد ہو۔ دوسرے یہ کہ عبادت مقصود ہو اگر چہ وہ سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کیلئے ہو؟ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے سفر میں دونوں باتیں جمع ہیں تو یہ سفر بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ اور وہ سفر جو ان اماکن کے علاوہ کیلئے ہو اور اس میں اس جگہ کی تعظیم مدنظر ہو وہ اس روایت کا مصداق ہوگا اور ممنوع ہوگا۔ اسی لئے روایت ہے کہ بعض تابعین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کوہ طور کی زیارت کے سفر کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے ممانعت کی یہی روایت پڑھی اور اس کو سفر سے روکا اور فرمایا ''کوہ طور کو چھوڑ وہاں نہ جا''

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کی شرعی حیثیت:

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کیلئے سفر کر کے جانے کے بارے میں فقہائے کرام نے کلام کیا ہے۔ امام الحرمین نے اسے شیخ ابو محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور بسا اوقات کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ سفر مکروہ ہے اور کبھی کہہ دیتے تھے حرام ہے۔ شیخ ابو علی نے فرمایا کہ یہ سفر نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ ہاں حضور ﷺ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قربت صرف مساجد ثلاثہ کے سفر میں ہے کسی دوسری مسجد کے لیے سفر کرنے میں کوئی قربت نہیں ہے۔ دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دیگر مسجد کے سفر میں اس مسجد و مکان کی تعظیم مقصود ہے تو پھر ابو محمد کا قول صحیح ہے اور اگر تعظیم مقصود نہیں ہے تو پھر شیخ ابو علی کے قول کو ترجیح ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہ سفر نذر مان کر کرے تو ممنوع ہے اور اگر نیک لوگوں کے نشانات دیکھنے کیلئے محض فضیلت کی بنیاد پر

سفر کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بغیر نذر کے مسجد قباء کا سفر فرماتے تھے۔ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی نذر کے بارے میں تین مذہب ہیں۔

۱۔ یہ درست نہیں ہے...... یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

۲۔ مطلقا جائز ہے...... یہ مذہب لیث ابن سعد کا ہے۔

۳۔ یہ نذر لازم ہوگی جبکہ رخت سفر باندھنا نہ ہو۔ جیسے کہ مسجد قباء۔...... یہ مذہب محمد بن سلمہ مالکی کا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص پیدل مسجد قباء جانے کی نذر مانے تو کیا یہ منت لازم ہوگی یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ لازم ہوجائے گی اور اس کو حکم دیا جائے کہ وہ پیدل جائے۔

عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الواضحہ میں لکھا ہے کہ یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے اس مسجد میں جانے کی نذر مانی جس میں وہ پانچ وقتی نماز یا جمعہ پڑھتا تھا۔ اور جو مساجد دور ہوں ان میں جانے کی نذر لازم نہ ہوگی نہ پیدل جانے کی نہ سوار ہوکر جانے کی۔ اسی طرح ابن وہب وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے مگر مساجد ثلاثہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر مسجد حرام کے بارے میں نذر مانی ہے خواہ پیدل جانے کی ہو یا سوار ہوکر جانے کی تو اس پر وہ نذر لازم ہوجائے گی۔ اور بقیہ دونوں مسجدوں کے بارے میں نذر لازم نہ ہوگی اور اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے سوار ہوکر جائے۔ یہ مسائل تو بعینہٖ کسی مکان کے قصد کے بارے میں یا ایسی عبادت کے قصد کے بارے میں ہیں جو دوسری جگہ بھی ادا ہوسکتی تھی لیکن بغیر نذر کے کسی غرض کی وجہ سے سفر کرنے کے بارے میں نہ تحریم کا قول ہے نہ کراہت کا۔

اعتراض:

اگر تو یہ کہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں " باب سفر المرأة مع محرم الی الحج " میں فرمایا ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ رخت سفر باندھنے اور

سفر کرنے کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ مثلاً نیک لوگوں کی قبروں پر جانے اور فضیلت والی جگہوں کے بارے میں ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد نے فرمایا: یہ سفر حرام ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مختار ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

جواب

ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب جو کہ امام الحرمین اور محققین نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہا ایسا سفر نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ حدیث میں نفی سے مراد یہ ہے کہ پوری فضیلت تین مساجد کے سفر میں ہے۔ واللہ اعلم۔

امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم کے علاوہ دوسری جگہ جو نقل کیا ہے اس میں نیک لوگوں کی قبروں کا ذکر نہیں ہے اس میں ان کا وہی مطلب ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ امام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام کے علاوہ کسی اور مسجد میں جانے کی نذر مانے تو علمائے کرام نے کہا ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی اس لئے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کا مقصد کوئی قربت نہیں ہے اور جو قربت اور عبادت مقصود نہ ہو تو اس کی نذر لازم نہیں ہوتی۔ اور میرے شیخ ان مساجد کے علاوہ کی طرف رخت سفر باندھنے کو منع کرتے تھے۔ اور اسی طرح رافعی نے کہا ہے کہ جب کسی نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف جانے کی نذر مانی تو اس کی نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح کی بات امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مہذب میں کہی ہے۔

صحیح اغراض کے لئے مساجد اور دیگر مقامات کی زیارت کے لئے جانا علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا، جہاد کیلئے سفر کرنا، اس کے بارے میں ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہیں کہا اور ان کی طرف ممانعت کو منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے ایسا کلام کیا بھی ہے تو وہ غلط ہے اور وہ شخص حدیث کے مقصود کو نہیں سمجھا لیکن الحمد للہ یہ واضح ہے کہ انہوں نے ایسا کلام نہیں کیا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بھی یہی تاویل کی ہے کہ حدیث میں الفاظ سے ان مقامات کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح قاضی

عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکمال میں کہا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول " لاتشد الرحال " میں ان مساجد کی تعظیم کا بیان ہے اور ان کی طرف خصوصیت سے سفر کرنے کا اشارہ ہے۔ اس لئے کہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور ان میں عبادت کرنے کی فضیلت ہے اور ان میں عبادت کا ثواب چند گنا ہے اور ان میں جانے کی نذر کا لزوم ہے بخلاف دیگر مساجد کے کہ ان کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے۔خواہ نذر مان کر سفر کرے یا بغیر نذر کے سفر کرے ہاں محمد بن مسلمہ نے مسجد قباء کو ان تینوں مساجد کے ساتھ ملحق کیا ہے۔قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں عام قبروں کی زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اس میں تو صرف مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کے سفر کی بات ہے۔

اعتراض

اگر تو یہ کہے کہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب المغنی" میں کہا ہے کہ اگر کوئی زیارت قبور کیلئے سفر کرے یا دیگر متبرک جگہوں کا سفر کرے تو اس کو سفر کی رخصتیں حاصل نہ ہونگی اس لئے کہ یہ سفر ممنوع ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لاتشد الرحال....الخ"

جواب

صحیح یہ ہے کہ یہ سفر مباح ہے اس میں سفر کی رخصتیں حاصل رہیں گی۔اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد قباء پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے اور قبور کی بھی زیارت کرتے تھے اور فرمایا۔'' ان قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں'' حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان "لاتشد الرحال" کا معنی یہ ہوگا کہ دیگر مساجد کے سفر میں فضیلت نہیں ہے نہ کہ ان کی طرف سفر حرام ہے۔ اور سفر کے مباح ہونے کے لیے فضیلت شرط نہیں ہے اور نہ قصر صلوۃ وغیرہ کیلئے فضیلت والا سفر شرط ہے۔ اور فضیلت کا نہ ہونا سفر کو حرام بھی نہیں کرتا۔

میں نے ابن قدامہ کے کلام کا مطالعہ کیا لیکن مجھے ابن عقیل کا یہ قول نہیں ملا۔ ممکن ہے ان کا یہ قول مزارات کے دیکھنے کے بارے میں ہو اور ہماری بحث محض میت کی زیارت کے قصد کے سفر سے ہے جس میں مکان مقصود نہ ہو مگر ان کا موضوع وہ قبریں ہیں جن پر مقبرے تعمیر کئے گئے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اس میں داخل نہیں کیونکہ جس جگہ وہ ہے اس کو مشہد (مقبرہ) نہیں کہا جاتا۔

اگر یہی کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف بھی کلام کے مدلول میں داخل ہے تو پھر قبر نبی کی تخصیص کرنا واجب ہو گا اور ان کے کلام کو قبر نبی کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا اور تخصیص کی دلیل وہ دلائل ہیں جو خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہیں اور اس کیلئے سفر پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر ابن عقیل نے ان دلائل کو معتبر نہ سمجھا ہو اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو بھی اپنے کلام کے مدلول میں شامل کرتے ہوں تو پھر ان کا قول یقیناً مردود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جواز کی تقریر اس بات پر مبنی ہوئی کہ سرزمین کا قصد نہ ہو بلکہ اس ذات کا قصد ہو جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو زیارت قبر نبی میں بھی سرزمین کا قصد ضرور ہے اس لئے کہ درود اور دعا تو دور سے بھی ہو سکتی تھی۔

اس کے بارے میں یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سرزمین کا قصد اس شخصیت کی وجہ سے ہے جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو ہم اس کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ ہاں صرف سرزمین کا قصد یا ایسی چیز کا قصد جس کی تعظیم شرعاً نہیں ہے وہ ممانعت میں داخل ہے۔ پھر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زیارت میں سرزمین کا قصد ضرور ہو بلکہ بسا اوقات سرزمین کا تصور بھی نہیں ہوتا محض اس شخصیت کا تصور ہوتا ہے جو اس کے اندر مدفون ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ زیارت کا مقصد دور سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے کہ مردے کے ساتھ بھی زندہ کا سا معاملہ ہوتا ہے۔

دیکھو جب حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی رات جنت البقیع تشریف لے گئے تو وہاں کافی دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار ہاتھ اٹھا کر دعائیں

مانگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ بقیع جا کر اہل بقیع کی مغفرت کی دعا کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو: ''اے اس آبادی کے ساکنو، مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلے جانے والوں اور بعد کے جانے والوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں۔'' اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

ذرا غور کریں! کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بقیع تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مغفرت کی دعا کی اور دور سے دعا کر دینے پر اکتفا نہ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہی فعل قبرستان جانے اور مُردوں کی زیارت کرنے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی اصل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتوں کو زیارت کیلئے قبرستان جانا ممنوع نہیں ہے ورنہ حضور نبی اکرم ﷺ بجائے دعا سکھانے کے، ممانعت فرما دیتے۔

کچھ لوگوں نے بعض علمائے بغداد کی طرف سے کچھ فتاویٰ مجھے لا کر دیئے نہ معلوم وہ من گھڑت فتاویٰ ہیں یا واقعی ایسے لوگوں کے ہیں جو نام نہاد علماء ہیں اور حقیقتاً جاہل ہیں۔

پہلا فتویٰ:

ان میں سب سے پہلا فتویٰ ایک مالکی کا ہے جس میں تحریر ہے کہ شیخ ابو محمد الجوینی نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اسی کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''اکمال'' میں اختیار کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کہنے والا اس نقل میں بالکل جھوٹا ہے کیونکہ نہ شیخ ابو محمد نے یہ کہا نہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے۔

دوسرا فتویٰ:

یہ فتویٰ ایک شافعی کا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ علماء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ زیارت قبور کوئی عبادت اور طاعت نہیں ہے۔

اگر سمجھ سے مراد اس کی اپنی سمجھ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں یہ اس کی سمجھ نہیں ہے بلکہ کج فہمی ہے۔ ہمارے نزدیک تو علمائے کرام اس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اس مفتی نے پھر یہ کہا جو شخص ان تین مساجد کے علاوہ سفر کرنے کے جواز کا اعتقاد رکھے یا وجوب کا یا مستحبات کا تو وہ صریح نہی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور نہی کی مخالفت گناہ ہے یا کفر ہے منہی عنہ کے اعتبار سے اور اس کے وجوب اور اس کی تحریم کے اعتبار سے۔ اس کلام کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے اس نے منہی عنہ کو واجب اور حرام کی طرف منقسم کیا ہے۔

تیسرا فتویٰ:

یہ فتویٰ بھی پہلے فتویٰ کی ہو بہو نقل ہے۔ چوتھا فتویٰ بھی اسی طرح کی خرافات کا مجموعہ ہے جس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مخالف نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہ کو صرف زیارت قبر نبی کے سفر سے اختلاف ہے نفس زیارت سے نہیں لیکن یہ وہم صحیح نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ سفر اور نفس زیارت دونوں کے منکر ہیں جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے۔ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ اس طریقہ پر زیارت ہی بدعت ہے اور یہ غیر اللہ کی تعظیم کی صورت ہے جو شرک کی طرف مفضی ہے اور جو چیز ایسی ہوگی وہ لامحالہ ممنوع ہوگی۔ چونکہ وہ سفر اور زیارت دونوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں اسی لئے جو احادیث زیارت کے سلسلہ کی ہیں ان کو ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی بات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان: " لاتتخذوا قبری عیداً " (میری قبر کو عید نہ بناؤ) اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان: ''یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے

اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو مسجدیں بنالیا'' سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ توحید کے تحفظ کے لیے ہے اور قبور پر مساجد بنانا یہ شرک ہے۔ یہ سب باتیں ان کے کلام میں مذکور ہیں۔

میں نے ان کے قلم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ بھی دیکھا ہے اس میں سے کچھ باتیں ذکر کرتا ہوں لکھا ہے: ''کسی قبر کے پاس عرفہ کے دن جا کر عرفہ منانا وہ تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ تو بدعت اور شرک ہے اس لئے کہ اصل سفر ہی قبور کی زیارت کیلئے جائز نہیں ہے اور کوئی عالم بھی اس کو مستحب نہیں کہتا۔ اسی لئے اگر اس کی کوئی نذر مانے تو اس پر وہ نذر لازم نہ ہوگی۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔''

اس کے بعد لکھا ہے کہ اسی وجہ سے کوئی صحابی اور کوئی تابعی فتح شام کے بعد یا فتح شام سے قبل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کیلئے نہیں گیا۔ نہ شام میں واقع دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کی زیارت کیلئے گیا نہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات قبروں کی زیارت کی۔ وہ حدیث جس میں معراج کے سلسلہ میں یہ مذکور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''یہ تمہارے باپ ابرہیم علیہ السلام کی قبر ہے اس کی زیارت کرو یہ تمہارے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ ہے یہاں اترو اور نماز پڑھو'' محض جھوٹ ہے جس میں سچائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے شام کی سکونت اختیار کی یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام پہنچے کبھی ان قبروں کی زیارت کیلئے نہیں گئے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے لکھا۔ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار کو نہ مسجد بنایا نہ مزار، وہ نہ غار حراء کی زیارت کرتے تھے نہ غار ثور کی۔ یہاں تک کہ قبر نبی کی زیارت کے بارے میں بھی حضور ﷺ کا کوئی لفظ ثابت نہیں ہے، آیت کے مطابق یہ حکم ثابت ہے: '' یاأیها الذین آمنوا صلّوا علیه و سلّموا تسلیماً '' [سورہ احزاب: ۵٦] (اے ایمان والو! ان پر خوب صلاۃ وسلام بھیجو۔)

پھر ابن تیمیہ نے لکھا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں

کوئی مشہد (مزار) نہ تھا جس کی زیارت کی جاتی ہو۔ نہ کسی نبی کی قبر پر نہ غیر نبی کی قبر پر۔ چہ جائے کہ اس کیلئے سفر کیا جاتا ہو۔ نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ مشرق میں۔ پھر لکھا۔ اسی وجہ سے قبروں کی زیارت شرعی زیارت کا مقصد اگر مومن کی قبر ہے تو اس کیلئے دعا و سلام کرنا ہے اور موت کی یاد دہانی ہے خواہ وہ مومن مردے کی قبر ہو یا کافر کی۔ مومن کی قبر کی زیارت خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی ایسی ہی ہے جیسے کہ اس کے جنازہ کی نماز، دونوں صورتوں میں اس کیلئے دعا کی جاتی ہے۔

بدعی زیارت وہ ہے جو نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے جس کا مقصود شرک ہے جیسا کہ اس صاحب قبر سے ضروریات مانگنا یا اس کو چھونا اور چومنا یا اس کو سجدہ کرنا۔ یہ سب وہ کچھ ہے جس کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نہ رسول نے اور نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب گردانا۔ نہ سلف یہ کرتے تھے نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اور نہ کسی دوسری قبر کے پاس۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے تھے نہ اس کی کسی مخلوق کی نہ نبی کی نہ غیر نبی کی، نہ وہ مردے سے سوال کرتے تھے اور نہ غائب سے اور نہ وہ کسی میت یا غائب سے مدد چاہتے تھے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی بلکہ ان میں سے غیر اللہ سے کسی شے کا سوال ہی نہیں کرتے تھے۔"

میں نے ابن تیمیہ کا جو کلام نقل کرنا تھا وہ نقل کر دیا۔ میں ان کے خط کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا اختلاف زیارت اور زیارت کے سفر دونوں میں ہے۔ البتہ کلام میں خلط ملط ہے۔ کلام کا شروع چاہتا ہے کہ ان کے نزدیک زیارت کی پہلی قسم تو جائز ہے اور زیارت کی دوسری قسم جائز نہیں۔ البتہ انہوں نے زیارت کی تیسری قسم کو بالکل حذف کر دیا کہ زیارت قبر سے تبرک کیلئے ہو شرک کے لئے نہ ہو۔

زیارت کی اقسام:

دراصل زیارت کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ سلام اور دعا کیلئے زیارت:

زیارت کی اس قسم کو ابن تیمیہ نے جائز قرار دیا اور اس کو شرعی زیارت کہا ہے۔ پس ان کیلئے ضروری ہوگیا کہ وہ اس زیارت کے سفر کو بھی جائز قرار دیں۔ اگر وہ " لاتشد الرحال" والی روایت سے دونوں میں فرق کریں تو ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں۔

حصول برکت اور صاحب قبر کے لیے دعا کے لیے زیارت:

زیارت کی دوسری قسم یہ کہ زائر اپنے لئے برکت حاصل کرے اور صاحب قبر کیلئے دعا کرے۔ ابن تیمیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو تیسری قسم یعنی بدعی زیارت میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دین اور سلف صالحین کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض نیک مُردوں سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام اور مرسلین کرام علیہم السلام اور کی قبروں کی زیارت سے برکت بدرجہ اولیٰ حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس معاملہ میں انبیائے کرام علیہم السلام اور عام مسلمانوں کی قبریں ایک سا حکم رکھتی ہیں تو اس نے بہت ہی غلط بات کہی۔ اور اس بات کا بطلان بالکل ظاہر ہے اور اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کا درجہ گھٹا کر عام مسلمانوں کے برابر کر دیا ہے جو یقینی طور پر کفر ہے۔ اس لئے کہ جو کسی بھی نبی کے رتبہ کو کم کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نبی کا رتبہ گھٹانا نہیں ہے بلکہ تعظیم میں مبالغہ کو روکنا ہے۔ اس پر میں یہ کہوں گا کہ یہ جاہلانہ بات اور بے ادبی ہے۔ ہم پانچویں باب کے شروع میں اس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ زندگی میں موت کے بعد بھی اس سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں۔ جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ اس میں شک نہ کرے گا۔

شرک والی زیارت:

زیارت کی تیسری قسم یعنی قبر کی زیارت سے شرک باللہ کرنا، ہم اس کے کرنے سے پناہ مانگتے ہیں اور جو اس کو اختیار کرے اس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کرتا ہے تیسری قسم جو کہ شرک والی ہے، کو اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا فرما دی ہوئی ہے: ''اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے'' اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا لامحالہ مقبول ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پوجا کی جائے۔''

ہمارا یقین ہے کہ زیارت قبر نبی کرنے والا کوئی شخص بھی شرک نہیں کرتا۔ رہا قبر نبی کو چھونا اور بوسہ دینا اور سجدہ کرنا اور اس طرح کے دوسرے افعال جو بعض جاہل کر بیٹھتے ہیں۔ پس جو ایسا کرتا ہے اس کے اس فعل کی مذمت کی جائے اور اس کو زیارت کے آداب سکھائے جائیں لیکن اصل زیارت کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے سفر کو ناجائز قرار دیا جاسکتا بلکہ جہالت سے اس نے جو غلط افعال کئے ہیں (صرف ان افعال کی مذمت کے ساتھ) اس کا زیارت کرنا اور زیارت کیلئے سفر کرنا قابل تعریف ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اپنی ضروریات طلب کرنا، اس مسئلہ کو ہم استعانت کے باب میں بیان کرینگے۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثانیہ:

اب ہم دوسرے اور تیسرے شبہ پر گفتگو کرتے ہیں جن پر ابن تیمیہ کا کلام مبنی ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ زیارت کا سفر غیر مشروع ہے اور ایسی بدعت ہے جس کو کسی نے آج تک پسند نہیں کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ تابعین نے، اور نہ ہی بعد میں آنے والے کسی عالم نے۔

شبہ کا رد:

اس بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ طیبہ کا سفر محض زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کرتے تھے تاکہ وہ ان کی طرف سے قبرِ نبی پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ قبر نبی پر پہنچ کر سلام پڑھتے تھے اور پھر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر سلام پڑھتے تھے۔ یہ سارے واقعات اس عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں کہ ''زیارتِ قبر نبی اور اس کیلئے سفر کرنا بدعت ہے۔''

اگر ابن تیمیہ سے اس عام ممانعت کیلئے ثبوت مانگا جائے اور اس دعوے پر ان سے دلیل طلب کی جائے تو وہ کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ایک صاحب علم کیلئے کب درست ہے کہ وہ محض اپنے چند گمانوں کی بنیاد پر اس بات کا انکار کر دے جس پر شرق و غرب میں اور ہر زمانہ میں مسلمان متفق رہے ہوں اور آنے والے اس پر گزرے ہوؤں کا عمل دیکھتے آئے ہوں اور وہ اس کو بیک جنبشِ قلم بدعت لکھ ڈالے؟

اب اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کا زیارت کی قسم اوّل پر عمل تھا وہ حاضری کے وقت صرف صلوٰۃ وسلام و دعا پر اکتفا کرتے تھے نہ کہ زیارت کی دوسری اور تیسری قسم پر، یہ محض اس کی اپنی اختراع ہوگی۔ اس کو کیسے معلوم ہوگیا کہ سلف صرف زیارت کی قسم اول پر جو شرعی ہے، عامل تھے اور خلف سب بالاتفاق قسم ثانی پر جو بدعت ہے، عامل ہیں؟ اس لئے کہ باطنی ارادوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ کسی کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ وہ یہ کہہ دے کہ سلف میں سے کوئی قبر نبی سے برکت حاصل نہیں کرتا تھا اور خلف سب کے سب زیارت کی بدعی قسم اختیار کرتے ہیں؟

پھر آگے چل کر ابن تیمیہ نے کہا کہ قبر نبی کی زیارت کیلئے جو سفر کرتا ہے وہ اس کو قربت سمجھ کر کرتا ہے اور جبکہ ایسا ہے تو یقیناً اس کا سفر حرام ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف نے جو سفر کیا اگر وہ محض سلام کیلئے ہی تھا وہ اس کو یقیناً قربت سمجھتے

تھے۔ اگر ابن تیمیہ کو ذرا بھی احساس ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر سلف نے سفر کیا ہے تو وہ کبھی اس سفر پر حرام ہونے کا فتویٰ نہ دیتے۔ بس ان کے خیال میں تو یہ جم گیا ہے کہ سفر زیارت میں شرک پوشیدہ ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس طرح کی غلط باتیں کہہ ڈالیں۔

ان کا یہ دعویٰ کہ اگر کوئی اس سفر کی نذر مانے گا تو بلا اختلاف اس پر یہ نذر لازم نہ ہوگی۔ یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہم ان سے مطالبہ کریں کہ وہ آئمہ کا اس طرح کا اتفاق دکھائیں کہاں پر منقول ہے؟ اور اس میں یہ تصریح دکھائیں کہ اس طرح کے سفر کی نذر خواہ قبر نبی ﷺ کیلئے ہو یا غیر نبی کی قبر کیلئے وہ نذر واجب نہ ہوگی۔ جب وہ ایسا کر پائیں گے تب ان کا مقصد پورا ہو سکے گا اور وہ یہ کبھی نہ کر پائیں گے۔

ہم پہلے یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ زیارت قبر نبی کی نذر لازم ہو جاتی ہے تو اسی طرح اس کیلئے سفر کی نذر بھی لازم ہوگی۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب شام کو فتح کیا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کیلئے کبھی سفر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اس لئے ہوا ہو کہ کسی نبی کی قبر یقینی طور پر متعین نہیں ہے۔ صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک متعین ہے اور ان کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شب معراج کسی نبی کی قبر کی زیارت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس سفر میں دیگر اہم امور میں مشغول رہے ہوں۔ اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قبور کی زیارت کی ہے تو محض معراج کی رات میں زیارت نہ کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ یہ سنت نہیں ہے؟

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ معراج والی وہ حدیث جس میں مذکور ہے" اتریں یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ پس اتریں اور یہاں نماز پڑھیں اور یہ بیت اللحم ہے آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے یہاں اتریں اور نماز پڑھیں۔" یہ روایت جھوٹی ہے۔ یہ بالکل صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کا راوی بکر بن زیاد باہلی ہے جس کو ابن حبان نے

شیخ دجال کہا ہے۔

اس حدیث کو ابوالقاسم المکی بن عبدالسلام الرمیلی نے اپنی کتاب "فضائل زیارة قبر ابراهیم" میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور ابو سعد السمعانی نے رمیلی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حافظ اور کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ انہوں نے مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔ اور یہ بہت بڑے فاضل تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمیلی نے اس کتاب میں حدیث مذکور کے ساتھ دیگر آثار بھی جمع کیے ہیں جن میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی طویل سند بیان کرنے کے بعد اس کا متن یوں ذکر کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ لما أسرى بى الىٰ بيت المقدس مرّ بى الى جبرئيل علیہ السلام الى قبر ابراهيم عليهما الصلاة و السلام فقال أنزل صلّ هاهنا ركعتين فان هاهنا قبر ابيك ابراهيم علیہ السلام ثم مرّ بى الى بيت لحم فقال أنزل صل هاهنا ركعتين فان هاهنا وُلِدَ اخوك عيسىٰ علیہ السلام ثمّ اتى بى الى الصخرة "

رواه ابن حبان عن محمّد بن احمد ابن ابراهيم ثنا عبدالله بن سليمان بن ابى عمرة ثنا بكر بن زياد.

اس حدیث کا ہم نے ذکر کردیا ہے ورنہ اس حدیث کے موضوع ہونے سے ہمارے مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ کسی خاص وقت میں زیارت نہ کرنا اس کے استحباب کی نفی نہیں کرتا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات اور آثار کی زیارت نہیں کرتے تھے، اگر صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارا مقصود تو ان مقامات میں مدفون شخصیتوں کی زیارت ہے نہ کہ مقامات کی زیارت کو ثابت کرنا۔ اور ہم پہلے دونوں باتوں کا فرق واضح کرچکے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے لفظ زیارت کا ثبوت نہیں ہے، اس دعوے کا باطل ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں جن میں زیارت کا ذکر موجود ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں نبی یا غیر نبی کی قبر پر کوئی مشہد (مقبرہ) نہ تھا کہ اس کی زیارت کی جاتی چہ جائیکہ اس کیلئے سفر ہوتا۔ اگر اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مشہد کے نام کے ساتھ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر موسوم نہ تھی تو یہ درست ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو مشہد نہیں کہا جاتا۔ اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قبر کی زیارت نہ ہوتی تھی، تو یہ باطل ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی جاتی تھی۔ رہا ان کا زیارت کو شرعی اور بدعی کی طرف تقسیم کرنا ،اس کی بحث ہم کر چکے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مطلق زیارت کے معترف ہیں تو اس سے لازمی طور پر زیارت کیلئے سفر کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

مکروہ افعال کی وجہ سے حاضری کی ممانعت:

اگر زیارت قبور میں بعض جاہلوں کی جانب سے ایسی باتوں کا صدور ہو جائے جن کی ممانعت ہے تو اس کی وجہ سے زیارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر کوئی یہ کہے کہ افعال قبیحہ کی وجہ کے علاوہ بھی زیارت کی ممانعت ہے تو وہ جھوٹا اور جاہل ہے۔ اگر وہ اس کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس چیز کو حرام کہہ رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور اگر وہ زیارت کو اس بنیاد پر کہ زیارت کی بعض قسمیں ممنوع ہیں یا اس میں کسی محرم فعل کی آمیزش ہو جاتی ہے ممنوع قرار دیتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اسی طرح جو شخص زیارت میں بعض ممنوع چیزیں مل جانے کی وجہ سے مطلق زیارت کے مستحب ہونے کا انکار کرے وہ جاہل ہے کیونکہ بسا اوقات نماز میں وہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں جو ممنوع ہیں مثلاً غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنا لیکن اس کے باوجود نماز کو قربت اور فرض سمجھا جائیگا اور غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنے کو برا کہا جائے گا۔ اسی طرح زیارتِ قبور کا معاملہ ہے۔ حضور نبی

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''قبروں کی زیارت کرو۔'' اب اگر بعض انواع ممنوع طریقہ پر ادا کی جاتی ہیں تو اسی خاص نوع کو بدعت کہا جائے گا لیکن مطلقاً زیارتِ قبور کو بدعت کہنا بذات خود بدعت ہوگا۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثالثہ:

تیسرا شبہ یہ ہے کہ قبور کو مساجد بنانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: " **قالوا لا تذرن آلهتكم و لاتذرن ودّا و لاسواعا و لایغوث و یعوق و نسرا** " [نوح: ۲۳] (اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز مت چھوڑو ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ قوم نوح کے نیک لوگ تھے جب یہ فوت ہوگئے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو معتکف بنالیا اور وہاں ان کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب وقت گزرتا گیا تو لوگوں نے ان کی پوجا شروع کردی۔

امام ابن تیمیہ نے یہ خیال کیا کہ زیارت اور اس کیلئے سفر کو روکنا توحید کی محافظت ہے اور ان کے لیے سفر کرنا شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ان کا باطل خیال ہے اس لئے کہ مجرد زیارت یا اس کیلئے سفر، شرک تک نہیں پہنچاتا بلکہ شرک تک پہنچانے والی چیز تو قبور کو مساجد بنانا، ان پر مرنے والوں کی تصویریں بنانا، ان کو معتکف بنانا ہے اور یہ چیزیں ممنوع ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: ''یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا۔'' اور جب حبشہ کے ماریہ گرجا گھر کی باتیں حضور کو سنائی گئیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ لوگ ہیں ان میں سے جب کوئی نیک شخص مرتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے ہیں پھر اس میں تصویر لگا دیتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریر ترین مخلوق ہیں۔''

محض سلام اور دعا اور زیارت نہ شرک ہیں نہ شرک تک پہنچانے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی وجہ سے یہ چیزیں مشروع ہوئی ہیں اور تواتر سے

ان کا ثبوت ہے اور ان پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر تصویریں بنانے کی طرح قبروں کی محض زیارت، شرک تک پہنچانے والی ہوتی تو یہ کبھی بھی مشروع نہ ہوتی اور حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہدائے احد اور اہل بقیع کی قبروں کی کبھی زیارت نہ کرتے۔ پس جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کے علاوہ ہمیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کا ہرگز حق نہیں ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ حرام تک پہنچانے والی ہے اور ہم اسی چیز کو مباح کہہ سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرادیا ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ کسی حرام تک مفضی نہیں ہے اور مباح ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے زیارت کو مباح قرار دیا ہے اور وہ مشروع اور سنت رسول ہے تو ہم نے بھی اس کو مباح قرار دیا ہے اور قبور پر مساجد بنانے اور تصویریں آویزاں کرنے کو حرام کیا ہے تو ہم نے بھی اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کوئی زیارت کو تصویریں بنانے پر قیاس کر کے حرام قرار دے تو وہ نص شرعی کا مخالف ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر قبروں کو مساجد بنانے اور ان پر تصویریں بنانے کو جب کہ وہ شرک تک مفضی نہ ہوں، جائز قرار دے تو وہ بھی نص کا مخالف ہوگا۔ وہ وسائل جن سے مقصود کا تحقق نہیں ہوتا ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم ان پر مقصود کا حکم لگا دیں۔ ہاں اگر شارع کی تصریح ہو تو بیشک ان پر مقصود کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح کے سدّ ذرائع کی بات ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ شرک کی طرح شرک تک پہنچانے والا ذریعہ بھی بے شک حرام ہے مگروہ باتیں جو کبھی شرک کی طرف مفضی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں تو ان میں سے جن کو شارع نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور جن کو حرام قرار نہیں دیا وہ مباح ہیں کیونکہ وہ کسی محذور کو مستلزم نہیں ہیں۔ ہم جن امور پر بحث کر رہے ہیں وہ اسی قسم کے ہیں۔ ان میں سے شریعت نے قبروں کو مساجد بنانے اور ان میں تصویریں بنانے، ان کو اعتکاف گاہ بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔ زیارت، سلام، دعا کو مباح قرار دیا ہے۔ ہر ذی شعور انسان ان دونوں باتوں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے اور یہ مانے گا کہ زیارت کی دوسری قسم جب کہ شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ کی جائے تو وہ کسی ممنوع تک مفضی نہیں ہوتی اور جو کوئی سدّ ذرائع کے حوالے سے روکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول ﷺ کے خلاف بات کہتا ہے اور زائر کو جو کہ درست کام کر رہا ہے اس پر بلا وجہ اعتراض کر رہا ہے۔

اس بات کا علم ضروری ہے کہ یہاں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کا واجب ہونا اور ان کے مرتبہ کو تمام مخلوق سے بڑا سمجھنا۔ دوسرا اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اور اپنے افعال میں اپنی تمام مخلوق سے منفرد اور یکتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی کو باری تعالیٰ کا شریک کرے تو وہ مشرک ہے اور ربوبیت کے معاملے میں جو تعلیمات حضور نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں ان کے معاملہ میں مجرم ہے اور جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کو کسی معاملہ میں گھٹائے گا تو وہ حضور کا مجرم ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے جو رتبہ رسول ﷺ کے لیے واجب کیا ہے اس پر وہ ظلم کرنے والا ہو گا۔ اور جو شخص مختلف قسم کی تعظیموں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتا ہے لیکن وہ امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ثابت نہیں کرتا تو وہ درست عقیدہ پر ہے اور اُس نے جانبِ ربوبیت اور جانبِ رسالت کی محافظت کی ہے اور یہی عدل ہے جس میں نہ زیادتی ہے نہ کمی۔

یہ واضح بات ہے کہ زیارتِ قبرِ نبی ﷺ تبرک اور تعظیم کی نیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کو درجۂ ربوبیت تک نہیں پہنچاتی اور نہ اُس سے بڑھ کر ہے جس کی قرآن اور سنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور نہ اُس تعظیم سے بڑھ کر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی قولاً و فعلاً آپ کی زندگی میں اور آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد کی ہے۔ اب امام ابن تیمیہ نے نہ معلوم کیوں اِس کو بدعت قرار دیا ہے؟ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لوگوں کا قبرِ نبی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا شرک باللہ ہے۔(نعوذ باللہ من ذالك) جو دلیل اُن کے خلاف ہوتی ہے وہ اُس کی تاویل کرتے ہیں اور شبہات سے اپنی تائید کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی بیماری ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق نصیب فرمائے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب انہوں نے زیارت کا قصد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا؟

دوسری فصل

ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی تلاش

میں نے اس سے پہلے ابن تیمیہ کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے جس میں اُن سے براہِ راست زیارت کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا بلکہ مزارات سے متعلق فتویٰ میں انہوں نے ضمناً اس موضوع پر گفتگو کی تھی۔ اب ہم اُن کا وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں جو حکومت کے پاس ہے اور جو اُن کے قلمی فتوے کی بعینہٖ نقل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

''کیا فرماتے ہیں علمائے کرام (اللہ اُن سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے) ایک شخص ہے جس نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نذر مانی۔ تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ اِس سفر میں قصر نماز ادا کرے؟ اور کیا یہ زیارت شرعی ہے یا نہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے۔ ''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی اور جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ''رخت سفر نہ باندھا جائے مگر مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور میری اِس مسجد کے لئے۔'' فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔''

جواب :

تقی الدین ابن تیمیہ نے اپنے قلم سے یہ جواب لکھا ہے'' جس شخص نے صرف انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کیا اُس کے لئے نماز

قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔

ایک تو متقدمین علمائے کرام کا قول ہے جو ناجائز سفر کے دوران قصر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے ابو عبداللہ ابن بطہ اور ابو الوفاء وغیرہ کہتے ہیں یہ گناہ کا سفر ہے۔ اِس میں قصر نماز کی اجازت نہ ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی گناہ کے سفر میں قصر نماز جائز نہیں ہے

دوسرا قول اُن لوگوں کا ہے جو ناجائز سفر میں بھی قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک زیارت کے سفر میں قصر جائز ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین شوافع اور حنابلہ کا ہے اور ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو الحسین ابن عبدوس اور ابو محمد ابن قدامہ اِس سفر کو گناہ کا سفر قرار نہیں دیتے ہیں اور قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے قول ''قبروں کی زیارت کیا کرو'' کے عموم سے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض لوگ جن کو فنِ حدیث میں مہارت نہیں ہے۔ اِس سفر کے جواز پر امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابنِ ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت " مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَ نَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ " جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' سے استدلال کرتے ہیں اور بعض لوگ زیارت کے سلسلہ میں " مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ" (جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی) سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو کسی عالم نے روایت نہیں کیا۔ اور یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ ''جس شخص نے میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ایک سال میں زیارت کی میں اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں'' سے استدلال ہے۔ یہ دونوں روایتیں بالاتفاق باطل ہیں۔ کسی بھی عالم نے اُن سے اِس مسئلہ پر استدلال نہیں کیا۔ دار قطنی والی روایت سے تو بعض علمائے کرام نے استدلال کیا بھی ہے۔

ابو محمد مقدسی نے زیارتِ قبر نبی ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کے جواز پر اِس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ مسجدِ قباء کی

زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور " لا تشد الرحال " والی روایت کو استحباب کی نفی پر محمول کیا ہے یعنی مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کا سفر مستحب نہیں ہے۔

جو لوگ زیارت کے سفر کے قائل نہیں ہیں وہ صحیحین کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد ، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اِس مسجد کی طرف۔'' اِس حدیث کی صحت پر تمام آئمہ متفق اور عمل پیرا ہیں۔ اب اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد یا مشہد میں جا کر نماز پڑھے گا یا اعتکاف کرے گا یا اُن کے لئے سفر کرے گا تو اُس پر وہ نذر لازم نہ ہو گی اِس پر آئمہ کا اتفاق ہے اور اگر کسی نے نذر مانی کہ مسجد حرام میں حج یا عمرہ کے لئے پہنچے گا تو اُس پر تمام علمائے کرام کے نزدیک یہ نذر لازم ہو گی اور اگر نذر مانی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھے گا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم ہو گی البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم نہ ہو گی۔ اِس لئے کہ اُن کے یہاں نذر کے لزوم کے لئے یہ شرط ہے کہ اُس کی جنس کی کوئی چیز شرعاً واجب ہو۔ جمہور ہر طاعت کی نذر کو لازم قرار دیتے ہیں اِس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا قول ہے۔ ''جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ ضرور اطاعت کرے اور جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے۔''

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ اور کسی مقام کی نذر کسی عالم کے نزدیک لازم نہیں ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مسجد قباء کی نذر بھی اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے حالانکہ اس کی زیارت مدنی کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ مدنی کو اس کی زیارت میں رخت سفر باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے'' جس نے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قباء میں پہنچا اور اس کا مقصد محض نماز ہے تو اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔'' علمائے کرام نے کہا کہ انبیائے کرام علیہم السلام و صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی یا تابعی نے یہ

نہیں کیا نہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب بتایا تو اب اگر کوئی اس کو عبادت سمجھے گا اور کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

ابو عبداللہ ابن بطہ نے اپنی کتاب "الابانۃ الصغریٰ" میں اس کو بدعت اور سنت و اجماع کا مخالف قرار دیا ہے۔ اس سے ابو محمد کی دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ جب قباء کی زیارت کرنے جاتے تھے تو رخت سفر نہیں باندھا جاتا تھا۔ یہ ان کی دلیل ہے کہ نذر سے اس کا لزوم نہ ہوگا۔

ان کا یہ کہنا کہ" لا تشد الرحال " صرف استحباب کی نفی پر محمول ہے۔ اس میں دو باتوں کا احتمال ہے: ایک تو یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نہ نیک کام ہے نہ قربت نہ اطاعت اور نہ وہ حسنات میں سے ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور عبادت اور طاعت ہے تو اس نے اجماع کے خلاف کیا اور اگر اس نے اس اعتقاد سے سفر کیا تو وہ بالاجماع حرام ہوگا تو اس کی تحریم یقینی ہے اور یہ واضح بات ہے جو قبر نبی وغیرہ کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے وہ عبادت و طاعت ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ کسی اور مقصد سے سفر کرتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں وہ جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں نفی نہی کی متقاضی ہے اور نہی تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جو احادیث زیارت کے سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ سب بالاتفاق ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اصحاب سنن میں سے کسی نے ان کو روایت نہیں کیا اور نہ کسی امام نے ان کو دلیل سمجھا بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جو اہل مدینہ کے سب سے بڑے عالم اور اس مسئلہ سے خوب واقف ہیں انہوں نے "زرتُ قبر نبی ﷺ " (میں نے قبر نبی کی زیارت کی) کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اگر یہ لفظ ان کے زمانہ میں مستعمل ہوتا اور وہ زیارت کو مشروع سمجھتے یا حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہوتا تو عالم مدینہ کبھی اس کو مکروہ نہ کہتے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ جو اپنے زمانے میں سنت کے سب سے بڑے عالم تھے

جب ان سے زیارت کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو ان کا اعتماد صرف اس حدیث پر تھا ''جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کا جواب دے سکوں'' اور زیارت کے سلسلہ میں کوئی اور حدیث بیان نہ کی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطأ میں صرف سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو '' السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا عمر '' کہتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد میں حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا:
''میری قبر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود بھیج دیا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہو گے۔'' سعید ابن منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کی سنن میں ہے کہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر نبی کے پاس آ جا رہا ہے اور وہاں دعا کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا ارے! حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''میری قبر کو عید نہ بناؤ اور جہاں کہیں ہو وہاں سے درود بھیج دیا کرو کہ درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔'' درود بھیجنے میں تو اور وہ شخص جو اندلس شہر میں ہے دونوں یکساں ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا ''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا لیا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: '' اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور ﷺ کی قبر میدان میں بنتی لیکن اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کو مسجد بنایا جائے۔'' یعنی حجرے میں اسی لئے دفن کئے گئے کہ کہیں لوگ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیں چنانچہ عبدالملک کے زمانہ تک جبکہ حجرۂ عائشہ جس میں قبر نبی ہے مسجد سے جدا تھا تو کوئی صحابی اور تابعی حجرہ میں نہ نماز پڑھنے جاتا تھا نہ کوئی قبر کو چھونے نہ وہاں دعا کرنے، یہ سب کچھ وہ لوگ مسجد میں کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور تابعین جب حضور ﷺ پر سلام بھیجتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رخ ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

سلام کے وقت میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہی کہتے تھے کہ قبلہ رخ

رہے۔ (قبر کی طرف منہ نہ کرے) اکثر آئمہ اس کے قائل ہیں کہ خاص سلام کے وقت قبر نبی ﷺ کی طرف رخ کر لے، دعا کے وقت قبر کی طرف رخ کرنے کا کوئی امام قائل نہیں ہے۔ ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے ورنہ مذہب ان کا دیگر آئمہ کی طرح ہے، تمام آئمہ اس پر متفق ہیں کہ قبر کا مسح نہ کیا جائے نہ اس کو بوسہ دیا جائے۔ یہ سب کچھ توحید کی محافظت ہے۔

شرک کی جڑ یہ ہے کہ قبر کو مسجد بنایا جائے بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: " **قالوا لاتذرن آلھتکم و لاتذرن ودا و لاسواعا و لایغوث و یعوق و نسرا** " کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب یہ مرے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو معتکف بنایا پھر وہاں ان کی تصویریں بنائیں پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور اس کو ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرھم نے نقل کیا ہے۔

سب سے پہلے وہ لوگ جنہوں نے مزارات کی زیارت کی احادیث وضع کیں وہ رافضی بدعتی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مساجد کو معطل اور مشہدوں کو آباد کر رکھا ہے۔ اللہ کے گھروں کو برباد کر رکھا ہے جن کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو آباد کرو اور اللہ تعالیٰ کا یہاں ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور مشاہد و مقابر کو آباد رکھتے ہیں جہاں شرک کرنے میں جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ایسی بدعتیں کرتے ہیں جن کا نہ کتاب اللہ میں ذکر ہے نہ سنت رسول اللہ میں۔ قرآن میں تو صرف مساجد کا ذکر ہے۔ نہ کہ مقابر و مشاہد کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " **قل أمر ربی بالقسط و أقیموا وجوھکم عندکل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین** " [اعراف: ۲۹] (اے حبیب! فرما دیں کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور تم ہر سجدہ کے وقت ومقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام فرمانبرداری اس کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " **انما یعمر مساجد اللہ من**

آمن باللّٰہ و الیوم الآخر و أقام الصلوٰۃ .. الآیۃ " [توبہ : ۱۸] (اللہ تعالیٰ کی مساجد صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔" اور فرمایا : " و ان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ أحدا " [جن : ۱۸] (اور یہ کہ مساجد واسطے اللہ کے ہیں پس مت پکارو ساتھ اس کے کسی کو) اور فرمایا: " و لاتباشروھنّ وأنتم عاکفون فی المساجد" [البقرہ : ۱۸۷] (اورعورتوں سے اس دوران شب باشی نہ کیا کرو جب تم مساجد میں اعتکاف بیٹھے ہو۔) اور فرمایا: " و من أظلم ممن منع مساجد اللّٰہ أن یذکر فیھا اسمہ و سعی فی خرابھا " [البقرہ : ۱۱۴] (اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے؟) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم سے پہلے لوگ مقبروں کو مساجد بنا لیتے تھے میں تمہیں اس کی ممانعت کرتا ہوں۔" واللّٰہ سبحانہ أعلم

(اس کو احمد ابن تیمیہ نے لکھا ہے)

ابن تیمیہ کے موقف کا رد:

امام ابن تیمیہ نے کہا ہے زیارت قبور کے سفر میں نماز قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ اس پر حسب ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض:

انبیائے کرام علیہم السلام و صالحین کی قبور کی زیارت یا تو قربت ہے یا جائز یا پھر گناہ؟ اگر یہ گناہ ہے تو پھر یہ کہنا بے کار ہے کہ " یہ سفر اگر محض زیارت کے لئے ہے تو قصر جائز نہیں ہے۔" اس لئے کہ اگر سفر کے دو مقصد ہوں ایک گناہ اور ایک جائز تو لامحالہ وہ سفر ناجائز ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا محض زیارت کی نیت ہو تو قصر نماز جائز نہیں بیکار ہے۔ اور اگر یہ سفر قربت ہے تو اس میں دو قول نہیں بلکہ بالاتفاق قصر جائز ہوگا۔ اگر مباح ہے تو

بھی قصر بلاخوف جائز ہو گا اس میں دو قول نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مسافر کی دو حالتیں ہوں گی۔ یا تو وہ اس طور پر سفر کرے گا جیسا کہ دیگر مباح مقاصد کے لئے سفر کرتا ہے تو بھی قصر بلاخوف جائز ہو گا یا یہ خیال کر کے سفر کرے گا کہ یہ قربت ہے اس پر ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

دوسرا اعتراض:

ابن تیمیہ کی تقریر کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ اس سفر کو بالاتفاق حرام قرار دے رہے ہیں جس کا ہم انکار کر چکے ہیں۔ ہاں صرف ابن عقیل کے قول کے اعتبار سے اس کی حرمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر اس نسبت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی اس میں حضور ﷺ کی قبر کے سفر کی تصریح نہیں ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سفر میں نماز کے قصر کی ممانعت کی اور اس کی ابن بطہ، ابن عقیل اور علمائے متقدمین کے بہت سے گروہوں کی طرف نسبت کی ہے لیکن انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل قائم نہ کی اور نہ یہ بتایا کہ متقدمین کے وہ کون سے گروہ ہیں جنہوں نے اس سفر میں نماز کے قصر کو منع کیا ہے؟

تیسرا اعتراض:

ابن تیمیہ نے کہا کہ علمائے متقدمین نے اس سفر میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے جیسا کہ ابن بطہ اور ابن عقیل۔ ابن عقیل کو انہوں نے متقدمین میں شمار کیا پھر قصر کے جواز کے بارے میں کہا کہ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے متبعین میں سے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن عقیل کا زمانہ ایک ہے بلکہ ابن عقیل کی وفات امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہوئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سن وفات ۵۰۵ ہے جبکہ ابن عقیل کا سن وفات ۵۱۳ ہے۔ اب معلوم نہیں کہ ابن تیمیہ نے کس بنیاد پر ابن عقیل کو متقدمین میں اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو متاخرین میں شمار کیا ہے۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے قول کی تائید کی وجہ سے ابن عقیل کو متقدمین میں شمار کیا ہے اور یہ ان کی شان سے بعید تھا۔

ابن تیمیہ کا رد:

" انّ من زارني بعد مماتي فكأنّما زارني في حياتي " اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔

حالانکہ یہ ابن ماجہ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ " فمن حجّ ولم يزرني فقد جفاني " اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ "کسی عالم نے اس کی روایت نہیں کی۔" ابن تیمیہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے اس لیے کہ اگرچہ اس حدیث میں ضعف ہے لیکن ہم پچھلے ابواب میں اس کے راویوں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ" مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے اگر کوئی شخص کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے گا تو نذر لازم نہ ہوگی۔" صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس پر دو قول ہیں۔ ایک قول کے اعتبار سے یہ نذر لازم ہو جائے گی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ" علمائے کرام نے تصریح کی ہے مسجد قبا کے لئے سفر نہ کرے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے"

یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام لیث ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کی نذر بھی لازم ہوگی۔ بعض مالکیہ سے بھی منقول ہے کہ مسجد قباء کے لئے نذر ماننے والے کے لئے سواری کا استعمال جائز ہے اور ان مالکیہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے قباء تشریف لے جانے کو کہا ہے کہ یہ سفر بغیر نذر کے تھا۔

ان دونوں مذاہب کے بعد ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ" علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجد قبا کے لئے سفر ناجائز ہے۔"

ابن تیمیہ کا یہ قول بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ" زیارت قبور کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی اور کسی تابعی نے ایسا سفر نہیں کیا نہ حضور

نبی اکرم ﷺ نے ایسے سفر کا حکم دیا نہ اس کو مسلمانوں کے کسی امام نے مستحب قرار دیا۔ اب اگر کوئی زیارت قبور کے لئے سفر کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کے خلاف عمل کرے گا۔'' امام ابن تیمیہ کا یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ ہم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے بارے میں بتا چکے ہیں جنہوں نے یہ سفر کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اس کو مستحب گردانا ہے۔

ایک اور غلط بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یہ قول اپنی طرف سے نہیں بلکہ دوسروں کا مقولہ کر کے بیان کیا ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ اس کا قائل کون ہے؟ شاید ان کا مقصد یہ ہو کہ اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں سے اتار کر دوسرے پر ڈال دیں لیکن وہ اس طرح سے اس نقل کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس قول کی برائی ان کی طرف ہی نسبت ہو گی۔

پھر انہوں نے اس قول کی نسبت ابوعبداللہ ابن بطہ کی طرف کی اور کہا اپنی ''الابانۃ الصغریٰ'' میں یہ انہوں نے کہا ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہم نے ان کا قول ''الابانۃ'' میں اس کے خلاف دیکھا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی دو کتابوں کا نام ''الابانۃ'' ہے۔ ابن تیمیہ نے ان کا جو قول نقل کیا ہے وہ ''الابانۃ الغریٰ'' کا ہے اور جو قول ان کا ہم نقل کر رہے ہیں وہ الابانۃ الکبریٰ کا ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو الابانۃ الصغری کا یہ قول حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور پر محمول کیا جائے تاکہ دونوں قولوں میں تضاد نہ ہو۔ اور اگر ان کا قول وہی ہے جو ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے تو پھر ان کا یہ قول ناقابل التفات ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ابوعبداللہ ابن بطہ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان سنی حدیث کے بارے میں سماع کا دعویٰ کر دیتے تھے اور ابو القاسم الازہری نے ان کو'' ضعیف ضعیف ضعیف'' کہا ہے اور ان کی ایک سند بیان کی ہے کہ وہ بغوی سے روایت کرتے ہیں اور بغوی، مصعب سے اور مصعب، مالک سے اور مالک، زہری سے اور زہری، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے وہ حضور نبی

اکرم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' اور یہ روایت اس سند سے بالکل ''وضعی'' ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نیک بزرگ اور مستجاب الدعوات تھے۔ بہرحال ہم نے ان کے احوال اس لئے لکھ دیئے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ ان سے غلطی بھی ممکن ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ ابو محمد المقدسی کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول " لا تشد الرحال " نفی استحباب پر محمول ہے دو صورتوں کا محتمل ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نیک کام نہیں ہے نہ قربت ہے نہ طاعت، نہ وہ حسنات میں سے ہے اس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور طاعت اور عبادت ہے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی۔

ابن تیمیہ کا یہ قول انتہائی درجہ کا مبہم اور فاسد ہے۔ مبہم تو اس لئے ہے کہ پڑھنے والا خیال کرے گا کہ اس نے ماسبق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ لیث ابن سعد اور بعض مالکیہ کے کلام کا تقاضہ ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کا سفر بھی قربت ہے تو اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ ابن تیمیہ کا مقصد ابو محمد مقدسی پر ان کے اس قول پر الزام قائم کرنا تھا کہ " لا تشد الرحال " کو نفی استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس تقدیر پر کہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ یہ سفر عمل صالح نہیں ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور جو یہ اعتقاد کرے کہ یہ سفر قربت ہے اس نے ابو محمد کی مخالفت کی۔ اجماع کی مخالفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت کا فساد اس طور پر ہے کہ ابو محمد نے اس سفر کے جواز پر گفتگو کی ہے اور اس کا مقصد سفر کا جواز ثابت کرنا ہے۔ انہوں نے حرمت کی نفی کی اور مذکورہ حدیث کو صرف فضیلت کی نفی پر محمول کیا اور حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ ''کسی جگہ کے لئے سفر کرنا بجز مساجد ثلاثہ کے مستحب نہیں ہے۔'' اور اس لیے اس میں تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ طلب علم وغیرہ کے لئے سفر کرنا بہرحال سب کے نزدیک مستحب ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی اور عارض کے محض اس جگہ کے لئے سفر کرنا مساجد ثلاثہ

کے علاوہ مستحب نہیں ہے۔ ہاں اگر اور کوئی وجہ ہو جیسے کسی عزیز کی تیمار داری، طلب علم وغیرہ تو دوسری جگہ کا سفر بھی مستحب ہو جائے گا لیکن ابو محمد نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ انہیں تو نماز کے قصر کے جواز کو بیان کرنا تھا اس لئے انہوں نے سفر کا جائز ہونا ثابت کیا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب اس اعتقاد سے سفر کیا کہ وہ طاعت ہے تو یہ بالاجماع حرام ہوگا تو حرمت امرِ یقینی ہوگئی۔

یہ بھی ابن تیمیہ کا کلام مبہم اور فاسد ہے۔ ابہام اس اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ جو اس کو سنیں گے سمجھیں گے یہ ابتدائی کلام ہے اس میں تحریم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ فیصلہ قطعی ہے۔ اِس کا فساد اِس طور پر ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سفر بالاجماع طاعت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی طاعت سمجھ کر سفر کرتا ہے تو اس کا بالاجماع حرام ہونا کیسے ہو جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی اگر مباح فعل کو قربت سمجھ کر کرتا ہے تو نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس فعل کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اگر اس کا یہ اعتقاد کسی غلط دلیل پر مبنی ہو تو وہ اپنے گمان کے اعتبار سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورنہ اس کی نادانی سمجھی جائے گی اور اسکو نہ گناہ ہوگا نہ ثواب اور اس کا فعل اپنی جگہ مباح رہے گا اسمیں تحریم کہاں سے پیدا ہوگئی تھی۔

یہ گفتگو تو اس مباح میں تھی جس کو عبادت کے طور پر انجام دیا حالانکہ اس کا اعتقاد اس کے عبادت ہونے کا نہ تھا تو یہ اس کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور یہ فعل حرام ہوگا کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسے فعل سے کیا تھا جو قربت نہ تھا۔ نہ اللہ کے نزدیک نہ اس کے خیال میں۔ یہیں سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوئی ہے اور یہی حال تمام بدعتوں کا ہے۔ اور جس کسی نے کوئی فعلی بدعت ایجاد کی اس کا ایجاد کنندہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے دین میں ایسی چیز داخل کی جو حقیقتاً دین کا جز نہ تھی کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسی چیز سے کیا جس کو وہ خود سمجھتا ہے کہ دین کی بات نہیں ہے لیکن عوام میں سے جو اس کا مقلد ہوگا اگر وہ ایسی چیز ہے جس میں تقلید ہوسکتی تھی جیسے کہ دین کے فروعی مسائل، اور اس نے اس فعل کو اس طور پر انجام دیا کہ وہ عبادت شرعیہ ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر وہ ایسا فعل ہے جس میں تقلید جائز نہیں ہے جیسے کہ دین کے اصول تو اس پر گناہ

ہوگا اور ہمارا یہ مسئلہ فروع میں سے ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ کسی نے اس سفر کو مستحب قرار نہیں دیا اور پھر اس کو کسی شبہ کی بنیاد پر مستحب سمجھ کر کیا تو اس نے نہ حرام کیا نہ وہ گنہگار ہوگا اور اس مسئلہ میں تو سب استحباب کے قائل ہیں لہٰذا اس میں گناہ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا: بدیہی بات ہے کہ زیارتِ قبر نبی کا جو بھی سفر کرتا ہے وہ اس کو طاعت سمجھ کر کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کے اس کلام سے یہ واضح ہوا کہ وہ فرضی طور پر بات نہیں کر رہے بلکہ مسلمانوں کا جو عمل ہے اس کے متعلق بات کر رہے ہیں لہٰذا انکے خیال کے اعتبار سے سب کا یہ سفر باجماع المسلمین حرام ہے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** تو پھر ان کے نزدیک تمام زمانوں میں تمام مسلمان جو اطرافِ عالم سے زیارت کے لئے آتے ہیں امر حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن تیمیہ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ وہ زیارتِ قبر نبی کرنے والوں کو گمراہ اور معصیت کار سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی لغزش ہے جس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم**

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی کسی مباح غرض کے لئے قبر نبی کا سفر کرے تو یہ جائز ہے۔

لیکن یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ اس کلام کا مفہوم یہ نکلا کہ زیارت کی غرض مباح نہیں ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: نفی نہی کو چاہتی ہے اور نہی کا اقتضاء تحریم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابو محمد کے اس قول کا رد کر رہے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ "لا تشد الرحال" میں نفی کا معنی یہ ہوگا کہ دیگر کسی مقام کی طرف اگر رخت سفر باندھا جائے گا تو اس سفر کرنے والے کو ثواب نہیں ہوگا جو اسے ان تین مساجد کی طرف رخت سفر باندھنے پر حاصل ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفی نہی کا معنیٰ نہیں

دیتی بلکہ مجازاً نہی کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے۔ ابو محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفی کی حقیقت خبر ہے جو نہ تحریم کو چاہتی ہے نہ کراہت کو۔ اور نہی کے دو معانی ہیں۔ ایک حقیقی جو تحریم ہے۔ دوسرے معنی مجاز جو کراہت ہے۔ جب نفی کو اپنی حقیقت خبریہ سے نہی کے معنی میں استعمال کیا جائے تو دونوں احتمال ہوتے ہیں تحریم اور کراہت۔ اور جو معانی بھی مراد لئے جائیں اس میں وہ مجاز ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خبر اس معنی کے لئے موضوع نہیں ہے۔ اب اگر کسی مرجّح کی وجہ سے تحریم میں استعمال راجح ہو تو یہ بعض مجازات کو بعض پر ترجیح دینا ہوا۔ اب کبھی یہ ترجیح دوسری ترجیح کے معارض ہوتی ہے تو ابو محمد کو حق حاصل ہے کہ وہ یوں کہیں کہ تحریم میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ یا اسمیں اس کا استعمال ظاہر نہیں ہے اس لئے کہ خبر فقط نہی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کے معنی حقیقی بھی ہیں اور مجازی بھی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ کی جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب اہل علم کے نزدیک ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور کسی معتبر صاحب سنن نے ان کو روایت نہیں کیا۔

ہم شروع کتاب میں اس بات کا بطلان ظاہر کر چکے ہیں اور یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے " زرتُ قبر النبی ﷺ " کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ ہم نے اس کی مراد بھی باب چہارم میں سمجھا دی ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ لفظ مشروع ہوتا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کبھی اس کو مکروہ نہ قرار دیتے۔

یہ بات تو بہت بے موقع ہے۔ اس لئے کہ بحث اس لفظ میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں ہے۔ مؤطا میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ سب ابن تیمیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے زیارت کے معنی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ " لاتتخذوا قبری عیداً " پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور اس کا صحیح مفہوم بتا چکے ہیں اور یہ حدیث کہ " یہود اور نصاری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو مساجد بنایا'' بھی ابن تیمیہ کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے قبر نبی کو مسجد نہیں بنایا ہے اور اگر زیارت کو مسجد بنانے پر قیاس کیا جائے تو یہ بالکل غلط بات ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: عادت کے خلاف صحرا کی بجائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جو دفن کیا گیا وہ اسی لئے کیا گیا کہ کوئی قبر کے پاس نماز نہ پڑھ سکے اور اس کو مسجد نہ بنا سکے تاکہ وہ قبر بت نہ بنے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ حجرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تو حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت دفن کئے گئے جب یہ حدیث سامنے آئی کہ نبی اس جگہ دفن ہوتا ہے جس جگہ اس کا وصال ہوتا ہے۔ یہ مشہور بات ہے اس کو ہر کس و ناکس جانتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب تک قبر نبی ﷺ مسجد سے جدا تھی کوئی صحابی یا تابعی قبر کے پاس نماز پڑھنے یا اس کو چھونے یا وہاں دعا کرنے نہیں جاتا تھا۔

اس پر ہم یہ کہتے ہیں اس سے ابن تیمیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زیارت کے آداب یہی ہیں۔ ہم بھی وہاں نماز پڑھنے کو اور قبر کے مسح کرنے کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ بات بھی بالاجماع ممنوع نہیں ہے۔

ابو الحسین یحییٰ ابن حسن نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ مروان بن الحکم آیا تو اس نے دیکھا ایک شخص قبر نبی سے چمٹا ہوا ہے۔ مروان نے اس کی گردن سے پکڑ کر اس کو قبر سے جدا کیا اور کہا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا تھا؟ وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: میں جانتا ہوں کہ میں نہ پتھر کے پاس آیا ہوں نہ اینٹ کے، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر وہ شخص بولا: دین پر اس وقت ماتم نہ کرو جب اسکے متولی اہل لوگ ہوں، اس وقت ماتم کرو جب نااہل متولی بنے ہوئے ہوں۔ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین جب حضور نبی اکرم ﷺ کو سلام

کرتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رو ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ سلف صالحین سلام کے وقت دعا بھی کرتے تھے۔ اب رہا ان کا حجرہ میں داخل نہ ہونا تو یہ ادب کی وجہ سے تھا۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وہ دعا کے وقت قبلہ رو ہوتے تھے تو اس سے زیارت کا انکار یا سفر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی بارگاہِ نبوی ﷺ میں سلام بھیجنے کے وقت قبلہ رو ہوتے تھے۔

ابو اللیث سمرقندی نے فتاویٰ میں ایک حکایت میں جو حسن ابن زیاد کی حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے یہی کہا ہے۔ سروجی حنفی نے کہا کہ ہماری نزدیک قبلہ رو کھڑ ہو۔ کرمانی نے کہا: شوافع وغیرہ نے کہا ہے کہ دعاء کے وقت پشت قبلہ کی طرف اور منہ قبر کی طرف ہونا چاہیے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور بعض حنفیہ نے کہا ہے: قبلہ رخ ہونے میں دو عبادتیں ادا ہوں گی ایک قبلہ رخ ہونا یہ بھی عبادت ہے، دوسرے دعا۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ دعا قبر کی طرف رخ کرکے مانگے۔ یہ بہتر ہے اور اس میں ادب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زندوں کا سا معاملہ کرنا چاہیے اور بلاشک وشبہ زند کو سلام اس کی طرف رخ کرکے کیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اکثر علماء نے کہا ہے کہ سلام کے وقت خاص طور پر قبر کی طرف منہ کرے۔ یہ خاص کی قید کہاں مذکور ہے؟ اس کا حوالہ مطلوب ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے اکثر علمائے کرام سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں جبکہ احناف کی مشہور کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایوب سختیانی آئے اور قبر نبی کے قریب پہنچے، قبر کی جانب رخ کیا اور قبلہ کی جانب ان کی پشت تھی۔ ابراہیم حربی نے اپنی مناسک میں لکھا ہے۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور قبر نبی کے وسط کی

طرف رخ کرو اور سلام و دعا پڑھو۔ اس کو آجری نے کتاب الشریعہ میں ذکر کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے یہ کہا: آئمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ دعاء کے وقت قبر کی جانب منہ کیا جائے۔ ہاں ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہے جبکہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آئمہ میں سے کوئی بھی دعا کے وقت قبر کی کی جانب منہ کرنے کا قائل نہیں ہے غلط ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ابو عبداللہ سامری حنبلی جو کہ "المستوعب فی مذهب احمد" کے مؤلف ہیں، نے کہا ہے کہ قبر نبی کو منہ کے سامنے کرے، قبلہ کی جانب پشت کرے اور منبر النبی کو بائیں ہاتھ کی جانب کرے۔ پھر انہوں نے سلام و دعا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف منہ کرنے کے قائل تھے۔

یہی حال ہمارے علماء کا ہے کہ وہ مطلقاً قبر نبی کی طرف رخ کرنے کو کہتے ہیں تو بظاہر دعا و سلام دونوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابھی ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ قبر نبی کے پاس پہنچے، قبلہ کی جانب پشت کرے، قبر کی دیوار کی جانب رخ کرے اور چار ہاتھ قبر کے سرہانے سے دور کھڑا ہو پھر حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے پھر داہنی جانب کو ہٹے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، پھر تھوڑا سا اور داہنی جانب کو ہٹے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ پھر پہلی جگہ پر حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آجائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے لئے دعا میں وسیلہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کو شفیع بنائے پھر قبر کے سرہانے کی جانب بڑھ جائے۔ پھر قبر اور اس ستون کے درمیان کھڑا ہو جو وہاں ہے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اپنے اور اپنے والدین کے لئے دعائیں کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں قبلہ رخ ہونا بھی بہتر ہے اور قبر کی طرف رخ کرنا بھی بہتر ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے۔ اس کے

باوجود اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اسے ثبوت مہیا کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک جھوٹی روایت منسوب ہے۔

جس حکایت کو ابن تیمیہ نے جھوٹی حکایت بتایا ہے اس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں ذکر کیا ہے اور اس حکایت پر کوئی نکیر نہیں کی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ابن حمید نے بیان کیا ہے ابو جعفر امیر المومنین کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں ایک بحث ہوئی جس میں ابو جعفر نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا اے ابو عبداللہ! بتاؤ میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا سرکار دوعالم ﷺ کی جانب رخ کر کے؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ سے روگردانی کیوں کرتے ہو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ ان کی طرف رخ کرو اور ان کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفاء کے تیسرے باب " **فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ و برہ** ﷺ "میں بیان کیا ہے۔ اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے یہ کہا ہے کہ ان کا مذھب اس کے برعکس ہے۔ بلکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے شفاء کے چوتھے باب کی ایک فصل " **فی حکم زیارۃ قبرہ** " میں بیان کیا ہے کہ ابن وہب کی روایت ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے اور دعا مانگے تو قبر کی جانب رخ کرے نہ کہ قبلہ کی جانب اور قبر کے قریب ہو کر سلام کرے، قبر کا مسح نہ کرے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب امام کے بہت بڑے شاگرد نے بیان کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبر کا استقبال کرے نہ کہ قبلہ کا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ عبداللہ ابن وہب نے مبسوط میں یہ بھی کہا ہے: مناسب یہ ہے کہ دعا کے لئے قبر کے پاس قیام نہ کرے سلام کرتا ہوا گزر جائے تو دونوں روایتوں میں اگر اختلاف ہے تو دعا کے لئے ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے میں ہے، استقبال قبر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم پہلے بہت سے مالکی علمائے کرام کے اقوال بیان کر چکے ہیں کہ قبر کے پاس رکے اور دعا کرے اور

کسی نے یہ نہیں لکھا کہ دعا قبلہ رخ ہو کر کرے اور قبر کی جانب پشت رکھے تو اب کسی ذی علم کے لئے کیسے جائز ہے کہ یوں کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ تمام علمائے کرام کا مسلک اس حکایت کے خلاف ہے اور اس وہم و خیال سے اس حکایت کو جھوٹی روایت کہے جبکہ اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور معتبر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالتِ قدر، امانت اور ثقاہت متفق علیہ ہے۔ اور ان کے شیخ ابو القاسم احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمٰن بن احمد بن بقی ابن مخلدؔ بہت صاحب علم اور جلالت والے ہیں۔ اس کو ابن بشکوال نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کے شیوخ کا ذکر کیا ہے کہ جن سے انہوں نے سنا۔ اور پھر کہا۔ اس کو ابو العباس العذری نے اجازۃ لکھا اور وہ قرطبہ کے صدر المفتیان بن گئے۔ اور یہ بہت زیادہ علمی گھرانے والے اور فضل و کمال والے تھے۔ اور بہت زیادہ مسائل جاننے والے اور فتویٰ دینے والے تھے۔ آپ شعبان میں ۴۴۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۲ھ میں وصال فرمایا۔

ابن بشکوال نے ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن علی بن سعید بن عبداللہ بن سیرین جن کی کنیت ابوعبداللہ تمی کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہ اھل علم و معرفت اور فہم والے تھے۔ اور فروع اور اصول کے جاننے والے تھے۔ اشبیلیہ کے قاضی رہے۔ اور ان کی بہت شہرت تھی۔ ۵۰۰۳ھ میں وصال فرمایا۔ اور قاضی عیاض نے ان کو اشعری کہا ہے۔

اور اسی طرح ان کے شیخ ابو العباس احمد بن عمرو بن انس بن دلھات العدوی، ان کے بارے میں ابن بشکوال نے کہا کہ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ مشرق کا سفر کیا اور بیت اللہ شریف میں شہر رمضان میں پہنچے اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہے اور وہاں حافظ ابوذر الھروی سے کسب فیض کیا اور صحیح بخاری ان سے سات بار سنی اور یہ حدیث کو سمجھنے اور روایت کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اور بہت زیادہ ثقہ تھے۔ اور ان سے بہت سے اکابر نے روایت کیا ہے جن میں ابن عبدالبر اور ابن حزم اور ابو علی الغسانی ہیں۔

اسی طرح ان کے شیخ ابو الحسن علی بن الحسن بن علی بن فھر الرازی المصری الحافظ

ہیں انہوں نے حسن بن رشیق اور اسماعیل بن ابی محمد الازدی سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے مسند الموطا ان کے مؤلف حرم سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے امام بیہقی اور امام الجزائری نے روایت کیا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

اور ان کے شیخ ابوالحسن عبداللہ بن المنتاب القاضی ہیں ان سے ابوالحسن الجوزی نے حدیث الاسلام کو روایت کیا ہے۔ حدیث اس طرح ہے۔ ''ان تسلم وجهك فتقيم الصلاة و تؤتي الزكاة و تصوم رمضان و تحج البيت و تعتمر''

ان کے ایک اور شیخ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابن کامجر ہیں انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور داود بن رشید اور احمد بن عبدالصمد الانصاری اور حسن بن شبیب اور عمر بن شبۃ النمیری سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے مفضل بن سلمۃ اور عبد الصمد الطبسی اور ابو القاسم الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ: لاباٴس بہ۔ اور خطیب بغدادی نے ان کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ان کے شیخ ابن حمید جن کو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے۔ انہوں نے امام مالک سے ان کی مؤطا لکھی۔ اور وہ کہتے تھے میں قسم کے کفارہ میں لباس لینے والوں میں سے تھا۔ اور یہ ثقہ تھے اور امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے راویوں کی جلالت قدر اور ثقاہت کو مدلل طریقہ پر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ حکایت ابن وہب کی روایت سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے۔ ابن وہب کی عظمت کا بیان کرتے ہوئے امام سبکی نے ذکر کیا کہ علمائے مدینہ جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی روایت میں باہم مختلف ہوتے تھے تو وہ ابن وہب کی آمد کا انتظار کرتے تھے تاکہ ان سے اس روایت کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ابن بکیر کہا کرتے تھے کہ ابن وہب ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

اب ہمارے لئے چند راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم صرف ابن وہب کی روایت کو لیں چونکہ اس کو ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں روایتوں پر عمل کریں اس لئے کہ یہ اختلاف حلال وحرام کا نہیں ہے، نہ کراہت وعدم کراہت کا۔ قبلہ رخ ہونا بھی حسن ہے اور قبر کی طرف منہ کرنا بھی حسن ہے۔ تیسرے یہ کہ ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ قبلہ رخ رہے قبر کا استقبال نہ کرے۔ اس سے اصل مسئلہ زیارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے مالکی علماء کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں کسی میں ہم نے نہیں پڑھا کہ دعا کے وقت استقبال قبر ممنوع ہے نہ یہ کہ وہ مکروہ ہے اور نہ یہ کہ وہ خلاف اولی ہے سوائے مبسوط کے۔ بہر حال ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ جب سلام پڑھے تو قبر کی طرف منہ کرے اور جب دعا مانگے تو قبر کی طرف پشت کرے صحیح نہیں ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس حکایت کو مردود قرار دیا۔ زیارت کے سلسلہ میں ہم مالکی علماء کا کلام چوتھے باب میں بیان کر چکے ہیں جس سے ابن تیمیہ کے اس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔

کچھ تھوڑی سی بات باقی ہے وہ ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ ابو الحسن لخمی نے تبصرہ میں ذکر کیا ہے۔ "جو مدینہ پہنچے وہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں جائے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ پھر قبر نبی پر جائے اور سلام پڑھے۔" یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب داخل ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ کہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جس وقت داخل ہو تو سلام سے ابتداء کرے پھر تحیۃ المسجد پڑھے اور اگر اس کا داخلہ اس دروازے سے ہو جو قبر نبی سے متصل ہے اور اس کا گزر قبر کے پاس سے ہو تو ٹھہر کر سلام پڑھے۔ پھر وہاں جائے جہاں نماز پڑھنی ہے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ابن بشیر مالکی نے "کتاب التنبیه علیٰ مبادی التوجیه فی دخول مکة و حکم الطواف و الرکوع و السعی" میں کہا ہے کہ جو شخص مدینہ میں داخل ہو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں نوافل پڑھے پھر قبر نبی کے پاس جائے۔ رسول اللہ

ﷺ پر سلام پڑھے اور کثرت سے درود پڑھے۔ پھر اپنے لئے جو چاہیے دعا کرے پھر سیدنا ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھے اور جب مدینہ سے واپس ہو تب بھی ایسا ہی کرے۔اس کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر کی طرف رخ کرکے دعا کرنے کے قائل ہیں۔

ابن یونس مالکی نے " باب فرائض الحج و الغسل لها و دخول المدينة و صفة الاحرام و التلبية " میں ابن حبیب سے نقل کیا ہے کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو یوں کہے: بسم اللہ، ہماری جانب سے ہمارے رب کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ پر سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے اور میرے لئے اپنی رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور میری شیطان سے حفاظت فرما۔ پھر ریاض الجنۃ میں جائے جو قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر قبر پر جائے۔ وہاں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جس مقصد کیلئے نکلا ہے اس کی تکمیل کی دعا کرے اور ریاض الجنۃ میں موقع نہ ملے تو دوسری جگہ نوافل پڑھ لے۔ ریاض الجنۃ میں پڑھنا افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض پر ہے۔"

ابن حبیب نے کہا: پھر تو جب نماز پڑھ لے تو قبر نبی کے پاس قبلہ کی جانب سے پہنچ اور قبر کے قریب ہو جا۔ پھر سکون اور وقار سے حضور اکرم ﷺ پر سلام بھیج اور ثناء کر اس لئے کہ حضور تیرے وقوف کو جانتے اور تیرے کلام کو سنتے ہیں اور سیدنا ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھ اور ان کے لئے دعائیں کر اور شب و روز میں مسجد میں بکثرت نمازیں پڑھ اور مسجد قباء اور شہدائے احد کی زیارت کو نہ چھوڑنا۔

ابن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے فاضل کا یہ کلام ہمارے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ اس میں تصریح ہے اور یقینی طور پر بتایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سلام کرنے والے کے کلام کو سنتے ہیں اور اس کی حاضری کا حضور نبی اکرم ﷺ کو علم ہوتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے " کتاب رؤس المسائل " میں حافظ ابو موسیٰ اصبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جب کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف پشت کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب رخ کرے درود بھیجے اور دعا کرے۔

میں نے عبداللہ ابن عبدالحکیم الکبیر کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ ابن وہب نے کہا ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ سلام کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک کے پاس کس جگہ کھڑا ہو تو انہوں نے فرمایا: ''اُس گوشہ میں قبلہ رو کھڑا ہو جو منبر کے قریب قبلہ کی جانب ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ وہ قبر کو چھوئے۔'' یہ ممکن ہے کہ یہ نسخہ غلط ہو اس لیے کہ ابن وہب کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت پہلے گزر چکی ہے اس میں قبر کے استقبال کا حکم ہے نہ کہ قبلہ کا۔ ابو موسیٰ کی روایت اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی تائید کرتا ہے اور ممکن ہے ان سے دو روایتیں ہوں۔ ایک میں قبلہ کا استقبال اور دوسری میں استدبار ہو۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دعا کے وقت استقبالِ قبلہ کے قائل تھے تو اس سے زیارت قبر نبی ﷺ اور اس کے لئے سفر اور تعظیم قبر نبی کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان کے اشکالات اپنے مقصود پر دلالت نہیں کرتے۔

آٹھواں باب

حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا
اور آپ ﷺ سے مدد حاصل کرنا
اور آپ ﷺ کی شفاعت چاہنا

حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی مدد اور شفاعت چاہنا جائز ہی نہیں بلکہ امر مستحسن ہے۔ اس کا جائز اور مستحسن ہونا ہر دین دار کے لئے ایک بدیہی امر ہے جو انبیائے کرام و رسل عظام علیہم السلام اور سلف صالحین و علمائے کرام سے ثابت ہے اور کسی مذہب والے نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی زمانہ میں ان امور کی برائی کی بات کہی گئی۔ حتی کہ ابن تیمیہ نے ان امور کا انکار شروع کر دیا اور ایسی باتیں کہیں جن سے ایک بھولا بھالا مسلمان دھوکے میں پڑ جائے اور ایک ایسی نئی بات کہنی شروع کر دی جو اب تک کسی نے نہ کہی تھی اور اس ابو جعفر منصور اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ والی مشہور حکایت پر بھی جرح و قدح شروع کر دی جس کو ہم تفصیل سے نقل کر چکے ہیں اور اس کی صحت کو واضح کر چکے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ منصور سے کہا تھا۔

''حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کر''

ہم نے اس کتاب میں شفاعت کی بحث اس لئے کی ہے کہ ابن تیمیہ نے زیارت قبر نبی ﷺ کے انکار کے ساتھ شفاعت اور استعانت کا بھی انکار کیا ہے۔ ابن تیمیہ کے اس موقف کے باطل ہونے کے لیے اتنا ہے کافی ہے کہ اس طرح کی بات اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی باتیں لکھی ہیں ہم نے بہتر راستہ یہ سمجھا ہے کہ ان کی باتوں کے رد و ابطال سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل مسئلہ کا ثبوت اور دلائل واضح کر دیں۔

جن علمائے کرام نے امت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے ان کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ دین کے مسائل اس طرح بیان کر دیں کہ لوگوں کی سمجھ میں آ جائیں اور قابل قبول بن جائیں لیکن ابن تیمیہ کی باتیں اس کے بالعکس ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل ہر حال میں جائز ہے۔ حضور کی ولادت سے قبل بھی اور بعد از ولادت بھی۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور بعد از وصال بھی، دنیا میں بھی اور حشر کے میدان، اور جنت میں بھی۔

توسّل کی اقسام:

توسّل کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

اس سے مراد توسّل کی یہ صورت ہے کہ صاحبِ حاجت حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے آپ کے مرتبہ کے طفیل اورآپ ﷺ کی برکت کے طفیل اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔ یہ ہر حالت میں جائز ہے خواہ اس کا وقوع حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے ہوا ہو یا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں یا آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد۔ اور ہر حالت میں اِس کے جواز پر صحیح احادیث موجود ہیں۔

توسّل کی پہلی حالت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات طلب فرماتے تھے۔ ہم ان احادیث میں سے پہلے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''المستدرك علی الصحیحین'' میں نقل کیا ہے اور اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو دربار الٰہی میں عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! میں بحق محمد (ﷺ) درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تم محمد کو کیسے جان گئے میں نے تو ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے باری تعالیٰ! جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو میں جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخصیت کا نام لکھا ہے وہ یقیناً تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح کہا۔ بیشک محمد تمام مخلوق میں میرے لئے محبوب تر ہیں اور جبکہ تم نے ان کے حق کا واسطہ دے کر مغفرت چاہی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔"

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ " و هو آخر الأنبياء من ذريتك "

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی نقل کیا ہے۔

أوحى الله الى عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمّد و أمر من أدركه من امّتك ان يؤمنوا به فلو لا محمّد ما خلقت آدم و لولاه ما خلقت الجنة و النار و لقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه "لا اله الا الله" فسكن "

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ اے عیسیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے کہو: جو ان کو پائے ان پر ایمان لائے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ پس میں نے اس پر لا الہ الا اللہ لکھا تو ٹھہر گیا۔

ابن تیمیہ کی لاعلمی:

ابن تیمیہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے توسّل کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے اصل ہے اور کسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ ان کا یہ دعوی محض اپنا خیال اور وہم ہے۔ انہوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے کہہ کر اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ اُن کی ساری باتیں اس بات پر مبنی ہیں کہ ان کے علم میں یہ نہ آیا۔ امام حاکم رحمہ اللہ

تعالیٰ نے اس روایت کو صحیح سند کے ساتھ نقل کر کے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ اگر ان کے علم میں امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح آ جاتی تو کبھی یہ بے جا جرات نہ کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس روایت کا علم ہو جاتا تو وہ عبداللہ ابن زید ابن اسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں ان پر طعن کرتے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان میں ضعف ہے تو وہ ضعف اس درجہ کا تو نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے کر ایسے مسئلہ کا انکار کر دیا جائے جو عقلاً اور شرعاً ہر طرح سے جائز ہے۔

حضرتِ نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے توسل کیا ہے جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن ہم نے امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت اور اس پر امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح کی وجہ سے اسی روایت پر اکتفا کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس معنی کو توسل، استعانت، تشفع، تجوہ کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جس میں توسل کا معنی پایا جائے۔ کیونکہ دعا کی قبولیت کے لیے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اور آپ مستغیث بہ ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی استغاثہ کرتا ہے تو وہ اس طرح کہتا ہے۔ میں نے اپنی فلاں غرض کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے استغاثہ کیا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ شفاعت چاہنے والا تو وہ ہوتا ہے جو شفیع کو لے کر کسی کے پاس جائے تاکہ وہ اس کی شفاعت و سفارش کر دے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو شفیع بنانے میں یہ صورت ممکن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظی اور لغوی بحث نہیں بلکہ معنی میں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ اور واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جائے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام نے درخواست کی۔ اور جس طرح شفاعت کا معنیٰ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور لفظ تشفع توسل، استغاثہ وغیرہ سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی درخواست کی جائے اور لغتہً بھی

ان لفظوں کے یہی معنی مراد لینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے واسطہ سے درخواست کر سکتا ہے یا نہیں جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ اس شخص کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا عنداللہ بڑا رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ طریقہ یہی ہے کہ ایک انسان جب شفاعت چاہتا ہے تو وہ ایسے شخص کا حوالہ دیتا ہے جس کے بارے میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ اُس کا حوالہ دینے سے اس کی درخواست منظور ہو جائے گی خواہ شفاعت کرنے والا نہ خود موجود ہو اور نہ آ کر شفاعت کر رہا ہو۔ اسی طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے شفاعت طلب کی گئی ہے۔ اور اس صورت میں سائل نہ غیر اللہ سے سوال کرتا ہے، نہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ محبوب اور معظم شخص کا واسطہ قبولیت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ صحیح دعاؤں میں مذکور ہے بعض دعاؤں میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے۔ ''اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے ہر نام کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے تم سے سوال کرتا ہوں۔ میں تم سے اس واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ مانگتا ہوں تیری سزا سے۔ اور تیری بارگاہ کی پناہ مانگتا ہوں تیرے ہر طرح کے غضب سے۔''

حدیث غار سے استدلال:

غار والی حدیث میں نیک کاموں کے واسطہ سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔ اور وہ صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث میں تمام مقامات پر درخواست اور سوال صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے وہ متعدد ہیں۔ اس سے نہ شرک پیدا ہوا نہ غیر اللہ سے سوال ہوا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سوال کرنے سے نبی کریم سے سوال نہیں ہے بلکہ ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال ہے۔ اور جب اعمال کے واسطہ سے سوال جائز ہوا جو کہ مخلوق ہیں تو نبی کریم کے واسطہ سے سوال بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ

کہنا کہ اعمال کے ذریعہ سوال دراصل ان اعمال کی جزاء کی درخواست ہے، درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر جزاء سے درخواست کا تعلق ہوتا تو پھر اعمال کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو پہلی امتوں کا قصہ ہے اس سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اگر اعمال کے واسطہ سے سوال شرک ہوتا تو گذشتہ امت کے لئے بھی جائز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ شرک تو کسی امت میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے میں کیا قباحت ہے۔ ان لفظوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو اس ذات کے ساتھ خصوصی تعلق ہے جس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ لہذا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے میں یہی بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس ذات سے اعلی ہوتا ہے جس سے درخواست کی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جس شخص نے تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اس کو دیدو۔ کوڑھی، گنجے اور اندھے کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ میں تجھ سے اس ذات کے واسطہ سے درخواست کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت کھال عطا کی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ کا حق کا واسطہ دینا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ میں تم سے سوال کرتی ہوں اس حق کا واسطہ دے کر جو میرا تمہارے اوپر ہے۔ اور کبھی جس ذات سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس سے افضل ہوتی ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے کیا جائے۔ اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حق النبی ﷺ کا واسطہ دینے کا جواز:

اسی طرح حق النبی ﷺ کا واسطہ دے کر درخواست کرنا بھی درست ہے۔ حق سے مراد رتبہ اور منزلت ہے یا حضور کا وہ حق مراد ہے جو آپ کا امت پر ہے یا وہ حق مراد

ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خود اپنے اوپر ثابت کر لیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی طرح کا وجوب نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے ان معانی کے اعتبار سے اس لفظ کے استعمال کو منع کیا ہے۔

توسّل کی دوسری حالت:

اس سے مراد توسّل کی یہ صورت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے۔ اس کے ثبوت کے لئے وہ روایت کافی ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع کی کتاب الدعوت میں نقل کی ہے۔

حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک نابینا صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے بینائی مل جائے۔'' حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے لئے بینائی کی دعا کر دوں اور اگر تو اسی حالت پر صبر کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔'' انہوں نے عرض کیا: میں تو دعا کرانا چاہتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔'' حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تو جا وضوء کر اور اچھی طرح وضو کر اور پھر یہ دعا مانگ۔

" اللهمّ انی أسالك و أتوجه اليك بنبيك محمّد نبی الرحمة ، يا محمّد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی ليقضی لی، اللّهمّ شفّعه فیّ "

اے اللہ تعالیٰ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تیرے نبی کریم محمد ﷺ نبی الرحمۃ کے واسطے سے۔ اے محمد! میں تمہارے واسطہ سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہوں اپنی حاجت کے سلسلہ میں تاکہ وُہ میری حاجت پوری کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ تو ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما لے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ امام نسائی

رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اضافہ ہے کہ وہ شخص دعا کر کے کھڑا ہوا تو اس کی بینائی آ چکی تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا تو اچھا ہوگیا۔ ایک سند میں ہے کہ اس نابینا نے کہا: ''اے محمد! میں آپ کے توسّل سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ مجھے بینائی عطا کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما لے اور میرے بارے میں میری شفاعت قبول فرما لے۔''

اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم جدا بھی نہ ہوئے تھے اور نہ بات لمبی ہوئی تھی کہ اتنے میں وہ شخص آیا اور وہ یوں تھا گویا کہ اس کی آنکھوں میں کبھی کوئی خرابی ہی نہ تھی۔ اس حدیث کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارے دعوے کے ثبوت کے لئے یہ حدیث بہت کافی ہے۔

اعتراض:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب کچھ تو اس طور پر ہوا کہ نبی کریم نے اس کی شفاعت کی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے کہا تھا کہ یوں کہہ۔ اے اللہ تعالیٰ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی مکرم کے واسطہ سے۔

جواب:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس دعا کا استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کا تعلق حضور نبی اکرم ﷺ کی اس وقت کی شفاعت سے نہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شفاعت کر کے پھر اس کو اس دعا کی تعلیم دی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے شفاعت کر کے اسکو دعا کی تعلیم دی تھی تو بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے غیر اللہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور پھر یہ بات کہ آ گر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کر چکے تھے تو پھر اس دعا کی تعلیم کی ہی ضرورت نہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی منشاء تو یہ تھی کہ خود ضرورتمند اضطراری اور انکساری کی حالت میں آپ کے واسطہ سے فریاد کرے تا کہ اس کا مقصد مکمل طریقہ پر پورا ہو اور یہ بات حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں اور حضور کی غیبت میں اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ہر حالت میں حاصل ہوسکتی ہے اس لئے کہ ہمیں امت پر حضور کی شفقتوں کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ حضور ﷺ اپنی پوری امت کے لئے استغفار اور شفاعت فرماتے رہے ہیں۔ اب جبکہ بندہ کی توجہ بھی اس کے ساتھ مل جائے گی تو وہ غرض حاصل ہو جائے گی جس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کی رہنمائی فرمائی تھی۔

توسّل کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے آپ کے وصال مبارک کے بعد توسل کیا جائے۔ طبرانی نے معجم کبیر کے پچاسویں جز میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "ایک آدمی اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چکر کاٹا کرتا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے وہ آدمی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اس سے فرمایا جا! وضوء کر اور پھر مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھ اس کے بعد یہ دعا مانگ۔ "اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمد ﷺ کے واسطہ سے جو کہ نبی الرحمۃ ہیں۔ اے نبی مکرم! میں آپ کے واسطہ سے متوجہ ہوں آپ کے رب کی طرف تا کہ وہ میرے ضرورت پوری کردے۔" اور اپنی ضرورت کا تصور رکھنا۔ پھر چل میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے کہے پر عمل کیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو

دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے جا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی مسند پر بٹھادیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ تیری کیا حاجت ہے۔ اس نے اپنی ضرورت بتائی تو انہوں نے وہ فوراً پوری فرمادی اور فرمایا تو نے آج تک اپنی حاجت کا ذکر کیوں نہ کیا تھا؟ تیری جو ضرور ہوا کرے آ کر ہم سے کہہ دیا کر۔ اب وہ شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے کہنے لگا کہ وہ تو میری ضرورت کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے آپ نے ان سے کہا تو انہوں نے میری ضرورت پوری کی۔ حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا۔ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تیرے بارے میں کوئی سفارش نہیں کی۔ ہاں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں تھا کہ ایک نابینا آیا اور اس نے دعا کی درخواست کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کو یہی دعا سکھائی تھی چنانچہ وہ فوراً بینا ہوگیا تھا۔ میں نے تجھے وہی دعا سکھا دی تھی۔

توسل کی دوسری قسم:

توسل کی اس قسم سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ سے دعا کا طلب کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا۔ اس کے تو اس قدر واقعات ہیں جن کو شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ مسلمان اپنی ہر ضرورت میں حضور نبی اکرم ﷺ سے مدد چاہتے تھے۔ اور آپ کی پناہ میں آتے تھے۔

صحیحین میں مذکور ہے کہ "ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا۔ "یا رسول اللہ! جانور ہلاک ہوگئے، راستے بند ہوگئے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ بارش برسا دے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کفرمائی۔ " اے اللہ تعالیٰ! بارش برسا، اے اللہ تعالیٰ بارش برسا۔" پیچھے سے ابر کا ایک ٹکڑا ڈھال جیسا نمودار ہوا اور وہ ابھر کر آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ پھر بارش

شروع ہوگئی۔ راوی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا۔"

حضور نبی اکرم ﷺ کا شفاعت فرمانا:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "دلائل النبوۃ" میں ابووجزۃ السعدی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے حضور کی خدمت میں نبی فزارہ کا ایک وفد آیا اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط میں مبتلا ہے، ہمارے باغات خشک ہیں، ہمارے بچے ننگے ہیں، ہمارے جانور تباہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں وہ ہم پر بارش برسا دے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمادیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ سے میں شفاعت نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمینوں کی وسعت ہے اور وہ اس کی عظمت اور جلال سے چوں چوں کر رہی ہے۔ پھر بقیہ حدیث ذکر کی۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہوگئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اور دعا میں فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! اپنے شہروں کو، اپنے جانوروں کو سیراب فرما دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے مردہ شہروں کو زندہ کر دے۔" اور پھر لمبی دعا اور طویل حدیث ذکر کی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہماری جانیں مشقت میں پڑگئی ہیں، بال بچے ضائع ہوگئے ہیں، مال اور جانور ہلاک ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہماری سیرابی کے لئے دعا فرمادیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے آپ کو اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کو شفیع بناتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کمبخت تو کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے لئے شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع و بلند تر ہے اور پھر وہ کرسی کے چوں چوں کرنے کی بات فرمائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو شفیع بنانے پر جو ناپسندیدگی فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ شفیع اس شخص سے تواضع اور انکساری کے ساتھ بات کرتا ہے جس سے وہ شفاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ

انکساری اور عاجزی کے ساتھ کسی سے بات کہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک بدو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہمارے بچوں کے لئے صبح کو دودھ نہیں ہے۔

أتيتك و العذراء تدمى لبانها

و قد شغلت ام الصبى عن الطفل

و ألقى بكفيه الفتى لاستكانة

من الجوع هونا ما يمرّ و لا يحلى

و لاشىء مما يأكل الناس عندنا

سوى الحنظل العامى و العلص العسل

و ليس لنا الا اليك فرارنا

و اين فرار الناس الا الى الرسل

۱۔ میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور حالت یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔ مائیں بھوک کی وجہ سے اپنے بچوں سے غافل ہو گئی ہیں۔

۲۔ اور ماؤں نے اپنے بچے بھوک کی کمزوری کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیے ہیں۔

۳۔ ہمارے پاس ادنی چیز بھی کھانے کو نہیں ہے۔ سوائے ۔۔۔۔

۴۔ اور ہمارے پاس بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ بھاگ کر آپ کے پاس آئیں اور لوگوں کی جائے فرار رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ اپنی چادر کھینچتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک اٹھا کر فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! ہمیں سیراب کر دے۔ راوی نے پوری دعا کا ذکر

کر کے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ ابھی چھوڑے بھی نہ تھے کہ آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے۔ دیہاتیوں نے آکر کہنا شروع کر دیا۔ ہم ڈوبے، ہم ڈوبے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! ہمارے اطراف پر، اب ہم پر نہیں۔" تو مدینہ منورہ پر سے بادل پھٹ گیا اور مدینہ پر تاج کی طرح بن گیا۔ اس پر حضور اس قدر ہنسے کہ حضور ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے پھر فرمایا۔ ابو طالب کی بھلائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ کوئی ہے جو ان کے اشعار ہمیں سنائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کی حضور ان کے اشعار یہ ہیں:

وَ اَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یَطُوْفُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ

فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ نِعْمَةٍ وَّ فَوَاضِلِ

كَذَبْتُمْ وَ بَیْتِ اللّٰهِ یُبْزٰی مُحَمَّدٌ

وَ لَمَّا نُطَاعِنْ حَوْلَهٗ وَ نُنَاضِلِ

نُسَلِّمُهٗ حِیْنَ نُصْرَعُ حَوْلَهٗ

وَ نَزْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَ الْحَلَائِلِ

۱۔ آپ بہت ہی روشن چہرہ مبارک والے ہیں کہ آپ کے چہرے کے طفیل بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ اور آپ یتیموں کی جائے پناہ، بیواؤں کی عصمت ہیں۔

۲۔ تباہ شدہ آلِ ہاشم اُن کے چکر کاٹتے ہیں۔ تو وہ انکے پاس اکرام اور انعامات میں ہوتے ہیں۔

۳۔ کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا (جب یہ کہا) کہ محمد ﷺ کو مغلوب کر دیا

جائے گا۔حالانکہ ابھی تک ہم نے اُن کے چاروں طرف (آپ کی حفاظت کے لیے) نیزہ بازی کی نہ تیراندازی۔

۴۔ ہم اُن کو اس وقت سپرد کریں گے جب ہم اُن کے چاروں طرف پچھاڑ دیئے جائیں گے۔اور ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا کیا خوب ہیں۔ پھر ان اشعار سن کر بنو کنانہ میں سے ایک شخص کھڑا اور اس نے یہ اشعار کہے:

لَكَ الْحَمْدُ وَ الْحَمْدُ مِمَّنْ شَكَرَ

سُقِيْنَا بِوَجْهِ النَّبِيِّ الْمَطَر

دَعَا اللّٰهَ خَالِقَهُ دَعْوَةً

اِلَيْهِ وَ اَشْخَصَ مِنْهُ الْبَصَر

فَلَمْ يَكُنْ اِلَّا كَمَا سَاعَةً

وَ اَسْرَعَ حَتّٰى رَأَيْنَا الدُّرَر

دفاق العز الى جم البعاف

اغاث به الله عليا مضر

فَكَانَ كَمَا قَالَ عَمُّهُ اَبُوْ

طَالِبِ اَبْيَضَ ذُوْ غُرَر

فَمَنْ يَشْكُرِ اللّٰهَ يَلْقَى الْمَزِيْدَ

وَمَنْ يَكْفُرِ اللّٰهَ يَلْقَى الْغِيَر

۱۔ تیری ہی تعریف ہے تعریف اس کی جانب سے جو شکر گذار ہے۔ ہم نبی کے چہرے کی وجہ سے بارش سے سیراب کئے گئے۔

۲۔ انہوں نے اپنے خالق اللہ تعالیٰ کو صرف ایک بار پکارا۔ اور ان کی نگاہ اوپر کو اٹھی۔

۳۔ نہ ہوئی مگر تھوڑی دیر اور اس سے بھی جلد کہ ہم نے موتی (بارش کی بوندیں) دیکھ لئے۔

۴۔ ------

۵۔ پس آپ اسی طرح ہی ہیں جس طرح کہ آپ کے چچا ابو طالب نے کہا:
بہت روشن چہرہ مبارک اور چمکتی پیشانی والے۔

۶۔ پس جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور زیادہ (نعمتیں) حاصل کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے وہ حوادث سے دوچار ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شاعر نے اچھے شعر کہے ہیں تو تیرے شعر بہت اچھے ہیں۔ اس سلسلہ میں احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بے شمار ہیں۔ اگر وہ تلاش کیے جائیں تو ہزاروں مل جائیں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بہت واضح ہے۔

" ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توّابًا رحيمًا " [النساء : ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

حضور نبی اکرم ﷺ کے قرابت داروں سے توسّل:

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات سے توسل جائز ہے، اُن بزرگوں کے ذریعہ بھی توسل مستحسن اور جائز ہے جن کو حضور سے خاص نسبت ہے۔ جب قحط پڑتا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اے اللہ تعالیٰ! جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی مکرم کو وسیلہ بناتے تھے، تو ہمیں سیراب فرما دیتا تھا اب ہم تیرے نبی مکرم ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہمیں سیراب فرما دے۔ تو وہ سیراب ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا۔ اسی لئے حضرت عباس ابن عتبہ نے کہا ہے۔

بِعَمِّیْ سَقَی اللّٰہُ الْحِجَازُ وَ اَھْلَہٗ
عَشِیَّۃَ یَسْتَسْقِیْ بِشَیْبَتِہٖ عُمَرُ

میرے چچا کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حجاز اور اہل حجاز کو اس شام سیراب کیا جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بڑھاپے کے طفیل سیرابی کی درخواست کر رہے تھے۔

بغداد میں حمزہ ابن القاسم الہاشمی نے استسقاء کی دعا کی تو اس میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ! میں اسی کی اولاد ہوں جس کے بڑھاپے کا واسطہ دے کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی۔ وہ برابر اسی طرح سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ بارش ہونے لگی۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بارش کی دعا کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعا کر کے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! آسمان سے بلا گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ سے ٹلتی ہے میرے واسطہ سے قوم تیری طرف متوجہ ہے۔ چونکہ میرا تیرے نبی سے رشتہ ہے اب ہم گناہوں کے بارے میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے ہیں۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ دعا فرما ہی رہے تھے کہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادل گرجنے لگے۔

اسی طرح کا توسل دوسرے نیک لوگوں کے ذریعہ کرنا بھی درست ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان ہی نہیں بلکہ دیگر کسی مذہب کے ماننے والے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی

ذات مبارکہ اور آپ کی قبر مبارک کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کیوں اختیار کیا؟ تو اس کو سمجھ لیجئے کہ ان کے اس فعل سے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کی قبر مبارک کے توسل کا انکار لازم نہیں آتا۔

حضرت ابو الجوزاء نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچ کر قحط کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی چھت میں سوراخ کر دو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو بارش شروع ہوگئی اور اس قدر بارش ہوئی کہ عشب گھاس بکثرت پیدا ہوئی اور اونٹ اس قدر موٹے ہوگئے کہ چربی سے ان کے بدن پھٹنے لگے۔ اسی لئے اس سال کو عام الفتق (پھٹن) کا سال کہا جانے لگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل دو وجوہات کی بنا پر اختیار کیا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان سے بھی دعا کرانی تھی جیسا کہ انہوں نے کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش کی دعا کرنے والوں میں اور اس بارش سے نفع اٹھانے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ خود بھی بارش کے محتاج تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ تو اس وقت ان باتوں سے بے نیاز تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے رشتہ داری، ان کی اپنی حاجت اور آپ کی ضعیف العمری یہ سب صفتیں جمع تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتا ہے۔ خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کے بوڑھے رشتہ دار سے اور مضطر کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا تھا۔

اعتراض:

اگر مخالف یہ کہے کہ ہم ان دلائل کی بنیاد پر جو ذکر کئے گئے ہیں توسل اور شفاعت طلب کرنے کو منع نہیں کرتے البتہ دعاء میں بجاہ النبی کہنے کو اور استغاثہ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں سے یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ جس شخصیت کی

وجاہت کا واسطہ دیا جارہا ہے یا جس کے ذریعہ استغاثہ کیا جارہا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بڑی شخصیت ہے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا ادنیٰ تصور بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ بجاہ النبی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عالی مرتبہ ہونے کا اعتراف ہے۔ اور ایک عالی رتبہ اپنے سے بڑے عالی رتبہ سے سفارش کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ تعالیٰ پر بڑائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ غرضیکہ توسل، تشفع، تجوہ، استغاثہ، یا حضور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ کرنے یا کسی دوسرے نبی یا کسی نیک شخص سے کرنے کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بتائے کہ استغاثہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو صرف واسطہ قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اپنی عقل پر ماتم کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شفاعت کی دوسری حالت:

شفاعت کی دوسری حالت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد قیامت کے میدان میں حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست ہو۔ یہ شفاعت وہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ اسی کتاب میں ہم اس کی مزید تشریح کریں گے۔

شفاعت کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کی درخواست حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ کی برزخی زندگی میں کی جائے۔ یہ بھی دلائل سے ثابت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''دلائل النبوۃ'' میں مالک الدار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے

لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرما دیں آپ کی امت برباد ہو رہی ہے۔" یہ دعا کرنے کے بعد جب وہ سویا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے خواب میں فرمایا: "عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے ہمارا سلام کہو اور کہہ دو کہ بارش ہوگی اور ان سے کہنا سمجھداری سے کام لو، سمجھداری سے۔" وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو سارا واقعہ سنایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے۔ میں تو بقدر طاقت کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔

روایت کا مفہوم:

اس روایت سے یہی بتانا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد برزخی زندگی میں بھی آپ سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی جاسکتی ہے۔ اس حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ دعا کرانا کوئی مستبعد چیز نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اس حالت میں سائل کے سوال کا علم ہوتا ہے اور بسا اوقات آپ جواب بھی دیتے ہیں۔

توسل کی تیسری قسم:

اس کی صورت یہ ہے کہ اپنا مقصد حضور نبی اکرم ﷺ سے طلب کرے۔ بایں معنیٰ کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اور طلب کر کے اس کے مقصد کو پورا فرما دیں۔ اس سلسلہ کی یہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ جنت میں مجھے اپنا ساتھ عطا فرمائیں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بکثرت سجدے کر کے اس معاملہ میں میری مدد کر۔" اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس سوال میں بھی مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ مقصد حضور پورا فرما دیں گے بلکہ مقصد یہ ہوتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مقصد کے لئے شفاعت فرما دیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا فرما دیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "دلائل النبوۃ" میں مذکور ہے کہ عثمان ابن ابی العاص

رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے قرآن کے معاملہ میں اپنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ اس شیطان کا اثر ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ اے عثمان! میرے قریب آ جا۔" میں قریب ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے کمر تک محسوس کی۔ پھر فرمایا: اے شیطان! عثمان کے سینہ سے نکل جا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد میرا حافظہ اس قدر قوی ہوا کہ جو سنتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔"

دیکھو حضور نبی اکرم ﷺ کا شیطان کو نکل جانے کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا اور حقیقتاً اس فعل کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ شیطان کے نکالنے میں حضور مستقل بالذات تھے۔ اور قدرت الٰہی کا اس میں کوئی دخل نہ تھا بلکہ کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح کی صورت میں یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے صورتاً طلب ہے ورنہ دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام سفارش کرنے والے کی طرح ہے۔ اب اس کو خواہ توسل کہیں یا تشفع یا استعانت یا تجوہ یا توجہ سب کے یہی معانی ہیں۔

تشفع کے بارے میں گذشتہ احادیث مبارکہ میں وفدِ بنی فزارہ کا قول حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے مذکور ہے۔ انہوں نے عرض کیا تھا۔ تَشَفَّعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ" (اپنے رب سے ہماری سفارش فرما دیں۔) اسی طرح نابینا صحابی والی حدیث میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو تشفع کے معنی میں ہیں۔ تجوہ اور توجہ کے ایک ہی معنی ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

وَكَانَ عِنْدَاللّٰهِ وَجِيْهًا۔ [احزاب: ۶۹] وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آبرو رکھتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔" وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" [آل عمران: ۴۵] دنیا اور آخرت میں مقام والے تھے۔

مفسرین نے وجیہاً کے معنی صاحب جاہ و مرتبہ کے کئے ہیں۔ جوھری نے کہا ہے۔ وجیھاً ای ذُوْجَاہٍ وَ قَدْرٍ وَالْجَاہُ : اَلْقدر وَالْمَنْزِلَةُ۔ ابن فارس نے کہا ہے۔ فُلَانٌ وَجِيْهٌ اے ذو جاہ۔ جب تم یہ بات سمجھو گئے تو تجوہ کے معنی ہوئے توجہ بجاہ۔ اور اس

سے مراد اس کا وہ رتبہ اور قدر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

استغاثہ کا معنی ومفہوم:

استغاثہ کا معنی ہے غوث (مدد) طلب کرنا۔ اب کبھی غوث، اس غوث کے خالق سے طلب کی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ " اذ تستغیثون ربکم " [انفال:۸] جس وقت تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے۔

اور کبھی غوث کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جس کی طرف اس کی نسبت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ یہ فعل سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ ان ہی معانی کے اعتبار سے ہے۔

استغاثہ کبھی متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے اور کبھی باء کے ساتھ اس کا تعدیہ کردیا جاتا ہے تو اِسْتَغَثْتُ النَّبِیَّ اور اِسْتَغَثْتُ بِالنَّبِیِّ کے ایک ہی معانی ہیں۔ یعنی ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مدد طلب کی کہ وہ ہمارے لئے دعا فرمادیں۔ غوث کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خَلق کے اعتبار سے ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف کسب (اس فعل کو ادا کرنے) کے اعتبار سے ہے۔ تو استغاثہ بالنبی یا توسّل بالنبی بالکل درست اور جائز ہے۔ لغۃً بھی اور شرعاً بھی جیسا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا تھا۔ اَغِثْ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ غَوَاثٌ۔ اگر تیرے پاس مدد ہے تو مدد کر۔

امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "معجم کبیر" میں ایک روایت ہے جو بظاہر غیر اللہ سے استغاثہ کو منع کرتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ چلو اس منافق کے بارے میں ہم رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ سے اس منافق کے بارے میں استغاثہ کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ استغاثہ مجھ سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔"

اس روایت کے راوی ابن لہیعہ ہیں اور ان پر کافی اعتراضات ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو چند معانی پر محمول کی جائے گی۔ ایک تو یہ کہ

معاملہ دراصل یہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بحکم الٰہی منافقین پر مسلمانوں کے احکام جاری کر رکھے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی خاص منافق کو قتل کرانا چاہتے تھے تو ظاہر ہے کسی منافق کے بارے میں حکم الٰہی کے خلاف حضور اکرم ﷺ عمل نہیں فرما سکتے تھے تو حضور کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ اس معاملے کا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لیے میں اس میں کچھ نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ منشائے ایزدی کے خلاف دعا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور کسی شرعی حکم میں بغیر وحی الٰہی کے تبدیل نہیں کر سکتے تھے تو لَا یُسْتَغَاثُ بِی (مجھ سے استغاثہ نہیں ہوتا) اگرچہ عام تھا لیکن مراد یہ خاص معاملہ تھا۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقتاً مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ کا مستغاث بہ ہونا مجازاً ہے۔ تو حضور کا یہ فرمانا: " لَا یُسْتَغَاثُ بِی اِنَّمَا یُسْتَغَاثُ بِاللّٰہِ " ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو اونٹ عطا فرمائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اونٹ نہیں دیے اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ تو ایسا فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ مجھ سے استغاثہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا ہے کیونکہ حقیقتاً مستغاث بہ وہی ہے۔ اور اس طرح سے کئی بار احادیث میں آیا ہے۔

قرآن کریم فعل کی نسبت اس فعل کے سرانجام دینے والے کی طرف کرتا ہے۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ " تم میں سے کسی کو اس کا فعل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ " اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ " ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون " (جنت میں داخل ہو جاؤ ان افعال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: " اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمائے گا۔ " پس سرکار دوعالم ﷺ نے ادب کے طور پر ھدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ " و جعلنا منهم آئمة يهدون بأمرنا " (اور ہم نے ان میں سے آئمہ بنائے جو ہمارے امر کی ھدایت دیتے ہیں۔) پس اللہ تعالیٰ نے ھدایت کی نسبت ان آئمہ کی طرف فرمائی ہے اور یہ بسبیل کسب

ہے۔ اور اسی قبیل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے ہے۔ " انك لتھدی الیٰ صراط مستقیم " (بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ھدایت دیتے ہیں۔) اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان " انك لاتھدی من أحببت " (بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں) دراصل اس میں اپنے محبوب کو تسلی دینا ہے اور بوجھ کو دور کرنا ہے جو آپ ﷺ پر آپ کے چچا ابو طالب کے اسلام قبول نہ کرنے پر تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور باقی رہا ھدایت کا معاملہ تو وہ دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ پس آپ اس حوالے سے پریشان نہ ہوں۔

بہر حال استغاثہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے جس سے غوث حاصل ہو سکے۔ بایں معنیٰ کہ وہ خالق اور موجد غوث ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ۔ اور اس شخص سے بھی کیا جا سکتا ہے جو غوث کا سبب بن سکے۔ بخاری شریف میں قیامت کے دن کی شفاعت والی حدیث میں مذکور ہے۔" استغاثوا بآدم ثم بموسیٰ ثم بمحمّد" (یعنی لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر حضرت محمد ﷺ سے۔)

پس یہ لفظ استغاثہ کے استعمال میں حجت ہے۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ استغاثہ اور سوال کا معنیٰ ایک ہی ہے خواہ اس کو جس لفظ سے بھی تعبیر کیا جائے۔ اور اختلاف اس کی ضروریات میں ہے باقی رہا شرعی جواز تو وہ واضح ہے۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کا انکار، یہ درست نہیں کیونکہ اس کے جواز کا ثبوت ہم نے احادیث مبارکہ اور آثار سے فراہم کر دیا ہے۔

نواں باب

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اخروی زندگی کا بیان

جو احادیث ہم نے گزشتہ باب میں بیان کیں وہ اس موضوع پر مشتمل تھیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور آپ سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہم نے مناسب سمجھا کہ دیگر انبیائے کرام و صالحین اور دیگر اموات کی زندگی کا بھی ذکر کر دیں۔ ہم نے یہ ذکر چند فصلوں میں مرتب کر دیا ہے۔

پہلی فصل

انبیائے کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی کا احادیث سے ثبوت

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس میں اس موضوع پر احادیث جمع کی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ **"الأنبياء صلوات الله عليهم أحياء في قبورهم يصلون"** (انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں)

ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الکامل" میں اس حدیث مبارکہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

حدیث کی سند کا بیان:

رواه ابن عدی فی الكامل انا غير واحد اذنا حمزة بن يوسف انا احمد بن عدی الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي مولى المعتمد على الله امير المؤمنين ثنا الحسين بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني ثن المستلم بن سعد الثقفي عن الحجاج الاسود عن ثابت البناني عن انس قال قال رسول الله ﷺ : " الأنبياء صلوات الله عليهم أحياء في قبورهم يصلون "

سند پر تبصرہ

ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ حسن بن قتیبہ سے یہ حدیث غریب حسن ہے اور میری رائے ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابن ابی حاتم نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی۔ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے البرقانی کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اس "الجزء" میں ذکر کیا جس کو انہوں نے ابو سعید احمد بن محمد بن الخلیل الصوفی عن ابن عدی کی سند سے ذکر کیا ہے۔ اور پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ یہ حدیث حسن بن قتیبہ کے تفردات میں سے شمار کی جاتی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

قد روی عن یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید و هو فیما انا الثقة من اهل العلم انا ابو عمرو بن حمدان انا ابو یعلیٰ الموصلی ثنا ابو جهم الازرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ:
"الأنبياء صلوات الله عليهم أحياء في قبورهم يصلون"

اور میں کہتا ہوں کہ یحییٰ بن ابی بکیر ثقہ ہیں اور المستلم بن سعید ثقہ ہیں اور حجاج اگر تو یہ ابن ابی الزناد ہیں تو ثقہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہیں تو میں نہیں جانتا

دوسری حدیث:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کی سند اس طرح ہے۔

اخبرنا عبداللہ الحافظ انا ابو حامد احمد ابن علی الحسنوی املاءً ثنا ابو عبد الله محمد بن عباس الحمصی بحمص ثنا ابو الربیع الزهرانی

ثنا اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ عن النبیّ ﷺ قال:" أن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلةً و لكنّهم يصلّون بين يدى الله تعالیٰ حتى ينفخ في الصّور"

انبیائے کرام علیہم السلام چالیس راتوں کے بعد قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے ہیں ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں جب تک کہ نفخ صور ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر یہ حدیث اگر انہی الفاظ کے ساتھ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر چالیس دن ایسے گزرتے ہیں پھر مسلسل اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ احادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد بھی انبیائے کرام علیہم السلام کو زندگی حاصل رہتی ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنا

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سندوں سے یہ حدیث نقل کی ہے: " مررت بموسى و هو قائم يصلي في قبره " (میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔)

ایک اور حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے

قد رأيتني في جماعة من الأنبياء فاذا موسى قائم يصلي و اذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة و اذاعيسى ابن مريم قائم يصل اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي و اذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم ،يعني نفسه،فحانت الصلاة فأممتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل لي يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام "

حضور نبی اکرم ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک شخص تھے چھریرے بدن کے گھنگریالے بالوں والے گویا کہ شنوءہ قبیلہ کے ایک شخص تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے مشابہ تھے۔ اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے صاحب سے مشابہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ اے محمد ﷺ! یہ مالک ہیں جو دوزخ کے داروغہ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو خود انہوں نے مجھے سلام کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ" حضور اکرم ﷺ کی انبیائے کرام علیہم السلام سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی" اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے معراج کے حوالے سے روایت ہے کہ" حضور اکرم ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام سے آسمانوں میں ملے اور باہمی گفتگو ہوئی۔"

یہ سب روایتیں صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ابتداءً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا پھر ان کو بھی بیت المقدس میں لے جایا گیا جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ کو لے جایا گیا پھر حضور کی طرح ان کی بھی آسمانوں کی جانب معراج ہوئی۔ لہذا مختلف احادیث میں مختلف مقامات پر ملاقات ہونے کا ذکر ہے۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک اور روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو اوس ابن اوس سے مروی ہے انہوں نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ" تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن انکی وفات ہوئی۔ اسی دن نفخہ ہوگا اسی دن صعقہ ہوگا۔ اسی دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔

تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''حضور! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''انّ اللّٰہ تعالیٰ حرّم علی الأرض أن تاکل أجساد الأنبیاء'' (اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔) اس روایت کو امام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ ان میں سے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''أکثروا الصّلاۃ علیّ فی یوم الجمعۃ فانہ لیس یصّلی علیّ أحد یوم الجمعۃ الا عرضت علیّ صلاتہ'' (جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ جمعہ کے دن جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ میری امت کے درود مجھ پر ہر جمعہ کو پیش کیے جاتے ہیں۔ تو جس کے جس قدر زیادہ درود ہوں گے تو اسی قدر وہ رتبہ میں مجھ سے قریب ہوگا''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن ہر جگہ مجھ سے قریب تر وہ ہوگا جو دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجے گا۔ پس جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب مجھ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا، ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ اور پھر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے اور اس کو میری قبر میں داخل کر دیتا ہے جس طرح تم پر ہدیے داخل ہوتے ہیں وہ مجھ پر درود بھیجنے والے کا نام و نسب اور قبیلہ بتا دیتا ہے۔ پھر میں اس کو سفید صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔''

امام بیہقی نے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ ''تم جہاں بھی ہو وہاں سے تمہارا درود مجھ پر پہنچ جاتا ہے۔'' اور یہ حدیث بھی بیان کی ہے۔ ''جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ

تعالیٰ نے میری روح واپس کردی ہوئی ہے تاکہ میں اس کا جواب دوں'' امام بیہقی نے فرمایا اس کے معانی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی روح لوٹا دی ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث ذکر کی ہے'' اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گشت لگاتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔'' حضور اکرم ﷺ کا جو امتی آپ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور آپ سے فرشتہ عرض کرتا ہے۔ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔'' جو شخص میری قبر کے پاس آکر درود بھیجے گا وہ میں سنتا ہوں۔'' پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی پر جو احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے۔'' جب مجھے صعقہ سے ہوش آیا تو میں نے دیکھا موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا ان کو اس بیہوشی سے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا تھا۔'' اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حدیث سے استدلال:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پہلے صور پر بیہوشی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی ہیں اور وہ اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو دوسروں کے ساتھ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے لیکن ان کی یہ موت بھی ہر حیثیت سے موت نہ ہوگی بلکہ محض شعور کا فقدان ہوگا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے تو ان کا شعور اور احساس بھی باقی رہے گا اور ان کی طور پر بے ہوشی اس بیہوشی کے بدلے

حساب میں جڑ جائیگی۔ اسی طرح شہداء بھی اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلائل النبوۃ میں سلیمان التیمی اور ثابت البنانی کے حوالے سے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''معراج کی شب میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خود کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا پس موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے احوال کا ذکر کیا اور فرمایا: پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے سب کی امامت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی حدیث میں یہ بیان کیا تھا کہ آپ ﷺ کی انبیائے کرام سے ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی۔

اشکال کا ازالہ:

ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان کیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کے لیے بھیجا گیا اور آپ نے ان سب کو لیلۃ الاسراء جماعت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث صحیحہ میں بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھا۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ملاقات ہوئی ہے۔ پہلے نبی اکرم ﷺ نے اپنے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کو بیت المقدس لے جایا گیا جس طرح ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ کو لے جایا گیا پس آپ ﷺ نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر ان کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو لے جایا گیا پس آپ نے ان کو آسمان پر دیکھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو پہلے زمین پر

دیکھا پھر ان کو آسمان پر۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام چونکہ شہداء کی طرح زندہ ہیں اس لیے ان کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر تشریف لے جانا ممکن ہے جس طرح اس کا تذکرہ حدیث صحیحہ میں ہوا ہے۔ یہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ اکلام تھا۔

حدیث اسراء میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حضرت آدم علیہ السلام سے آسمان دنیا پر ملاقات ہوئی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اس حالت میں تھے کہ ان کے دائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی اور بائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں جانب دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا "خوش آمدید! اے نیک نبی اور نیک بیٹے" حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی۔ وہ بیتِ معمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے اور حضور ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج ہوئی میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا ان کا قد لمبا تھا، گھنگریالے بال تھے۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے فرد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کا درمیانہ قد تھا، رنگ سفید سرخی مائل تھا، سر کے بال سیدھے تھے۔" ایک دوسری حدیث میں ہے وہ ہلکے جسم کے تھے۔ پھر میری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ درمیانہ قد سرخ رنگ کے تھے گویا غسل خانہ سے نکل کر آرہے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں ان سے زیادہ مشابہ ہوں۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔" ایک شب مجھے کعبہ کے پاس دکھایا گیا تو میں نے ایک گندمی رنگ کے ایک ایسے حسین شخص کو دیکھا جو گندمی رنگ والے انسانوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اور ان کے سر پر حسین ترین زلفیں تھیں جن میں کنگھی کی ہوئی تھی ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا یا راوی نے کہا تھا کہ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے۔" میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے میری اسراء کے احوال دریافت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کے بارے میں ایسی چیزوں کے

متعلق سوال کیا جو میں نہ دیکھ سکا تھا تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اس قدر پریشان نہ ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا اب وہ جو سوال کرتے تھے میں دیکھ کر ان کو جواب دے دیتا تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، ہلکے بدن کے تھے، گھنگریالے بالوں والے تھے گویا کہ شنوہ قبیلہ کے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ ابن مسعود ان سے مشابہ تر ہیں۔ میں نے دیکھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان سے مشابہ تر ہوں۔ پھر نماز کا وقت آ گیا اور میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ یہ داروغہ جہنم مالک ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے پہلے سلام کیا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ حضور وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو فرمایا: "میں گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں گھاٹی سے نیچے اتر رہے ہیں اور لبیک کہہ رہے ہیں۔" پھر حضور ہرشیٰ گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: "گویا کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں وہ اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پٹھے کی ہے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ "گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ دونوں کانوں میں انگلیاں دیے ہوئے ہیں۔" اور یہ سب احادیث بخاری میں موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی بہت سی احادیث میں جسمانی صفات بیان کئے گئے ہیں اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ان سب کی امامت کرنے کا ذکر ہے۔

اعتراض:

حدیث میں لفظ اَرانی آیا ہے۔ اس لیے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیکھنا محض خواب

میں دیکھتا تھا اور لفظ ''أراني'' اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جواب:

حضور اکرم ﷺ اسراء ومعراج کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس اسراء و معراج کے بارے میں جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں ہوئی تھی نیند کی حالت میں نہ تھی اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ سب خواب کی باتیں ہیں تو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ اور ''أراني'' کا لفظ خواب کی حالت پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ''رأيتني في الحجر'' بتا رہا ہے۔ اور دیگر باتوں سے عیاں ہے کہ یہ واقعات خواب میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں آپ نے دیکھے تھے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ''فلا تكن في مرية من لقائه'' [السجدہ: ۲۳] سو مت رہو دھوکے میں اس کے ملنے سے۔'' اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے۔ ''واسئل من أرسلنا من قبلك من رسلنا'' [الزخرف: ۴۵] اور پوچھ ان سے جو رسول بھیجے ہم نے آپ سے پہلے'' اس آیت کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رسل کرام علیہم السلام سے معراج میں پوچھا تھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ جب انبیائے کرام علیہم السلام وصال فرما چکے ہیں تو حج کیسے ادا فرماتے ہیں؟ اور تلبیہ کیسے پڑھتے ہیں؟ پھر وہ دار آخرت میں ہیں دار آخرت دار عمل نہیں ہے وہاں حج اور تلبیہ کیسا؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب

یاد رکھیں انبیائے کرام علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور جب شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو انبیائے کرام علیہم السلام بھی زندہ ہیں ان کے حج کرنے اور نماز پڑھنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ وہ ان اعمال کے ذریعہ مزید تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں اگر چہ وہ اس دنیا میں جو کہ دار العمل ہے اس میں نہیں رہے مگر ان کے عمل کرنے کا سلسلہ اب بھی منقطع نہیں ہوا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بھی عمل ہے اور وہ ذکر اور دعا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''دعواهم فيها سبحانك اللهمّ'' [یونس : ۱۰] اور ان کی دعا یہ ہوگی'' اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے۔''

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دکھائی گئی ہوں اور حضور یہ شب معراج کے واقعات نہ بیان کر رہے ہوں یا حضور کو تمثیلاً ان انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیوی زندگی دکھائی گئی ہو کہ وہ انھوں نے کس طرح گذاری ہے۔

چوتھا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو ان کا حال جو دنیا میں تھا دکھایا گیا ہو اور پھر ان کے احوال تمثیلاً دکھائے گئے ہوں کہ ان حضرات کا حج اور تلبیہ کیسے تھا۔

پانچویں صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ تمام باتیں وحی کے ذریعے بتائی گئی ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے آنکھ سے نہ دیکھی ہوں۔ یہ تو جیہات قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر اعتراضات:

شب اسراء انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر ہونے والے اعتراضات کا صحیح جواب ان دو میں سے ایک ہے۔

ایک تو یہ کہ عالم برزخ پر دنیا کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ وہاں بھی عمل کو

بڑھایا اور زیادہ اجر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلے جواب کا یہی مطلب ہے۔

دوسرے یہ کہ آخرت میں انسان مکلف نہیں رہتا اور یہ ضروری نہیں کہ اعمال مکلف ہونے کی حیثیت سے ہی کئے جائیں۔ یہی اعمال بطور لذت کے بدون تکلیف کے کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کی حالت میں سجدہ کریں گے تو یہ بھی عبادت ہی ہے لیکن حضور کا یہ فعل کسی حکم کی بجا آوری کے لئے نہ ہوگا بلکہ عجز و انکسار کے اظہار کے لئے اور بطور لذت کے ہوگا۔

حضرت ثابت البنانی تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کی تھی۔ ''اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی طاقت دی ہو تو مجھے بھی عطا فرما دے۔'' چنانچہ خواب میں دیکھا گیا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح قبض کرتے وقت یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا میں مزید رہیں اور چاہیں تو دار آخرت میں آ جائیں۔ اگر وصال کے بعد ان کے نیک اعمال مزید درجات کے اضافہ کا سبب نہ بنتے تو وہ ہرگز پسند نہ فرماتے اور یہی چاہتے کہ دنیا میں زیادہ عرصہ رہ کر اپنے مراتب مزید بڑھاتے رہیں۔

یہ چند احادیث ہم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی کے ثبوت کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی آیات موجود ہیں جو ان کی زندگی کو بتاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے ربّ کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنّت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔'' [آل عمران : ۱۶۹]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شہداء زندہ ہیں۔ اور جب شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو چند وجوہ سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ ایک یہ ہے شہداء کو یہ مرتبہ ان کے اعزاز کے لئے دیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم

السلام کا رتبہ تو شہداء سے بلند ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اعزاز شہداء کو تو حاصل ہو مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ حاصل ہو۔ خصوصاً جبکہ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب اور انس کا ذریعہ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ رتبہ شہداء کو اس لئے حاصل ہوا کہ انھوں نے اپنی جانیں اللہ تعالی کے لئے قربان کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے کہ جس نے جہاد کی یہ عبادت جاری کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور اس راہ کی بحکم خداوندی رہنمائی کی اور خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من سنّ سنةً حسنةً فله اجرها و أجر من عمل بها الٰی یوم القیامة و من سنّ سنةً سیئةً فعلیه وزرها و وزر من عمل بها الٰی یوم القیامة"

جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کا اس کو اجر ملے گا اور جو لوگ قیامت تک اس طریقہ پر چلیں گے ان کو اجر ملے گا۔ اور اس اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ان لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملتا رہے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح جس کسی نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس کا گناہ ملے گا۔ اور قیامت تک اس پر چلنے والوں کے ساتھ اس کو بھی گناہ ملتا رہے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے:" جس شخص نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر اس شخص کو ملے گا جو اس ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے اور ان کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا اس غلط کام کرنے والے کو ملے گا اور ان کے گناہوں میں کمی نہیں کی جائے گی۔" اسی مفہوم کی بہت سی صحیح احادیث مشہور ہیں۔

پس ان قواعد کی رو سے جو اجر ہر شہید کو ملے گا وہ اجر حضور اکرم ﷺ کو بھی ملے گا اور شہید کو بطور اجر زندگی ملی ہے۔ لہذا وہ زندگی بھی حضور ﷺ کو حاصل ہو گی۔ غرض کہ

ہر مسلم کے حسنات اور اعمالِ صالحہ جس طرح اس کے اعمال نامہ میں درج ہوں گے حضور ﷺ کے صحائف میں بھی لکھے جاتے رہیں گے اور حضور ﷺ کو امت کے اشخاص کی شمار سے اتنے گنا زیادہ ثواب اور اجر ملے گا کہ عقل اس کی شمار سے عاجز ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اس کو شمار کر سکتا ہے۔ اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اور اس کا اتنا اجر اس کے استاد یا مرشد جس نے اس کو یہ نیک عمل سکھایا تھا اس کو بھی اس کے برابر عمل ملتا ہے اور اس کے شیخ کے شیخ کو اس سے دوگنا اور اس کے شیخ کو اس سے دوگنا اور اسی طرح یہ اجر بڑھتا ہوا حضور اکرم ﷺ تک کئی گنا ہو کر آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ پس اگر حضور ﷺ کے بعد دس درجات شمار کر لیے جائیں تو حضور اکرم ﷺ کو پہنچنے والا اجر ۱۰۲۴ (ایک ہزار چوبیس) ہوگا۔ اور جب اس دسویں فرد کے ذریعے گیارھویں فرد ھدایت پاتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کا اجر ۲۰۴۸ (دو ہزار اڑتالیس) ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ اجر بڑھتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح جتنا اجر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا وہ تمام کو تمام حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہوا اور اسی لیے سلف کو خلف پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ جتنا نیک عمل خلف کرتے ہیں اتنا ہی اسلاف کو اس کا اجر ملتا ہے۔ اور اسی لیے علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے اور دعوت دین کو اہمیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح اہل بدعت کو بدعات سیئہ کرنے کی وجہ سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور ان بدعات پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اس بدعت کے شروع کرنے والے کو ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ خود بھی شہداء میں داخل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو خیبر میں قاتل زہر بھنی ہوئی بکری کے گوشت میں کھلایا گیا۔ حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ نے بھی وہ گوشت کھایا وہ فوراً شہید ہو گئے مگر حضور اکرم ﷺ بطور معجزہ زندہ رہے جس کا اثر حضور نبی اکرم ﷺ وفات کے وقت تک محسوس فرماتے رہے۔ اور جس مرض میں وفات ہوئی اس میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ خیبر والے زہر سے میری ابہری رگ کٹ رہی ہے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات میں نبوت اور شہادت جمع ہو گئی ہیں۔

جو زندگی شہداء کے لئے ثابت ہے وہ صرف انہی کے لئے ہی نہیں ہے جو کسی معرکہ میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ ہر قسم کے شہیدوں کے لئے ہے جیسا کہ طاعون اور ہیضہ میں مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے شہداء۔

لفظ شہید کی تحقیق:

لفظ ''شہید'' فعیل کے وزن پر ہے جو شاہد یا مشہود کے معنی میں ہے۔ شہید کو شہید کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ نضر ابن شمیل نے یہ بتائی ہے کہ شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ شاہد و مشہود بن سکتا ہے۔ اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ اس قول کی بنا پر جس کو شہید کہا گیا ہے وہ زندہ ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شاہد کے معنی میں ہے تو اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ وہ پہلی امتوں پر گواہ بنے گا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کا شاہد ہے اور اگر وہ مشہود کے معنی میں ہے تو شہید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی موت کے وقت ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور اس کی روح منازل قدس میں لے جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حضور ﷺ کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات اخروی کی کیفیات:

اب یہ ضروری ہے کہ ہم اس زندگی کی تفسیر کریں جو ہم حضور اکرم ﷺ کے لئے ثابت کر رہے ہیں اور اس زندگی کی بھی جو شہداء یا دیگر مُردوں کو حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مال وصال کے بعد بھی آپکی ملکیت میں تھا۔

امام الحرمین نے کہا کہ جو چیزیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ملکیت میں تھیں وہ اسی طرح وصال کے بعد بھی آپ کی ملکیت میں تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو اسی طرح خرچ کرتے تھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں خرچ کیا کرتے تھے اور ان کا یہی خیال تھا کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کیلئے زندگی ثابت ہے لہذا ان کی

ملکیت بھی باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بڑھ کر ہے۔

اشکال:

اب غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک کہتا ہے: ''انک میّت و انّھم میّتون'' [الزمر:۳۰] (بے شک آپ پر بھی موت طاری ہونے والی ہے اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں) نیز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا: ''میں بھی مرنے والا ہوں'' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد فرمایا تھا: ''ہمارے آقا محمد ﷺ پر تو موت طاری ہوگئی ہے۔''

اشکال کا ازالہ:

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ پر طاری ہونے والی یہ موت، دائمی موت نہ تھی۔ بلکہ کچھ وقت کے لئے تھی پھر آپ زندہ کر دیے گئے۔ ملکیت ختم ہونے کا تعلق دائمی موت سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اخروی زندگی شہداء کی زندگی سے اعلیٰ اور اکمل ہے وہ روح کے لئے بلا کسی اشکال کے ثابت ہے اور جسم کے لئے بھی ثابت ہے اسی لئے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور روح کا جسم میں واپس آنا سب مُردوں کے لیے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء اور انبیائے کرام علیہم السلام۔

قابل غور امر یہ ہے کہ آیا وہ روح مستقل طور پر جسم میں آجاتی ہے اور جسم اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا یا وہ جسم بغیر روح کے زندہ رہتا ہے اور روح مشیت ایزدی کے ماتحت کسی اور جگہ رہتی ہے؟ روح کے ساتھ زندگی کا تعلق ایک عادی امر ہے عقلی نہیں ہے۔ عقل ممکن سمجھتی ہے کہ جسم بغیر روح کے زندہ رہے۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ روح کی زندگی کے ساتھ جسم کو بھی جداگانہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے اس لئے کہ نماز کے ارکان کا تعلق

جسم کے اعضاء سے ہے۔

شب معراج کے بیان میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جو حالتیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی جسمانی صفات ہیں لیکن آخرت میں جسم کی وہ صفات اور ضروریات نہ ہوں گی جو دنیا میں تھیں۔ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس لیکن ادراکات جیسا کہ جاننا اور سننا ہے حاصل ہوں گے۔ ہم اس کا ثبوت تمام مُردوں کے لیے کریں گے تو پھر انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ کیوں حاصل نہیں ہوں گے؟

دوسری فصل:

شہداء کی زندگی کا بیان

علمائے کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ شہید پر زندگی کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ ان کی زندگی حقیقی ہے یا مجازی؟ اور اگر حقیقی ہے تو کیا اب حاصل ہے یا قیامت میں حاصل ہوگی؟ اور اگر اب حاصل ہے تو وہ روح کو حاصل ہے یا جسم کو؟

اس بارے میں یہ چار اقوال ہیں۔ ان میں سب سے کمزور قول یہ ہے کہ وہ قیامت میں زندہ ہونگے اب زندہ نہیں ہیں۔ یہ قول کئی اعتبارات سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ شہداء کی قیامت کی زندگی کو تو سب سمجھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی ہی انوکھی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔

حیات شہداء کی قرآن کریم سے دلیل:

شہداء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و یستبشرون بالذین لمّ یلحقوا بھم من خلفھم [آل عمران : ۱۷۰]

وہ (حیات جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحاں وشاداں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ

نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی جو (تاحال) ان سے نہیں مل سکے (انہیں ایمان اور طاعت کی راہ پر دیکھ کر) خوش ہوتے ہیں"

تو شہداء کی زندوں کو بشارت دینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اب زندہ ہیں ورنہ قیامت میں تو کوئی دنیا میں زندہ نہ ہوگا وہ کس کو بشارت دیں گے؟

حیات شہداء پر احادیث مبارکہ سے دلائل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالے نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیں وہ جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں جو قندیل لٹکے ہوئے ہیں ان میں وہ رہتی ہیں۔ جب انھوں نے اپنے کھانے پینے اور خواب گاہوں کی عمدگی دیکھی تو کہا کوئی ہمارے بھائیوں کو بتادے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہاد سے بے رغبتی نہ برتیں اور جنگ میں منہ نہ موڑیں۔ اس پر حضرت حق نے فرمایا، میں تمھارا پیغام ان کو پہنچادوں گا،، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی" **ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون**"[آل عمران: ۱۶۹] (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے ربّ کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔" یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور وہ ان قندیلوں میں ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں۔ ایک بار اللہ تعالیٰ نے ان کو دیکھا تو استفسار فرمایا: " تمہاری اور کوئی تمنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: " ہم

اور کیا تمنا کریں جنت میں جہاں کہیں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں" حضرت حق نے تین بار ان سے یہی کہا کچھ اور تمنا؟ آخر انھوں نے عرض کیا: "اے اللہ تعالیٰ! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم تیرے راستہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں" حق تعالے نے محسوس فرمایا کہ اب ان کی کوئی حاجت باقی نہیں ہے تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔"

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کو قیامت سے پہلے سے زندگی حاصل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری حضور نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا: "جابر تم رنجیدہ معلوم ہوتے ہو" میں نے عرض کیا" بیشک یارسول اللہ۔ میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور بہت سی اولاد اور قرض چھوڑ گئے ہیں" تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں" تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب کسی سے بات کی ہے پردے کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے والد کو زندہ کیا اور بغیر پردے کے بات کی اور فرمایا: اے میرے بندے! کچھ تمنا کر میں تیری تمنا پوری کروں گا تو اس نے عرض کیا مجھے دوبارہ زندہ کردے تاکہ میں تیرے راستہ میں جہاد کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ تو ممکن نہیں ہمارا فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی نہ لوٹے گا" اور اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:" **ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل أحیاء عند ربهم یرزقون**" [آل عمران: ۱۶۹] یہ روایت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اس سند کے حوالے سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور حدیث کے یہ الفاظ "اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا" نئی زندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور روح تو زندہ ہوتی ہے۔ ------------

ان روایتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ شہداء اب بھی زندہ ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شہداء کو زندگی حاصل ہے لیکن وہ حقیقی زندگی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ یعنی ان کو

زندہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے اعتبار سے جنت میں نعمتوں کے مستحق ہیں یا اس اعتبار سے کہ ان کے دل میں تمنائیں باقی ہیں۔

ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر بلا کسی دلیل کے مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہے۔ تو اب لامحالہ شہداء کی زندگی اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حقیقی زندگی روح کو حاصل ہے یا روح اور جسم دونوں کو؟ بعض علماء کے نزدیک یہ زندگی صرف روح کو حاصل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں یا پپوٹوں میں ہیں اور جسم کی حیات تو تب ہوتی جب روحیں جسموں میں ہوتیں۔

بعض علمائے کرام کے نزدیک زندگی روح اور جسم دونوں کو حاصل ہے اور وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ بات صرف شہیدوں کو ہی حاصل نہیں ہے بلکہ سب مُردے اپنی قبور میں روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور عذاب وثواب کا تعلق روح اور جسم دونوں سے ہے۔ امام قرطبی نے اپنی کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ شہداء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے باپ اور عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہما دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ایک زمانہ میں بارش کے بہاؤ نے ان کی قبر کو کھول دیا۔ دیکھا گیا کہ دونوں اصلی حالت میں ہیں اور ان کے جسموں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے اور مرتے وقت ان کا ہاتھ زخم پر تھا قبر کھلنے پر دیکھا گیا کہ ان کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹایا لیکن وہ پھر اسی زخم پر آ گیا اور یہ غزوہ احد سے چھیالیس سال بعد کا قصہ ہے۔

اسی طرح غزوہ احد سے پچاس سال بعد کی بات ہے کہ حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک نہر کی کھدائی کروائی اور احد کے شہداء کو کھدائی کی جگہ سے منتقل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کے پاؤں میں کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہو گیا اور حضرت عبداللہ ابن حزام رضی اللہ عنہ کی نعش کو دیکھا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ کل دفن ہوئے ہیں۔ تمام اہل مدینہ نے بیان کیا ہے کہ ولید کے دور میں قبر نبی رضی اللہ عنہ کی ایک دیوار گر گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم نظر آ گیا جو بالکل صحیح حالت میں تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی شہداء میں شمار ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی اور یہ یاد رکھئے کہ یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس نے قتال محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کیا ہو۔ اب اگر اس کے قتال کا مقصد یہ نہ تھا تو وہ حقیقتاً شہید نہیں ہوگا۔ اسی لئے بعض ایسے اشخاص جو جہاد میں مرے ہیں ان کے اجساد کو زمین کھا جاتی ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ جسم کا بقاء زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ اور یہاں بحث شہداء کی زندگی سے تھی۔ شہداء کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ وہ کہیں گے ہماری روح ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائے تا کہ ہم پھر جہاد کر کے شہادت حاصل کریں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی اس روح کے علاوہ دوسری روح کے ذریعہ زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے۔

شہداء کی ارواح کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ جاتی ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں۔ اور عام مومنوں کی روحیں قبور میں ہیں امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہی رائے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں ذکر کی ہے۔

حدیث پر اعتراض:

بعض مالکیہ نے اس حدیث کو یہ کہہ کر غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اس صورت میں تو

وہ ایک درجہ میں تو وہ ارواح قیدی ہوگئیں۔

جواب:

یہ اعتراض غلط ہے اور حدیث بہرحال صحیح ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روحیں پیٹوں کے اندر نہیں ہیں بلکہ پیٹوں کے اوپر ہیں اور حدیث میں لفظ ''فی'' یہاں ''علی'' کے معنی میں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روحیں پرندوں کے پیٹوں میں نہیں بلکہ پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہوگی جو جنت کے درختوں سے غذا حاصل کریگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ تمام شہیدوں کی روحیں ایک شکل سے نہ ہوگی بلکہ بعض پرندوں کے پیٹوں میں ہونگی۔ بعض پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ بعض سفید پرندوں کے پیٹوں میں ہونگی۔ بعض جنت کی صورتوں میں سے کسی صورت میں ہونگی۔ بعض ان صورتوں میں ہوں گی جو ان کے اعمال سے متصور ہوں گی بعض وہ ہوں گی جو اپنے جسموں کے پاس آتی جاتی رہیں گی۔ بعض ارواح وہ ہوں گی جو مردوں کی روحوں سے ملاقات کریں گی اور بعض وہ ہوں گی جو حضرت آدم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ قول سب سے اچھا ہے کہ اس قول کے اعتبار سے تمام احادیث اپنے اپنے محل میں صحیح ہو جاتی ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

تیسری فصل:

تمام مُردوں کے سننے، بات کرنے، محسوس کرنے، زندہ ہونے اور روح کے جسم میں واپس آنے کا بیان

مردے کے سننے اور بات کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا

جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے جدا ہو کر اتنی دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھٹ پٹ سنتا ہے تو دو فرشتے اس مردے کے پاس پہنچتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ مردہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں تو وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں جہنم میں جو تیرا ٹھکانہ تھا اس کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ دونوں ٹھکانوں کو بیک وقت دیکھتا ہے۔ رہا کافر اور منافق تو وہ اس سوال کے جواب میں کہتا ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہہ دیا کرتا تھا تو اسے کہا جاتا ہے" تو نے نہ سمجھا نہ پڑھا۔" پھر ایک ہتھوڑا اس کے کانوں کے بیچ میں مارا جاتا ہے تو وہ اس سے چیختا ہے جس کو اس کے آس پاس کی چیزیں سوائے جن وانس کے سب سنتی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی طرح روایت کیا ہے مگر اس میں الفاظ اس طرح ہیں" و اما المنافق او المرتاب "

ترمذی میں اس طرح ہے کہ دو فرشتے مومن سے کہتے ہیں" نم کنومة العروس " تو اب سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے اور اسکا محبوب ترین شخص بیدار کرتا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اسکو کاندھوں پر اٹھاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر وہ بد ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ ہائے ہائے مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ اس کی آواز انسانوں کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔"

ان احادیث پر غور کریں! جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اس قدر واضح اور کثرت سے ہیں کہ ان کو مجاز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور حدیث کے الفاظ " اس مردہ کی آواز انسان کے علاوہ سب سنتے ہیں" سے صراحۃً معلوم ہوا کہ مردہ کلام کرتا ہے۔ اور سننے کے بارے میں تو وہ حدیث بہت قوی دلیل ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بدر کے مقتولین کو جو کنویں میں پڑے ہوئے تھے پکار کر گفتگو فرمائی تھی اور

پھر صحابہ کرام علیہم السلام سے فرمایا تھا'' تم میری آواز ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔''

مُردوں کے احساس کے بارے میں وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جو عذاب قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں واضح ترین وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔'' میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جارہا تھا ایک طرف میں اور دوسری طرف ایک اور صاحب تھے حضور نبی اکرم ﷺ درمیان میں تھے آپ ﷺ دو قبروں کے پاس پہنچے اور فرمایا:'' ان دونوں قبروں میں مدفون اس وقت عذاب میں مبتلا ہیں تم دونوں میں سے کون ہے جو کھجور کی ایک شاخ توڑ کر لائے ؟'' ہم دونوں دوڑے لیکن میں ساتھی سے پہلے شاخ توڑ کر لے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کو اوپر سے چیر کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا:'' جب تک ان شاخوں میں تری رہے گی ان پر عذاب میں کمی کردی جائے گی۔ اور فرمایا ان میں سے ایک غیبت کی وجہ سے اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے۔'' اس حدیث کو امام طیالسی نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ قبر ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے اور مردہ اس کو محسوس کرتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو کہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں۔ اللہ تعالی کے اس قول کا مطلب یہی ہے'' یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا و فی الآخرۃ '' [ابراھیم : ۲۷] (اللہ تعالی ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے جو مردوں کے حکم کے بارے میں جامع ہے اور اس میں صراحت ہے کہ روح جسم میں لوٹ کر آجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چلے۔ آپ ﷺ جب قبر کے پاس پہنچے تو بیٹھ گئے اور ہم آپ کے چاروں طرف خاموشی کے

ساتھ اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کبھی آسمان کی جانب دیکھتے کبھی زمین کی جانب۔ پھر فرمایا: ''میں عذاب قبر کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں'' یہ جملہ چند بار ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا: ''مومن بندہ جب دنیا کے آخری وقت اور آخرت کے ابتدائی وقت میں ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے سرہانے آکر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: ''اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل'' تو اس کی روح ایک قطرہ کی مانند نکلتی ہے اور کچھ روشن رو فرشتے جنت کا کفن، حنوط خوشبو لے کر آجاتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اس روح کو جسم سے نکال لیتا ہے تو وہ فرشتے اس سے اس روح کو لے لیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔'' **توفته رسلنا و هم لايفرطون** '' [الانعام: ٦١] یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے (تو) ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں اور وہ خطا (یا کوتاہی) نہیں کرتے''

اب اس کی روح بہترین خوشبو کی مانند اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے تو اس کو فرشتے لے کر آسمان کی جانب چڑھتے ہیں اور جب وہ آسمان و زمین کے درمیان کسی گروہ کے پاس سے گذرتے ہیں تو وہ گروہ پوچھتا ہے یہ کس کی روح پاک ہے تو فرشتے اس کا بہترین نام لے کر ان کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ فرشتے دنیا کے آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہ ان کے لیے کھول دیا جاتا ہے پھر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کو حکم ملتا ہے کہ اس کا نام علیین میں لکھ دو۔ قرآن پاک میں ہے: '' **وما أدراك ما عليّون كتاب مرقوم يشهده المقربون** '' [المطففین: ۹.۸] اور تجھ کو کیا خبر کیا ہے علیون؟ وہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا جس کی گواہی مقربین دیتے ہیں۔

اس کا نام علیین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے اب اس کو دنیا میں لوٹا دو اس لیے کہ میں کہہ چکا ہوں '' **منها خلقناكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارة اخرى** '' [طه: ۵۵] (اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر ڈالتے ہیں

اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار)

تو وہ روح دنیا کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر دو سخت مزاج فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہہ دیتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ بتا تو کیا کہتا ہے اس شخص کے بارے میں جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرّم ہیں۔ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرّم ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح نشانیاں لے کر آئے تھے اور اس کی تصدیق کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاۃ الدّنیا و فی الآخرۃ ''[ابراھیم : ۲۷] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔)

اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعلان ہوتا ہے۔ میرا یہ بندہ سچا ہے اسکو جنت کا لباس پہنا دو۔ اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو اور جنت میں اس کی جگہ ہے وہ اس کو دکھا دو۔ چنانچہ ایسا کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر میں حد بصر کشادگی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لئے اس کے اعمال ایسے حسین ترین شخص کی صورت میں اس کے پاس لائے جاتے ہیں جس کا بہترین لباس ہوتا ہے اور اس میں سے خوشبو مہکتی ہے۔وہ آ کر کہتا ہے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کی ہیں ان کی بشارت حاصل کر ،اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت حاصل کر ، اس جنت کی بشارت حاصل کر جس کی نعمتیں دائمی ہیں۔ وہ مردہ اس سے کہتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ خیر کی بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ معاملہ ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا ،میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بڑا تیز رو تھا اور گناہ کرنے میں بہت سست تھا۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر عنایت کی ہے تب وہ مردہ کہتا ہے'' اے اللہ تعالیٰ! جلد قیامت قائم کر دے

تا کہ میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ سکوں۔"

اور اگر وہ بدکار ہے تو آخری وقت میں فرشتہ آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔"اے خبیث روح! نکل اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا پیغام سن" پھر کچھ فرشتے آ جاتے ہیں جن کے چہرے کالے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اس کی روح نکال لیتا ہے، یہ فرشتے فوراً اس سے لے لیتے ہیں اور جب وہ اس کی روح کو لے کر چلتے ہیں تو آسمان و زمین میں سے جہاں کہیں سے گزرتے ہیں مجمع اس سے پوچھتا ہے یہ خبیث روح کس کی ہے؟ تو وہ اس کا بدترین نام لیکر بتاتے ہیں پھر جب وہ دنیاوی آسمان کے پاس پہنچتے ہیں تو اس کا دروازہ نہیں کھلتا اور حکم ہوتا ہے اس کو دنیا میں واپس لے جاؤ ہمارا وعدہ ہے " منها خلقناكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارة اخرى"[سورہ طه : ۵۵]اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار تو فرشتے اس کی روح زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔:" و من يشرك بالله فكانّما خرّ من السماء"[حج : ۳۱] (اور جس نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کا وہ ایسے ہے جیسے گر پڑا آسمان سے)

اب اس کی روح اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو فوراً دو فرشتے سخت مزاج آتے ہیں اور اس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں۔ اس شخصیت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجی گئی تھی؟ تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا نام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور کہتا ہے۔ لوگ یہ نام لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے اعمال ایک بدروح شخص کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جس کے کپڑے میلے، بدن بدبودار ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے " اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غصہ کی بشارت حاصل کر لے۔" وہ مردہ اس سے کہتا ہے تو کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے " میں تیرے اعمال ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری میں نہایت سست اور گناہ کرنے میں بڑا چست تھا'' ایک دوسری سند میں یہ الفاظ بھی ہیں'' اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو بہرا، گونگا ہوتا ہے اور اسکے ہاتھ میں ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے ۔ وہ اس سے اس مردے پر ایسی ضرب لگاتا ہے جس کو جن وانس کے علاوہ سب سنتے ہیں ۔ پھر اس میں روح دوبارہ لوٹا دی جاتی ہے اور وہ پھر اس کو اسی ہتھوڑے سے مارتا ہے۔''

حدیث کا مفہوم:

اس حدیث سے مردے کا سننا، کلام کرنا، بیٹھنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم میں لوٹ آتی ہے ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مردے کو جب لوگ دفن کر کے واپس ہوتے ہیں وہ اتنے دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھسکھساہٹ سنتا ہے تو اس مردے کو بٹھایا جاتا ہے اور اس کا کفن اس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اس سے سوالات ہوتے ہیں''۔

اہل سنت کا اجماع:

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہوتا ہے ۔ امام الحرمین نے کہا ہے کہ امت کے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے ۔ مردہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے اور روح جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ '' و أحييتنا اثنتين ''[المؤمن: ۱۱] زندگی دے چکا تو دو بار'' کے معنی یہی ہیں۔ ایک تو قبر میں زندگی سوالات کے لئے دی جاتی ہے اور ایک حشر میں زندگی ہو گی۔ یہی دو زندگیاں ہیں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے ورنہ دنیا کی زندگی میں تو وہ کافر تھا اس نے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا تھا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ان سب باتوں پر ایمان لانا اہل سنت کا

مذہب ہے ۔ اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی لغت اورزبان کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے وہ سب ان باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کی رائے:

معتزلہ کا قول ہے کہ جو مرگیا وہ قبر میں قیامت تک مردہ ہے۔ مگر بعض معتزلہ نے عذابِ قبر کا اقرار کیا اور کہا کہ قیامت کے نفختین کے درمیان عذاب ہوگا۔ لیکن یہ اقوال صحیح احادیث کے مخالف ہیں ۔

ملحدین کی رائے:

بعض ملحدوں نے عذابِ قبر کا انکار کیااور یہ دلیل بیان کی کہ پھانسی دیئے ہوئے شخص کو شیر نے پھاڑ دیا ہو اوراُسکے بدن کے اجزاء جداجدا ہو گئے ہوں اس کے لئے یہ عذاب کیسے متصور ہوسکتا ہے؟

عقائد فاسدہ کا رد:

علمائے کرام نے ان اعتراضات کے مختلف جوابات دیئے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سوالات بدن کے مخصوص اجزاء سے کیئے جائیں ۔ مثلاً قلب کے اجزاء سے اور اللہ تعالی ان میں روح ڈال دے ۔ بعض نے کہاہے کہ سولی پر چڑھے ہوئے انسان میں روح ڈال دی جاتی ہواور اورہمیں احساس نہ ہو ۔جیسا کہ سکتہ کی حالت میں انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔اورجن مردوں کے اجزاء متفرق ہوگئے ہوں اللہ تعالی ان کے ہر جز میں روح ڈال کرسوال کرسکتا ہے ۔

بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ جو مردے قبروں میں ہیں ان کو تو بٹھایا جاتا ہے ارو سوالات کیئے جاتے ہیں اور جو زمین میں نہیں ہیں ان پر جو احوال طاری ہوتے ہیں زندوں کی آنکھوں سے ان کو محجوب کردیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملائکہ کا معاملہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو وہ نظر آتے ہیں مگر عام مومنین ان کو نہیں دیکھ پاتے ہیں ۔ جو لوگ

قبروں میں مردوں کی حیات کے منکر ہیں وہ اس آیت سے ''انك لا تسمع الموتیٰ و ما أنت بمسمع من في القبور ''[الروم: ۵۲] (سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہ تو سنا سکتا جو قبروں میں ہیں) اور اسی طرح حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف سے کہ جس میں انہوں نے بدر کے کنوئیں کے مُردوں کے سماع سے انکار کیا ہے، سے استدلال کرتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب تو یہ کہ ہم بھی ان کے نہ سننے کے قائل ہیں جب تک کہ وہ مردہ ہیں البتہ جب ان کو اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے پھر وہ سنتے ہیں۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ ان کے سماع کا انکار کیا ہے لیکن یہ کہا ہے '' اب انھیں معلوم ہوگیا ہے علم بھی زندہ کی صفت ہے'' تو معلوم ہوا کہ وہ حیات اور زندگی کی قائل تھیں۔

بہر حال قبر کے یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں اور صحیح احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا ان کی تصدیق اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

کیا قیامت کی زندگی کے بعد موت پھر طاری ہوگی؟

اب یہ سوال کہ کیا قبر کی اس زندگی کے بعد مردوں پر موت طاری ہو جائے گی؟ اور قیامت میں پھر زندہ ہوں گے؟ یا یہ زندگی دائمی ہوگی؟

احادیث میں اس کا قبروں میں زندہ ہو کر پھر مرنا مذکور نہیں ہے البتہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول'' و احییتنا اثنتین '' کے یہ معنی کئے ہیں کہ ایک موت تو دنیا کی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قبر میں زندگی کے بعد طاری ہوگی۔ لیکن عام علمائے کرام جو عذابِ قبر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی مسلسل رہے گی۔ صحیح احادیث اسی کی مقتضی ہیں جیسا کہ پہلی ایک روایت میں آیا ہے کہ مردے سے کہہ دیا جائے گا کہ تیرا یہی ٹھکانا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ تجھے نہ اٹھائے گا۔ اور قرآن میں بھی مذکور ہے: '' یعرضون علیها غدوا و عشیا '' [المؤمن: ۴۶] : (وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں صبح و شام)

جانوروں کا عذاب قبر سننا:

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ بنی نجار کے ایک باغیچہ میں خچر پر سوار جا رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ کا خچر اتنا بدکا کہ آپ گرنے کے قریب ہو گئے۔ دیکھا تو وہاں باغ میں چند قبریں ہیں حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کوئی ان قبروں کے مُردوں کو جانتا ہے؟ ایک صاحب بولے کہ میں جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے استفسار فرمایا کہ یہ کب مرے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شرک کی زندگی میں مرے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ عذاب میں مبتلا ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم ڈر کر دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر کی وہ کیفیت سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔'' یہ حدیث بتاتی ہے کہ عذاب مسلسل جاری رہتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک قبر سے آواز سنی تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ کسی نے کہا یہ جاہلیت کے دور کی قبر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دے'' قرآن مجید میں ان لوگوں کا یہ قول جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ''من بعثنا من مرقدنا'' [یٰسین: ۵۲] (کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند سے؟) بھی زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ سونا زندہ کی صفت ہے۔

''من بعثنا من مرقدنا'' کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ نفخات کے درمیان عذاب قبر مرتفع ہو جائے گا یعنی نفخہ فزع، نفخہ صعقہ، نفخہ نشر کے درمیان عام مشرکین پر عذاب نہ ہوگا بجز اس کے جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا، یا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا، یا نبی کے بالمقابل جنگ میں مارا گیا ہوگا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عذاب صبح اور شام ہوگا اور قیامت سورج چڑھنے پر قائم ہوگی اس وقت ان پر عذاب نہ ہو رہا ہوگا اور وہ سوئے ہوئے ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح جسم میں واپس آتی ہے اور سوالات کے وقت مردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس وقت سے قیامت تک یا تو راحت میں ہوتا ہے یا عذاب میں۔ یہ بات مسلسل ہے یا وقفہ وقفہ سے؟ اور یہ معاملہ صرف روح کے ساتھ ہے؟ یا روح اور جسم دونوں کے ساتھ؟ ان میں سے ہر بات عقلا جائز ہے لیکن اس سلسلہ میں شرعا کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے کسی خاص پہلو پر صحیح طور پر استدلال کیا جا سکے۔ ہاں حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشار فرمایا ہے: ''مرنے کے بعد انسان کا ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے'' تو اگر جسم کا کوئی حصہ بھی باقی رہتا ہے تو زندگی اس سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اگر وہ سارے کا سارا بوسیدہ ہو جائے تو پھر زندگی کا تعلق صرف روح سے رہے گا۔ ایک وقت میں وہ بھی فنا ہو گی اس کو بھی دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مردے ایسے ہوں گے جن سے عذاب قبر کا تعلق نہ ہو گا جیسے شہید یا جو جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات کو مرے، یہ لوگ سوالات سے مستثنیٰ ہونگی۔

اس تمام بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ یقیناً تمام مردے اپنی روحوں اور جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ رہیں گے۔ اور یقیناً سوال و جواب کے بعد ان کے لئے عذاب یا ثواب جاری رہے گا۔ یہ عذاب و ثواب فقط روح کے لئے ہو گا یا روح اور جسم دونوں کے لئے یہ بات سماع پر موقوف ہے۔

حضرت سعید ابن السکن نے اپنی سنن میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی کھسکھساہٹ سنتا ہے اگر وہ مومن ہوتا ہے تو اس کی نماز اس کے سرہانے آتی ہے۔ پھر مزید کچھ باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اس کی قبر میں ستر گز وسعت پیدا کر دی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے اور جس طرح سے جسم کی ابتداء ہوئی تھی اسی طرح سے جسم کا اعادہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح بہترین روحوں میں شامل کر دی جاتی ہے۔ وہ اڑتی پھرتی ہے اور جنت کے درختوں سے خوراک حاصل کرتی رہتی ہے''۔

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''حجرے میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دفن کر دیے گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شرم کی وجہ سے جب میں کبھی اس میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے باندھ کر داخل ہوتی ہوں۔'' امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ حدیث شیخین کی شرائط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چوتھی فصل

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی کیفیت کا بیان

آپ نے عام مردوں اور شہداء کے بارے میں لوگوں کے اقوال سنے اور یہ معلوم ہو گیا کہ روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت تک اس میں رہنا اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ روح قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹے گی۔ اور آپ یہ بھی سمجھ گئے کہ نیکوں کی روحوں کو نعمتیں حاصل ہوں گی خواہ وہ شہداء ہوں یا نہ ہوں اور بدبختوں کو عذاب ہوتا رہے گا۔

شہداء اور غیر شہداء کی حیات میں فرق:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شہداء کے علاوہ دیگر کو بھی قبر میں پھر سے زندگی عطا ہوتی ہے تو پھر شہداء اور غیر شہداء میں کیا فرق ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس آیت میں شہداء کی زندگی کو بتایا گیا ہے اس میں دوسروں سے زندگی کی نفی نہیں کی گئی۔ اس میں تو صرف ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ شہداء زندہ نہیں ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زندگی کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان بدبختوں کو بھی زندگی حاصل ہے جن کو عذاب ہو رہا ہے اور مومنین کو بھی جو نعمتوں سے نوازے جا رہے ہیں لیکن شہداء کی زندگی اعلیٰ و اکمل ہے۔ زندگی کی یہ اعلیٰ قسم اور رزق ان کو حاصل نہیں جو ان کے

ہم رتبہ نہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی سب سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس لئے کہ یہ دائمی زندگی روح اور جسم ، دونوں کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بہرحال ان کی زندگی شہداء کے اعتبار سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ روح کے لئے اس اعتبار سے کہ اس کو دربار خداوندی سے زیادہ قرب حاصل ہے اور ان کے لیے بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس طرح وہ دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور متصرف ہیں۔

صحابہ کرام کا ادب بارگاہ نبوی بعد از وصال نبی ﷺ:

مذکورہ پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ موت کے بعد وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں اس کے ساتھ تھا۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں واجب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "نبی اکرم ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ نبی کی وفات کے بعد۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کوئی کھٹکا کرتا تھا تو کہلا بھیجتی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی چوکھٹ وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جا کر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبر مبارک کے پاس شور نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے۔ ان روایات کو امام حسینی نے اخبار المدینہ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے تو نے رسول اللہ ﷺ کو قبر میں ستایا ہے۔"

جو شخص بھی سلف صالحین ، صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت کا مطالعہ کرے گا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی ایسا ہی ادب برتتے تھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں۔ اور قبر مبارک کے ساتھ بھی ان کا یہی معاملہ

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ہر صبح کو آسمان سے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں، قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور خشوع وخضوع سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ واپس ہو جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور وہ بھی صبح کے فرشتوں کی طرح عمل کرتے ہیں۔" جب حشر ہوگا تو حضور اکرم ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں ہوں گے۔ قبر مبارک کے پاس صرف ان ستر ہزار فرشتوں کی موجودگی میں دعا ہو تو کس قدر قبولیت کے قریب ہوگی چہ جائیکہ حضور اکرم ﷺ کی بھی موجودگی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب بارگاہ نبوی

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دو نوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی۔ ہم طائف کے باشندے ہیں اور وہاں سے آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہیں کوڑے لگاتا۔ تم حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں اس قدر بلند آواز سے بولتے ہو۔" یعنی چونکہ تم پردیسی ہو مسجد نبوی کے آداب سے پورے واقف نہیں ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات جمع کریں اور بتائیں کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے آثار کی کس قدر تعظیم کرتے تھے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ صرف صحابہ کرام ہی نہیں ملائکہ تک حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے تھے۔

ملائکہ اور ادب بارگاہ نبوی ﷺ:

ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حسین صورت عمدہ لباس میں جس میں سے خوشبو مہک رہی تھی آیا۔ حضور ﷺ کو سلام کیا حضور نے جواب دیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں جناب سے ذرا قریب ہو جاؤں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں قریب آجاؤ۔ ہم نے آپس میں ذکر کیا کہ ہم نے آج تک اتنا مؤدب شخص نہیں دیکھا۔ پھر اس نے اور قریب ہونے کی درخواست کی۔ پھر اس نے چند سوال کئے جن کا حضور ﷺ نے جواب دیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو سوال و جواب کے ذریعے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔" اب غور کیجئے کہ جبرائیل امین علیہ السلام بھی آپ ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اور کس قدر ادب سے پیش آتے تھے اور یہی حال ملک الموت کا تھا۔

غرضیکہ بے شمار واقعات اور احادیث حضور اکرم ﷺ کی تعظیم اور ادب کے بارے میں منقول ہیں اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت نہ کی جائے اور زیارت کے لئے سفر نہ کیا جائے اور آپ سے استغاثہ نہ کیا جائے وہ یقیناً آپ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بے ادبی سے بچائے۔

بارگاہ نبوی کی بے ادبی پر قرآن کی وعید:

" احکام القرآن " میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد میں حضور ﷺ کی فلاں زوجہ مطہرہ سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی'' و ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ و لا ان تنکحوا أزواجه من بعده أبدا ''[احزاب : ۵۳] (اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ تعالی کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے بعد کبھی بھی)

غور کیجئے ! اللہ تعالیٰ نے نبی معظم ﷺ کو اذیت پہنچانے کو کس درجہ میں ممنوع قرار دیا ہے کہ وصال مبارک کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کو بھی حرام قرار دیا اس لئے کہ یہ فعل نبی اکرم ﷺ کے لیے اذیت کا سبب ہے اور اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ زندگی میں اذیت محسوس کرتے تھے موت کے بعد بھی محسوس فرماتے ہیں۔ تو جو شخص اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا سبب بن جائے اور دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے محفوظ رکھے۔ اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ قیامت کے دن ہماری نجات کی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے زمرے میں داخل رکھے اور ان کے جھنڈے تلے قیامت میں اٹھائے اور آپ کے حوض سے ہمیں سیراب کرے اور آپ کی شفاعت اور رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین۔

پانچویں فصل:

اس تمام بحث سے مقصود موت کے بعد سننے اور ادراک کرنے وغیرہ کو ثابت کرنا تھا۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ تمام چیزیں زندگی کے خواص ہیں مرنے کے بعد کیسے پائی جا سکتی ہیں ؟ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بھی مُردوں کے لئے یہ امور ثابت نہیں کر رہے بلکہ ان میں زندگی کے واپس آ جانے پر ان کے لئے یہ ثابت کر رہے ہیں یعنی ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سنتے ہیں۔ اب یا تو صرف روح زندہ ہے اور جسم مردہ ہے یا روح اور جسم دونوں زندہ ہیں۔ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ جسم اور روح۔ جسم جب مر جائے اور روح اس میں نہ لوٹے تو زندگی کے امور میں سے کوئی بھی اس میں نہیں پایا جاتا یعنی نہ وہ سنتا ہے اور نہ اس میں احساس رہتا ہے البتہ اگر اس میں روح لوٹ آئے تو وہ سنتا ہے اور زندگی کے باقی امور بھی پائے جاتے ہیں۔ نفس انسانی مرنے کے بعد باقی رہتا ہے اور اس کو علم و احساس حاصل

ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھی جب بدر کے کنویں کے مردوں کے سننے کا انکار کیا تو اس بات کا اقرار کیا کہ ان مردوں کو علم ہوا ہے۔

نفس کے باقی رہنے کے معنی اس کا دائمی بقا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم کے فنا کے وقت اس کو بھی فنا فرما دینگے پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ نفس جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ پھر جب فنا ہو گا تو قیامت میں زندہ کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ نفس کو معقولات کا ادراک ہوتا ہے۔ محسوسات مثلاً مسموع کے ادراک کے بارے میں متکلمین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نفس ہی براہ راست ادراک کرتا ہے، بعض کہتے ہیں حواس ادراک کرتے اور وہ نفس تک ان محسوسات کو پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں قولوں کے مطابق نفس مسموع کا ادراک کرتا ہے۔ بہر حال وہ سنتا ہے۔

روح کی حقیقت:

اس بحث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ روح کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے اس میں بہت سی لمبی بحثیں ہیں اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ روح جسم ہے یا عرض یا دونوں کا مجموعہ وہ جوہر فرد متحیز ہے یا جوہر فرد غیر متحیز اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔"قل الروح من أمر ربّي "[بنی اسرائیل : ۸۵] (فرما دیجئے روح میرے ربّ کے امر سے ہے)

علمائے کرام اور مفسرین نے اس میں بحث کی ہے کہ ان کا سوال روح انسانی سے متعلق تھا یا روح بمعنیٰ فرشتہ سے؟ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوال روح انسانی کے بارے میں تھا۔ پھر اگر سوال روح انسانی کے بارے میں تھا تو اس کی حقیقت کے بارے میں یا اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سوال اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا۔ چنانچہ قرآن کا جواب اسی کو بتاتا ہے جواب میں کہا گیا ہے:"

قل الروح من أمر ربی '' یعنی فعل اللہ ہے جو کہ حادث ہے ۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال روح کی حقیقت کے بارے میں تھا ان میں یہ اختلاف ہے کہ جواب میں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں حقیقت نہیں بتائی گئی اس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے ۔علم انسانی اس قدر قلیل ہے کہ اس کا ذہن اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امر رب ہے یعنی وہ عالم امر کی چیز ہے ۔ عالم دو مانے گئے ہیں ۔ ایک عالم امر ہے اور ایک عالم خلق ہے ۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

'' سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا'' [الاعراف۔۵۴]

عالم امر میں وہ اشیاء داخل ہیں جو کلمہ کن سے پیدا کی گئی ہیں ۔ قرآن پاک میں ہے'' اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہے اس کو ہو وہ ہو جائے'' [یسین ۸۲] عالم امر اور عالم خلق کی زیادہ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

روح امر رب میں سے ہے۔ امر رب سے مراد شرع ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم شرع میں داخل ہو جاؤ، کتاب و سنت پر عمل کرو روح کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ جو لوگ روح کو جوہر و جسم قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک لامحالہ وہ زندگی کے ساتھ متصف ہے ۔ روح کو عرض کہنا تو عقل سے بعید ہے فلاسفہ روح کو جوہر مجرد متحیز مانتے ہیں ۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا روح کے بارے میں نظریہ:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے '' احیاء علوم الدین '' میں روح کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایک ربانی لطیفہ ہے اور وہی انسان کی حقیقت ہے اور یہ مدرک، عالم اور عارف ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخاطب ہے اور اس کو جسمانی قلب سے ایک خاص علاقہ ہے ۔ اسی لطیفہ ربانی کو روح ،نفس ، قلب ،عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ نہ

روح جسمانی ہے، نہ نفس شہوانی، نہ قلب صنوبری۔

اطباء کے نزدیک روح کی اقسام:

اطباء اس پر متفق ہیں کہ روحیں تین ہیں۔

۱۔ روح طبعی وہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز جگر ہے پھر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔

۲۔ روحِ حیوانی وہ ایک لطیف جسم ہے اور اس کا مخزن قلب ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے اور وہ قوت حیات کی حامل ہے۔

۳۔ روح نفسانی یہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز دماغ ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اس کا عمل حس وحرکت ہے۔

اطباء نے نفس ناطقہ کا جو انسان کے ساتھ ہے ذکر نہیں کیا جو ہمارا اصل مقصد ہے۔ وہ فلاسفہ جو نفس ناطقہ کے قائل ہیں اور اس کو جوہر مجرد مانتے ہیں وہ اس کو زندہ، عالم، متکلم، سمیع، بصیر، قادر، ارادہ مانتے ہیں لیکن اس کو ممکن الوجود موجود بایجاداللہ تعالی، حادث اور مخلوق کہتے ہیں اور وہ ہر اس چیز کو مخلوق کہتے ہیں جو ناپ تول اور اندازے میں آ سکے اور اسی کو عالم خلق کہتے ہیں اور عالم امر ان موجودات کو کہتے ہیں جو حس، خیال، جہت، مکان، حیز سے خارج ہیں اور وہ ناپ تول اور اندازے کے ماتحت نہیں آتیں۔ شریعت بظاہر روح کو متحیز قرار دیتی ہے حدیث میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "انسان کی موت کے وقت اس کے پاس ملائکہ پہنچتے ہیں اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں" اے نفس مطمئنہ نکل آ تو پاک جسم میں تھا قابل تعریف ہو کر نکل آ اور راحت و آرام کی بشارت حاصل کر لے رب تم پر راضی ہے ناراض نہیں ہے۔" وہ فرشتے برابر یہی کہتے رہتے ہیں حتی کہ وہ نکل آتی ہے اور پھر وہ اس کو لے کر آسمانوں پر جاتے ہیں اور اس کا ہر جگہ استقبال

ہوتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ علیین میں پہنچ جاتی ہے۔ قرآن نے بھی فرمایا ہے۔ ''یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية '' [الفجر : ۲۷، ۲۸] ترجمہ: (اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس پر راضی ہے اور وہ تم پر راضی ہے۔)

دسواں باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا ذکر خیر اس لیے کیا ہے تا کہ پہلی حدیث جو کہ شفاعت کے موضوع پر ہے اس کی شرح کی جا سکے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے: ''من زار قبری وجبت له شفاعتی'' جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ہم اسی بحث پر کتاب کو ختم کر رہے تا کہ ہمیں آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شفاعت کی اقسام:

آخرت کی شفاعت کے بارے میں مجمل بات یہ ہے کہ اس کی پانچ اقسام ہیں جو سب سرکار دوعالم ﷺ کے لیے ثابت ہیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جو صرف سرکار دوعالم ﷺ کو حاصل ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں دوسرے بھی شریک ہیں لیکن ان میں پہل سرکار دوعالم ﷺ کو حاصل ہوگی۔

عام شفاعت صرف سرکار دوعالم ﷺ کو حاصل ہے۔ دوسری بعض شفاعتیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہیں ان کی نسبت سرکار دوعالم ﷺ کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔ مطلقًا شافع صرف سرکار دوعالم ﷺ ہیں۔ اور حدیث '' وجبت له شفاعتی'' میں شفاعت خاصہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور دوسری اقسام بھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر آئمہ نے فرمایا ہے کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں۔

پہلی قسم: میدان حشر میں حساب شروع کرنے کے لیے شفاعت:

یہ شفاعت صرف سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکار دوعالم ﷺ قیامت کے میدان میں فرمائیں گے کہ حساب جلد شروع کیا جائے اور میدان قیامت میں زیادہ ٹھہراؤ نہ ہو اور یہی شفاعت عظمٰی ہے جس کے سب قائل ہیں۔

دوسری قسم: بغیر حساب جنّت میں دخول کی شفاعت:

یہ شفاعت بھی صرف سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکار دوعالم ﷺ قیامت کے دن فرمائیں گے اور ایک قوم کو جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل کریں گے اور اس کے بارے میں حدیث میں یوں مذکور ہے

''میں کہوں گا: ''اے میرے رب! میری امت! میری امت! تو کہا جائے گا۔ اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی امت کے ایسے آدمیوں کو داخل کردو جن پر نہ حساب ہے نہ مؤاخذہ''

ایک حدیث میں ہے: یدخل من أمّتی الجنة سبعون ألفًا بغیر حساب فقال رجل یارسول اللہ! ادع اللہ أن یجعلنی منھم فقال: اللّٰھمّ اجعله منھم، والرجل عکاشة۔

''میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔'' ایک شخص نے عرض کیا حضور! دعا فرمائیں کہ میں انہی میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ! اس کو ان (جنتیوں) میں سے کردے۔ اور وہ عرض کرنے والا صاحب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ کسی نے سرکار دو عالم ﷺ سے سوال کیا وہ ستر ہزار کون ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ فال نکالتے ہیں، نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے سامنے امتیں لائی گئیں میں نے دیکھا کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک قبیلہ ہے کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں، کوئی نبی اس طرح ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے پھر ایک بڑا مجمع سامنے آیا تو میں نے تمنا کی کاش یہ میری امت ہوتی۔ کہا

گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے ۔ پھر مجھ سے کہا گیا ۔ افق پر نظر ڈالیں۔ تو میں نے دیکھا ایک بڑا مجمع ہے پھر کہا گیا دوسرے افق پر نظر ڈالو ۔ میں نے دیکھا اس طرف بھی ایک بڑا مجمع ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ وہ ستر ہزار بھی ہیں جو بلا حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

ایک اور حدیث میں ہے۔'' میری امت کی ایک جماعت جنت میں داخل ہو گی اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند جیسے ہوں گے۔''

ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔'' ان کا پہلا حصہ اس وقت تک داخل نہ ہو گا جب تک کہ آخری حصہ داخل نہ ہو جائے۔'' یعنی جنت کا وہ دروازہ اتنا وسیع ہو گا کہ سارا مجمع بیک وقت داخل ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گروہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گا اور ان کی وہ صفات ہوں گی جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا جنت میں داخلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت پر موقوف ہو گا۔

اب یہ بحث ہے کہ کوئی شخص جو ان صفات سے متصف نہ ہو جن کا حدیث میں ذکر ہوا ہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا حساب کتاب ہونا ہے تو کیا اسے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہو گی تاکہ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہو یا نہیں؟ احادیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ ستر ہزار ہوں گے اور وہ سب ان صفات سے متصف ہوں گے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان ستر ہزار کا داخلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مخصوص شفاعت کے ذریعہ ہو گا اور یہی شفاعت جنت کے کھولنے اور پہلی جماعت کو جنت میں داخل کرنے سے متعلق ہو گی اور یہ شفاعت شفاعت کبریٰ ہو گی تو اس کو دوسری شفاعت بھی کہہ سکتے ہیں ۔ اور یہ دونوں شفاعتیں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

تیسری قسم: مستحقین جہنم کیلئے شفاعت:

یہ شفاعت ان لوگوں کے لیے ہو گی جو اپنے کارناموں کی وجہ سے جہنم کے مستحق

ہو چکے ہوں گے اور یہ شفاعت پل صراط قائم ہونے کے بعد اور پہلی دو شفاعتوں کے بعد ہو گی جن کی حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کر دیں گے۔ وہ سلّم سلّم کہتے ہوئے پل صراط سے گزر جائیں گے۔

کیا یہ شفاعت صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہو گی؟ اس کی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ ،انبیائے کرام علیہم السلام کے امام ہوں گے اور ان کے لیے بھی شفاعت کریں گے تو اب وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جن کے لئے شفاعت کریں گے تو گویا وہ شفاعت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ہی شفاعت ہو گی اور حضور نبی اکرم ﷺ شفیع الشفعاء ہونگے۔

چوتھی قسم: جہنم میں داخل ہونے والوں کیلئے شفاعت

یہ شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ اور مؤمنین بھی کرینگے۔ ان تمام شفاعتوں کے بعد وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان ہو گا خواہ اور کوئی نیک عمل نہ بھی ہو اُن کو اللہ تعالیٰ خود جہنم سے نکالیں گے اور آخری شفاعت وہ شفاعت ہے جس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔" میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہو گی۔" اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ہر نبی مکرم کی ایک دُعا ضرور مقبول ہوتی ہے میں نے وہ دُعا قیامت کے دن کے لئے اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھی ہے وہ ان شاء اللہ اُمت کو ضرور حاصل ہو گی اور وہ میری اُمت کے وہ لوگ ہونگے جن کے پاس نیک عمل بجز توحید کے نہ ہو گا۔ نیز حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا اور آ کر کہا: " آپ کے رب نے آپ کو دو باتوں سے ایک بات کا اختیار دیا ہے۔ وہ یہ کہ یا تو آدھی اُمت بخشوا لیں یا شفاعت کرنے کا حق لے لیں۔ میں نے کہا میں شفاعت کرنے کا حق لینا پسند کرتا ہوں اس لئے کہ اس صورت میں زیادہ گناہ گار بخشے جائیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میری وہ شفاعت نیکوں کے لئے ہو گی؟ نہیں بلکہ وہ خطا کار گناہ گاروں کے لئے ہو گی۔"

پانچویں قسم: اہل جنت کی بلندی درجات کیلئے شفاعت:

یہ شفاعت اہل جنت کے درجات بلند کرنے کے سلسلہ میں ہوگی اِس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لیکن احادیث میں اِس کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ عبدالجلیل القصری نے کتاب "شعب الایمان" میں وسیلہ کی بحث میں کہا ہے کہ جنت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیثیت بلاتمثیل دربارِ الٰہی کے وزیر کی سی ہوگی۔ جنتیوں کا جو بھی اکرام و اعزاز ہوگا وہ بواسطہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہوگا اور یہ حیثیت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہوگی۔

یہ پانچوں شفاعتوں کا ذکر تھا۔ جو شخص بھی ان پر غور کرے گا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عمومی شفاعت کو سمجھ لے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بلند مرتبہ تک اُس کی نگاہ پہنچ جائے گی اور اِس پر جتنا غور کرے گا حضور نبی اکرم ﷺ سے عقیدت میں اضافہ ہوگا۔

یزید وجهك حسنا اذا ما زدته نظرا

"تیرے چہرے میں حسن کا اضافہ ہوتا ہے میں جتنا زیادہ اُس کو دیکھتا ہوں"

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی اِس کتاب کو شفاعت کی احادیث کے ذکر سے خالی نہ چھوڑوں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ تم سمجھے یہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دے گا۔ سورج اِس قدر قریب ہو جائے گا کہ لوگوں کی پریشانی حد سے گزر جائے گی۔ پھر کچھ لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے۔ دیکھو کیا حالت ہو رہی ہے۔ کسی سفارشی کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دے تو کچھ لوگ کہیں گے چلو حضرتِ آدم علیہ السلام کے پاس چلیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اُنہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرما دیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ کیا

آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے۔ میرا رب آج جس قدر جلال میں ہے اِس قدر جلال میں نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا اور اُس نے مجھے شجرہ (ممنوعہ) سے روکا تھا مجھے تو اپنی پڑی ہے کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ تو وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت نوح! آپ دُنیا والوں کے لئے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام اُن سے کہیں گے۔ میرا رب آج ایسے جلال میں ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا۔ مجھے تو ایک دعا کا حق دیا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کی بربادی کے لئے مانگ لی۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے خلیل ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں ہماری کیا حالت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں کی فضیلت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت فرما دیں۔ آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ کبھی ہوگا میں نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہ ملا تھا مجھے اپنی پڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات چیت کی تھی اور آپ کلمۃ اللہ ہیں جس کو حضرت مریم علیہا السلام میں ڈالا گیا تھا اور روح اللہ ہیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا، اُنہوں

نے اپنی کسی خطا کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے اور کسی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے چلے جانے والوں اور آنے والوں سب کے گناہ معاف کر دیئے ہیں کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہماری کیا کیفیت ہے؟ تب میں عرش کے نیچے پہنچوں گا اور اپنے رب کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر ظاہر کر دے گا اور میرے دل میں اپنی وہ تعریفیں اور وہ عمدہ ثنا القاء فرمائے گا جو اِس سے پہلے کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔ پھر کہا جائے گا ''اے محمد ﷺ اپنا سر اُٹھاؤ مانگو! عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی'' تو میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: ''اے اللہ تعالیٰ! میری اُمت! میری اُمت'' تو کہا جائے گا: ''اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی اُمت میں سے اُن لوگوں کو داخل کر دو جن سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا اور وہ دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جنت کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازوؤں میں اِس قدر فاصلہ ہوگا جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''انسانوں کا مجمع ٹھاٹھیں مارے گا پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور عرض کریں گے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیں۔ تو آپ فرمائیں گے۔ میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے میں اس کے لیے نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اِس قابل نہیں ہوں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہہ دیں گے کہ میں اِس کے لیے نہیں ہوں ہاں تم سیدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگ میرے پاس آئیں

گے تو میں چل پڑوں گا اور اللہ رب العزت کے پاس داخلہ کی اجازت چاہوں گا۔ مجھے اجازت مل جائے گی۔ میں سامنے کھڑا ہو کر وہ تعریفیں کروں گا جو اِس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اُسی وقت میرے دل میں ڈالے گا۔ پھر میں اُس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: "اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو! تمہاری بات سنی جائے گی۔ مانگو! عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔" تو میں کہوں گا: "میری امت! میری اُمت" تو مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ جہنم میں سے ہر اُس شخص کو نکال لو جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔" تب میں اُن کو نکال لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا پھر سجدے میں گروں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اُٹھاؤ! کہو! سنا جائیگا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائیگی۔" میں کہوں گا: "اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت" تو مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ جہنم میں سے اِن لوگوں کو نکال لو جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے۔" تو میں ان کو نکال لوں گا۔ اور پھر دوبارہ میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا اور شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: "اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت" تو کہا جائے گا: "جاؤ جس شخص کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانہ کی برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔" میں ان کو بھی جہنم سے نکال لوں گا۔ پھر چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جائیگا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائیگا۔ مانگو عطا کیا جائے اور شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی" میں کہوں گا: "مجھے ان کے بارے میں جہنم سے نکالنے کی اجازت دیں جنہوں نے صرف لا الہ الا اللّٰہ کہا ہے۔" تو کہا جائے گا۔ "یہ تمہارا کام نہیں ہے ہاں مجھے اپنی عزت اپنی کبریائی اور اپنی بڑائی کی قسم میں ان لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا جنہوں نے صرف لا الہ الا اللّٰہ کہا ہوگا۔"

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ تیسری بار شفاعت کا ذکر کرنے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "عسیٰ أن یبعثك ربك مقاماً محموداً" [بنی اسرائیل : ۷۹] (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا) اور آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے رب نے تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مؤمنین کو قیامت کے دن اکٹھا فرمائے گا اور ان کے دل میں اس بارے الہام کیا جائے گا اور وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔" اے کاش آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کریں۔"

مسند ابی عوانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ جب چاشت کا وقت آیا تو تبسم فرمایا اور پھر وہیں تشریف فرما رہے حتی کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس درمیان میں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی اور زنان خانہ میں تشریف لے جانے لگے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں یہ طریقہ خلاف معمول کیوں اختیار فرمایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔ آج مجھ پر وہ حالات پیش کئے گئے جو دنیا اور آخرت میں ہونے والے ہیں پھر اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ گھبرا گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہ لوگ پسینہ میں ہونٹوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا آپ ابو البشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے۔ ہماری سفارش فرما دیں۔ انہوں نے فرمایا: "میری بھی وہی حالت ہے جو تمہاری ہے تم باپ کے بعد ابو البشر ثانی، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ" اور پھر اسی طرح روایت نقل کی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نقل کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: "یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ ہاں بنی آدم کے سردار

کے پاس جاؤ۔'' اسی روایت میں پھر یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام دربارِ الٰہی میں لے جائیں گے اور حضور نبی اکرم ﷺ وہاں ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا اور شفاعت کرو شفاعت مانی جائیگی۔'' حضور اپنا سر اُٹھائیں گے اور جب دیدارِ الٰہی ہوگا تو فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور مزید ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کہو! سنا جائے گا۔ شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔'' حضور نبی اکرم ﷺ پھر سجدے میں گرنا چاہیں گے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں بازو تھام لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں وہ دعا ڈال دے گا جو آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں ڈالی۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ عرض کریں گے: ''اے رب العزت! تو نے مجھے بنی آدم کا سردار بنایا اور اس پر میں کوئی فخر نہیں کرتا اور تو نے مجھے ایسا شخص بنایا جو قیامت کے دن زمین پھٹنے پر سب سے پہلے زمین سے اُٹھے گا اور اس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر اتنا بڑا مجمع آئے گا جو صنعاء اور ایلہ کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہوگا۔''

روزِ حشر حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت:

یہ حدیث مبارکہ اس امر عظیم کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور اس دن حضور نبی اکرم ﷺ پر دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے جن واقعات کا انکشاف ہوا دراصل ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ شخص جس کو حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ بتا دیا ہو۔ احادیث میں ان کا بہت کم ذکر آیا ہے۔

حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی ایک روایت مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کھڑے ہوں گے اور جنت ان کے قریب آ جائے گی تو مجمع حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے گا اور عرض کرے گا۔ اباجان! ہمارے لئے جنت کھلوادیں تو وہ فرمائیں گے: '' یہ اختیار میرا نہیں ہے میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو خلیل اللہ ہے۔'' اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: "یہ میرا کام نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔" وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے تو وہ کہیں گے: "یہ میرا کام نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں" حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے "یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔" پھر وہ لوگ سیدنا محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے۔ پس آپ ﷺ کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ﷺ کو اذن دیا جائے گا اور امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی تو تمہارا پہلا شخص بجلی کی کوند کی طرح پل صراط سے گذر جائے گا۔ پھر ہوا کے چلنے کی طرح۔ پھر پرند کے اُڑنے اور انسان کے دوڑنے کی طرح لوگ گذریں گے۔ ان کو ان کے عمل لے چلیں گے اور تمہارے نبی مکرم ﷺ پل صراط پر کھڑے ہوئے یا رب سَلِّمْ سَلِّمْ کہتے ہوں گے۔ یہاںتک کہ بندہ کے اعمال اُس کو پل صراط سے گذارنے سے عاجز آجائیں گے۔ یہاںتک کہ ایک شخص آئے گا وہ گھسٹتا ہوا گذرے گا اور پل صراط کے دونوں جانب سرے مڑی ہوئی لوہے کی سلاخیں لٹکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اٹکنے پر مامور ہوں گی جس کا انہیں حکم دیا جائے گا، پس کوئی گرتا ہوا بچ جانے والا ہوگا، کوئی زخمی جہنم میں گرنے والا ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور بعض الفاظ میں متفرد ہیں۔ جیسے کہ "امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی" باقی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ میں مذکور ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر شخص اس کے پیچھے چلے جس کی وہ پوجا کرتا تھا پس جس قدر غیر اللہ کے پجاری ہونگے وہ جہنم میں گر جائیں گے صرف وہ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گذار ہوں گے نیک اور بد اور کچھ بقایا اہل کتاب تو اللہ تعالیٰ یہود کو بلائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ "تم کس کی عبادت کرتے تھے؟" وہ کہیں گے "ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے۔"

ان سے کہا جائے گا: ''تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟'' وہ کہیں گے۔ ''ہم پیاسے ہیں۔ اے رب! ہمیں سیراب کر دے'' تو ان سے کہا جائے گا: '' گھاٹ پر اُترو'' اور جہنم کی طرف ان کو لے جایا جائے گا اور وہ جہنم میں گر پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: ''تم کس کی عبادت کرتے تھے؟'' وہ کہیں گے۔ ''ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔'' ان سے کہہ دیا جائے گا: ''تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔'' پھر ان سے کہا جائے گا: '' تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے'' اے اللہ تعالیٰ! ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کر دے'' تو اُن کو اشارہ کیا جائے گا جاؤ گھاٹ پر اُترو۔ ان کو جہنم کی طرف جمع کر دیا جائیگا اور وہ جہنم میں جا گریں گے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت گذار تھے۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائیں گے۔ جو مومن مخلص ہونگے اللہ تعالیٰ ان کو سجدہ کی اجازت دے گا وہ سجدہ کریں گے جو ریاکار مسلمان ہونگے ان کی کمر ایک تختہ کی طرح بن جائے گی وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن گدی کے بل پیچھے کو گر پڑیں گے۔ پھر پل صراط قائم کر دی جائے گی اور شفاعت کا وقت آ جائے گا اور لوگ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہیں گے۔ دریافت کیا گیا پل صراط کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ایک پھسلن ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹے کی طرح ہوں گے۔ مومنین پلک جھپکنے کی طرح بجلی کی کوند کی طرح، ہوا کی طرح، پرند کی اڑان کی طرح، عمدہ گھوڑے کی دوڑ کی طرح، سواریوں کی طرح گذر جائیں گے۔ کچھ سالم نجات پانے والے ہوں گے، اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔ جب مومنین نجات پا جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومنین کے بارے میں تم مومنین سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اصرار کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنین اللہ تعالیٰ سے عرض کرینگے: '' اے ہمارے رب! جہنم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:''

جن کو تم پہچانتے ہو ان کو جہنم سے نکال لو۔'' اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو جہنم پر حرام کر دے گا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لیں گے جو پنڈلیوں تک، گھٹنوں تک جھلس چکے ہوں گے۔ وہ پھر عرض کرینگے: اے ہمارے رب! جن کے بارے میں آپ نے اجازت دی تھی ان کو ہم نے جہنم سے نکال لیا اب کوئی جہنم میں باقی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: '' اچھا جاؤ اب ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے دل میں دینار کے وزن کی خیر ہے۔'' پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا: '' جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں آدھے دینار کے وزن کی خیر ہے'' پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: '' جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں ایک ذرہ کی برابر خیر ہے۔'' وہ عرض کرینگے اب کوئی شخص جہنم میں باقی نہیں رہا جس کے دل میں خیر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ نبی شفاعت کر چکے، ملائکہ شفاعت کر چکے، مومنین شفاعت کر چکے۔ اب صرف اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مٹھی بھر جہنم سے ایسی قوم کو نکالیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آب حیات کی نہر میں ڈال دیں گے۔ وہ وہاں سے موتی جیسے بن کر نکلیں گے۔ اُن کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی جس سے جنتی ان کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بغیر کسی نیک عمل کے داخل کیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: '' جنت میں چلے جاؤ جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔'' اس پر وہ کہیں گے: اے رب العالمین! تو نے تو ہمیں وہ کچھ دے دیا جو کسی کو نہیں دیا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: '' تمہارے لئے میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔'' اس پر وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: '' وہ میری رضا ہے۔ اب میں تم سے کبھی خفا نہ ہوں گا۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے خبر ملی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور بخاری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا پس ان سے کہا جائے گا جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا جائے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پس پل صراط کو جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس دن اس حال میں ہوں گا کہ میری امت کو سب سے پہلے اجازت دی جائے گی۔اور اس دن رسل عظام علیہم السلام کے علاوہ کوئی کلام نہیں کرے گا اور اس دن ان کا کلام بھی یہی ہوگا " **اللّٰھم سلّم سلّم** "

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔" اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ وہ چہرے پر سجدے کے نشانوں کو جلائے۔" مگر اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جب لوگ اُٹھائے جائیں گے، اور جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی جناب میں وفد بنا کر جائے گی، میں ان کا خطیب ہونگا اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولادِ آدم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔" اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔

حضرت اُبّی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا اور ان سب کی شفاعت کرنے والا ہوں گا مگر کوئی فخر نہیں ہے۔" اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں قیامت کے روز بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر وہ تمام اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے" اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔" میں اللہ

تعالیٰ کا دوست ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو جنت کھلے گی۔ میں اور میرے ساتھ فقراء مومنین اس میں داخل ہوں گے۔ اور میں اکرم الاوّلین اور آخرین ہوں مگر اس پر فخر نہیں۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: ضرور کروں گا۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے پل صراط پر ڈھونڈنا۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر میں وہاں آپ سے نہ مل سکوں تو؟'' فرمایا: ''میزان کے پاس تلاش کر لینا۔'' میں نے کہا: اگر وہاں بھی نہ مل سکوں تو؟ فرمایا: ''حوض پر تلاش کر لینا۔ میں ان تین مقامات پر کہیں نہ کہیں تمہیں ضرور مل جاؤں گا۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ قیامت میں آپ کی سفارش سے کون سب سے زیادہ سعادت مند بنے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابوھریرہ مجھے یہی خیال تھا کہ سب سے پہلے تم ہی یہ سوال کرو گے کیونکہ تم میری بات کے سب سے زیادہ حریص ہو۔ پھر فرمایا: ''میری شفاعت کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند وہ بنے گا جس نے خالص دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہوگا۔'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''مومنین جہنم سے نجات پا جائیں گے تو وہ جنت اور دوزخ کے درمیان پل صراط پر روک دیئے جائیں گے۔ باہمی جو حقوق ایک نے دوسرے کے غصب کیے ہونگے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ جب ان سے پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں داخل ہونے کی

اجازت ملے گی۔" اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جہنم سے اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہا ہوگا اور اس کے دل میں جو برابر خیر ہوگی پھر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے وزن کی خیر ہوگی۔ پھر اس کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ کی برابر خیر ہوگی۔" اور اس باب کا عنوان رکھا ہے "باب زیادۃ الایمان و نقصانہ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا "جب قیامت ہوگی میں شفاعت کروں گا " اے اللہ تعالیٰ! ان کو جنت میں داخل فرمادے جن کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر خیر ہے۔ وہ داخل ہوجائیں گے۔ پھر کہوں گا۔ اے اللہ تعالیٰ! ان کو بھی داخل فرمادے جن کے دل میں تھوڑی سی بھی خیر ہے۔" اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایک قوم دوزخ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے سبب نکلے گی اور جنت میں داخل ہو جائے گی۔" اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب صفة الجنة و النار میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا اور میں انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔" اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں سب سے پہلا جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا اور انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔" اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قیامت کے روز ہم ایک ٹیلہ پر ہونگے

تمام مخلوق کو دیکھتے ہوں گے۔"اس حدیث کو عبد الحق نے روایت کیا اور یہ مسلم میں ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ اور ان کی امت ایک ٹیلہ پر چڑھے گی۔" حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:" قیامت کے دن سب انسان اُٹھائے جائیں گے تو میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ مجھے ایک سبز جوڑا پہنائیں گے پھر مجھے اجازت ملے گی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا میں کہوں گا۔ یہی مقامِ محمود ہے۔"

مسلم کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے۔ ہر انسان کو خواہ وہ مومن ہوگا یا منافق نور عطا کیا جائے گا اور پل صراط پر کانٹے دار جھاڑیاں اور سعدان نامی جھاڑیاں ہوں گی جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو وہ پکڑ لیں گے پھر منافقوں کا نور بجھ جائے گا اور مومنین نجات پا جائیں گے۔ پہلا قافلہ جو نجات پائے گا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہونگے اور وہ ستر ہزار ہوں گے جو بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔"

صحیح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا لوگ گروہ در گروہ اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے پیچھے ہوں گے اور یہ سوال کر رہے ہوں گے ہماری شفاعت فرمائیں ہماری شفاعت فرمائیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ تک پہنچے گا۔

شفاعت کی احادیث بکثرت ہیں جو تواتر کو اس طرح پہنچ گئی ہیں کہ اُن میں شفاعت کا ذکر ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ اُن احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریفیں اور عظمتیں اور عمدہ نکتے بیان ہوئے ہیں۔ اُن روایتوں میں سے ایک روایت میں ہے۔"اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں لوگوں کو جمع کرینگے" دوسری روایت میں ہے" میدان حشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کو جمع فرمائیں گے۔" بعض علماء کا خیال ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے۔لہٰذا جس روایت میں "الناس" کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ دراصل درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مومنین کا ہی انبیائے کرام علیہم السلام سے ایمان کی وجہ سے گہرا تعلق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شفاعت سے دراصل راحت مومنین ہی کو پہنچے گی اس لئے کہ فیصلہ کے بعد کفار پر تو مزید سختی شروع ہوجائے گی تو اس شفاعت عظمٰی کا اصل مقصد مومنین کی راحت رسانی ہوگی۔ اس شفاعت سے کفار کو زیادہ فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے " فما تنفعهم شفاعة الشافعين " [المدثر:۴۸] پھر نفع نہ دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول بھی حکایۃً نقل کیا ہے۔" فما لنا من شافعين" [الشعراء: ۱۰۰] پس کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمنین اور کفار دونوں جماعتیں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کریں گی۔

فصل اول:

قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت چاہنا توسّل کی قوی دلیل ہے

قیامت کے دن لوگوں کا انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا و آخرت میں توسل کیا جاسکتا ہے۔ ہر گنا ہگار اللہ تعالیٰ کی طرف اس شخص کا وسیلہ پکڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ہم استعانت کے باب میں بیان کرچکے ہیں۔ اب اس معاملہ کو چاہے تشفع (شفاعت) کہا جائے یا توسّل یا استعانت۔ یہ اس طرح کا تقرب نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے مشرکین دوسروں کی عبادت کر کے چاہتے ہیں وہ تو کفر ہے۔ مسلمان جب نبی کریم ﷺ سے یا اللہ تعالیٰ کی کسی اور مقرب شخصیت سے توسّل چاہتے ہیں تو وہ ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں لہٰذا یہ توسّل ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید سے خارج نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نفع اور ضرر رسانی میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اور جب یہ جائز ہے

تو ایک مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں اس کے نبی کے وسیلہ سے، اس میں کوئی شرک نہیں اس لئے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا ہے نہ کہ غیر اللہ سے۔

فصل دوم:

حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے سب سے بعد میں شفاعت کی درخواست کرنے کی حکمت

قیامت کے میدان میں لوگوں کو الہام ہوا کہ ابتداءً حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کریں پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے اور سب سے آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے۔ لوگوں کے دل میں یہ کیوں الہام نہ ہوا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ہی ابتداء شفاعت کی درخواست کریں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ابتداء حضور نبی اکرم ﷺ سے ہی سوال کیا جاتا اور حضور نبی اکرم ﷺ یہ شفاعت کبریٰ فرما دیتے تو یہ احتمال باقی رہتا کہ ہوسکتا تھا کہ اگر دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کیا جاتا تو ان میں سے کوئی یہ شفاعت کر دیتا اور اس صورت میں اس شفاعت کی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خصوصیت واضح نہ ہوتی۔ اب جبکہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کیا گیا اور انہوں نے اپنا عجز ظاہر کر دیا تو واضح ہو گیا کہ یہ مقام صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل تھا اور اس اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ وغیرہ پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہوگئی اور ثابت ہو گیا کہ اس مقام کے اصل حق دار سید الامم ﷺ ہی ہیں۔ لہٰذا ایسی شخصیت کی زیارت کے لئے قدم ہی سے نہیں سر کے بل جانا چاہیے۔

فصل سوم:

انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا بیان

انبیائے کرام علیہم السلام نے شفاعت سے معذرت کرتے وقت جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام ہر طرح کے صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے اپنے حوالے سے فرمایا اس کی وضاحت اس طور پر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر شجرہ کے کھانے کا ذکر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں نے قوم کو بد دعا دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک کافر کے قتل کا عذر کیا جس کے قتل کا ان کا حکم نہ تھا اور یہ بھی نبوت سے پہلے کا قصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کی مدافعت میں جو کلام بطور تعریض بولا تھا جس میں وہ ایک اعتبار سے سچے تھے بطور عذر کے پیش کیا۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اعذار کوئی گناہ نہ تھے وہ ان باتوں سے محض اس لئے ڈرے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کی تھیں۔ اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام پر انکے کسی فعل کے خلاف مشیت ایزدی ہونے پر ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے عتاب بھی ہوا تھا۔ اب اگر ان باتوں کے علاوہ اور عذر ہوتا تو انبیائے کرام علیہم السلام اس کو ذکر کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ سب گناہوں سے معصوم تھے اور جس طرح وہ کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت صغیرہ گناہوں سے اگرچہ خوارج اور معتزلہ بھی مانتے ہیں لیکن وہ اس اعتبار سے مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ سے بچائے۔

فصل چہارم:

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا تفصیلی بیان

جب حضور نبی اکرم ﷺ سجدے سے سر اٹھائیں گے تو اس وقت "یا رب اُمّتی اُمّتی" کہیں گے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزری ہے کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیں گے اور اس وقت امانت اور صلہ رحمی کو پل صراط کے دونوں طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ پہلے آپ ﷺ عمومی شفاعت فرمائیں گے پھر اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ اور پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام اور پھر دیگر لوگ شفاعت فرمائیں گے۔ اور پہلے بیان کی جانے والی احادیث میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ہر امت اس کے پیچھے ہو گی جس کی وہ پوجا کرتی تھی پھر مؤمنین کو منافقین سے الگ کر دیا جائے گا۔ پھر شفاعت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور پل صراط قائم کر دی جائے گی۔ پس ہو سکتا ہے کہ ہر امت کا اس کے پیچھے ہونا جس کی وہ پوجا کرتی تھی، یہ پہلے ہو اور انتظار کی شدت سے نجات دلانا یہ مقام محمود سے پہلے ہو۔ اور شفاعت جس کا واجب ہونے کا ذکر ہوا ہے، یہ صراط مستقیم پر گناہگاروں کی شفاعت ہو گی۔ یہی حدیث کا ظاہر بتاتا ہے اور یہ شفاعت ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے ہو گی۔ اور دیگر کے لیے بھی ہو گی۔ پھر اس شفاعت کا ذکر ہے جو دوزخ میں داخل ہونے والوں کے لیے ہو گی۔ یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ یہ احادیث کا اس طرح بیان ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ سے صحت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا دیگر لوگوں سے پہلے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس جب آپ ﷺ شفاعت کے لیے۔۔۔۔

فصل القضاء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے قریب ہوں گے اور آپ کو شفاعت کا

اذن دے دیا جائے گا تو آپ ﷺ اس شخص کے لیے شفاعت کا سوال کریں گے جس کا فیصلہ ہو چکا ہو گا پس آپ ﷺ کو جواب دیا جائے گا کہ آپ اپنی امت میں سے جنت میں داخل کر دیں ــــــــــــ یہ پہلی بار ہو گا۔اور آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا جائے گا آپ کے اکرام کی وجہ سے پھر اس کے بعد ہر امت اس کے پیچھے چلے گی جس کی وہ پوجا کرتی تھی اور پھر پل صراط لگا دی جائے گا اور گناہگاروں کے لیے شفاعت کا اذن دے دیا جائے گا پس نبی اکرم ﷺ ، دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام دوزخ سے نجات کے لیے شفاعت فرمائیں گے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔پھر اس کے بعد گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت ہو گی۔اور شاید نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے لیے شفاعت کا دوسری، تیسری اور چوتھی بار سوال اس وقت ہو گا۔اور اس وقت انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام اور مؤمنین بھی اپنے بھائیوں کے لیے شفاعت کریں گے۔اور ہو سکتا ہے کہ شاید نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ادب کی وجہ سے صرف اپنی امت کے لیے شفاعت طلب کی ہو۔اور امت مسلمہ کا قصد فرمایا لیکن یہ معلوم تھا کہ دیگر امتوں کو ان کے سبب شفاعت حاصل ہو جائے گی۔ایک اور حدیث میں اس طرح الفاظ آئے ہیں" کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ حضرت ابراھیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام قیامت کے دن تم میں موجود ہوں۔" پھر فرمایا: قیامت کے دن یہ دونوں میری امت میں سے ہوں گے کیونکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کہیں گے: "اے رسول! آپ میری دعا ہیں اور میری اولاد ہیں پس مجھے اپنی امت میں سے بنا لیں" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ، تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام بھائی ہیں اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں مگر ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں ان کے اور میرے درمیان اور کوئی نبی نہیں آیا۔اور میں لوگوں میں ان کے زیادہ نزدیک ہوں۔

علی بن معبد نے کتاب الطاعة و المعصية میں قیامت کے احوال اور شفاعت کے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " حشر کے میدان میں لوگ ننگے سر ننگے بدن بغیر

ختنہ شدہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا اور نہ کوئی فیصلہ فرمائے گا۔ لوگ روئیں گے حتی کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے، پسینہ میں ڈوب جائیں گے تو شور کریں گے اور کہیں گے کون ہے جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کردے اور وہ ہمارا فیصلہ کردے؟ پھر وہ آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ انکار کردیں گے۔ پھر ایک ایک کر کے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس پہنچیں گے وہ بھی انکار کردیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر وہ میرے پاس پہنچیں گے میں عرش کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے پاس ایک فرشتہ بھیجیں گے جو میرے بازو پکڑ کر سجدہ سے اٹھائے گا۔ جب وہ مجھے اٹھائے گا تو کہے گا۔ اے محمد! کیا بات ہے۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہوگا پھر میں کہوں گا: اے رب! آپ نے مجھ سے میری شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا اب لوگوں کے بارے میں میری شفاعت قبول کیجئے اور ان کا فیصلہ کردیجئے۔ حضرت حق فرمائیں گے میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی۔ میں تمہارے پاس پہنچتا ہوں اور تمہارا فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں لوٹ کر مجمع میں آ جاؤں گا۔ ہم کھڑے ہوئے ہونگے کہ آسمان سے ایک سخت آواز سنائی دے گی جو ہمیں خوفزدہ کردے گی۔ اب آسمان دنیا والے اس مجمع سے دوگنا آ جائیں گے۔ پھر یہ پورا مجمع اور دوگنا کردیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا عرش زمین کے جس حصہ پر چاہیں گے بچھادینگے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم آج ظلم کی وجہ سے کوئی شخص میرے قریب نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ جن و انس کے علاوہ اور مخلوق کا فیصلہ کردینگے پھر جن و انس کا فیصلہ کرینگے اور سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ کرینگے۔ اسی روایت میں اس کے بعد ہے جب کسی کا حق کسی کے ذمہ باقی نہ رہے گا تو اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر قوم اپنے اپنے معبود کے پاس پہنچ جائے اور ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کردیا جائے گا تو نصاریٰ اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور اسی روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ جب صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے اور اسی روایت میں اس کے بعد ہے کہ پل صراط قائم کردی جائے گی تو لوگ اس پر سے گذریں گے۔ جب

اہل جنت جنت کے پاس پہنچ جائیں گے تو آپس میں کہیں گے کون ہے جو ہمارے رب کی بارگاہ میں شفاعت کردے؟ تاکہ وہ ہمیں جنت میں داخل کردے۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پھر لوگ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر میرے پاس آئیں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے تین بار شفاعت کروں گا میں جنت کے دروازے پر پہنچوں گا اور اس کا حلقہ پکڑ لوں گا اور داخل ہونے کا اذن چاہوں گا تو جنت کا دروازہ میرے لیے کھول دیا جائے گا مجھے سلام کیا جائے گا اور مجھے خوش آمدید کہا جائیگا۔ جب میں جنت میں داخل ہوجاؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا یہاں تک کہ میں تین مرتبہ کہوں گا" اے میرے رب! آپ نے شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی اور جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی ہے۔ پھر میں کہوں گا: میری امت کے جو لوگ جہنم میں ہیں ان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے اور میں شفاعت کر کے ان کو جہنم سے نکالوں گا۔

فصل پنجم:

حضور نبی اکرم ﷺ کا چوتھی بار شفاعت کرنا

اسی پہلی حدیث میں آیا ہے کہ چوتھی بار میں کہوں گا مجھے اجازت فرما ان لوگوں کے بارے میں بھی جنہوں نے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہے۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض علمائے کرام کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس کوئی نیک عمل نہیں صرف ایمان ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو جہنم سے نکالنے کی اجازت حضور نبی اکرم ﷺ کو نہیں ملے گی۔

کیا صرف ایمان شفاعت کا مستحق بنا دیتا ہے؟

یہ روایات بتاتی ہیں کہ جہنم سے نکالنے کی اجازت ان لوگوں کے بارے میں ملے گی جن کے پاس مجرد ایمان کے علاوہ کوئی عمل بھی ہوگا اور انہوں نے ملائکہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے شافعین ہونے کو دلیل بنایا ہے۔اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق ہے کہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم ہونا اور رحمت کرنا اس شخص پر جس کے پاس ایمان کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں۔اور ذرہ کی مثل ایک مثال کے طور پر ہے جس سے مراد معمولی سی چیز مراد ہے۔اور صحیح بات یہ ہے کہ خیر سے مراد وہ شئی ہے جو ایمان سے زائد ہو کیونکہ مجرد ایمان جس کی صرف تصدیق ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ پس یہ عمل صالح ہی ہوگا جو ایمان کے علاوہ ہوگا خواہ وہ نیت صادق ہو یا اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور ایک اور حدیث ہے جو اس کی تائید کرتی ہے جس میں اس طرح الفاظ ہیں کہ" جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں خیر بھی تھی جو مثلاً فلاں شے کی مثل تھی۔"

اس بات کو جان لیں کہ ان کا یہ قول کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ بھی ایک عمل ہے اور اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے ان لوگوں کو بھی جنت سے نکالیں گے جن لوگوں کے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہوگا تو اس سے مراد قول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں کیا ہوگا ہے یا مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی دل دل میں کہا تھا۔

فصل ششم:

سلف صالحین کا شفاعت کے لیے دعائیں کرنا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شہرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ سلف صالحین اللہ تعالیٰ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے حصول کی دعاء کرتے تھے اور شفاعت کے حصول کی ان کو بہت تمنائیں تھیں۔ اس بنیاد پر ان لوگوں کی بات نا قابل توجہ

ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہوگی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ شفاعت صرف گنہگاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ تخفیف حساب اور درجات کی بلندی کی شفاعت نیکوں کے لئے بھی ہوگی۔ پھر ہر نیک آدمی بھی اپنی کوتاہی کا معترف ہوتا ہے۔ اپنے نیک عمل پر بھی اسے گھمنڈ نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس بنیاد پر شفاعت کی دعاء کے قائل نہیں ہیں کہ شفاعت صرف گنہگاروں کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے مغفرت اور رحمت کی دعاء بھی نہ کریں اس لئے کہ مغفرت اور رحمت کا تعلق بھی گنہگاروں سے ہوتا ہے۔

فصل ہفتم:

مقام محمود کا بیان

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مقامِ محمود سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا محشر میں شفاعت کرنا ہے اور یہی وہ دن ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مقامِ محمود عطا ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں محشر کا تذکرہ ہے اور یہ ذکر ہے کہ سب لوگ خاموش ہوں گے۔ بغیر اجازت الٰہی کوئی شخص بات نہ کر سکے گا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارا جائے گا تو آپ عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ" اور یہی مقام محمود ہے۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا حشر ایک ٹیلہ پر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ایک سبز لباس پہنائیں گے پھر مجھے

اجازت ملے گی تو وہ سب کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ مجھ سے چاہے گا اور یہی مقام محمود ہے

تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام اور ان سے بعد کے تمام لوگوں کا حضور نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونا، ابتداء سے لے کر لوگوں کے دخول جنت اور جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے ان کا دوزخ سے نکالا جانا اور آپ کا اپنے ربّ کی حمد وثنا کرنا اور آپ کا شفاعت فرمانا، اور پھر آپ کی شفاعت کے سبب لوگوں کا بغیر حساب کتاب کے بخشا جانا، اور پھر لوگوں کو دوزخ سے نکالنا یہاںتک کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کا بھی دوزخ سے نجات پانا، اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم فرماتے ہوئے اس شخص کو بھی جس نے صرف لا الہ الا اللہ کہا تھا اس کو بھی دوزخ سے نکالنا، اور صرف دوزخ میں وہی رہیں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں اور حشر کے دن کی حضور نبی اکرم ﷺ کی دیگر خصوصیات سب مقام محمود ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا۔

فصل ہشتم

حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے وہ پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اور ان میں سے ایک شفاعت ہے۔اور اسی طرح ارشاد فرمایا: ”ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور میں نے اپنی یہ دعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔“ ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ شفاعت جو کہ آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نسبت آپ کو خاص طور پر دی گئی ہے یہ اس شفاعت سے علیحدہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے محفوظ فرما لی ہے کیونکہ عمومی شفاعت تو وہ دعا ہے جس میں وہ سب آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔پس پہلی شفاعت یہ شفاعت عظمیٰ ہے پس اس سے مراد یا تو وہ شفاعت ہے جو حساب کتاب جلدی شروع کرنے کے حوالے سے ہو گی، یا اس سے

مراد عمومی شفاعت ہے جس کا ذکر پہلے گزرا ہے۔اور آپ ﷺ ایسے صاحب شفاعت ہیں کہ تمام شفعاء آپ کی شفاعت میں داخل ہیں۔

اور دوسری شفاعت وہ ہے جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے بارے میں ہو گی جس طرف آپ ﷺ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شفاعت مؤمنین متقین کے لیے ہو گی نہیں بلکہ یہ گناہگاروں اور خطا کاروں کے لیے ہو گی۔''

خاتمہ:

ہم اس کتاب کا اختتام صلاۃ وسلام پر کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ذکر کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ ان تمام کو ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن علی بن عبدالرحمٰن النمیری نے اپنی کتاب'' الاعلام بفضل الصّلاۃ علی النبیّ علیہ الصّلاۃ و السّلام'' میں جمع کیا ہے۔

۱۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۲۔ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۳۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۴۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۵۔ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُجِيْدٌ.

۶۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۷۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْم اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۸۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

۹۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۰۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۱۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۲۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۳۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۴۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَاجَعَلْتَھَا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

۱۵۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۱۶۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ.

۱۷۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۱۸۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ.

۱۹۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۲۰۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۲۱۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۲۔ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آل

اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۴۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۵۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآل اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۶۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآل اِبْرَاهِيْمَوَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۷۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۸۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۲۹۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۳۰۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۴۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۶۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۷۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۸۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۳۹۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۴۰۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَھَا عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۱۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَ بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۲۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ کَمَا رَحِمْتَ آلَ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۴۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْنَا مَعَھُمْ۔

۴۵۔اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ،اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْنَا مَعَھُمْ صَلَاۃُ اللّٰہِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

۴۶۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۷۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۸۔ اَللّٰھُمَّ وَ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔

۴۹۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ وَ اَزْوَاجِہٖ

اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۵۰۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۵۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۵۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۵۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وآلِ اِبْرَاهِيْمَ و فی روایة كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۵۴۔ عن علیؓ :اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَ بَارِيَ الْمَسْمُوْكَاتِ وَ بَانِيَ الْمَبْنِيَاتِ وَ مُرْسِيَ الْمُرْسَيَاتِ وَ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَ سَعِيْدِهَا وَ بَاسِطَ الرَّحْمَةِ لِلْمُتَّقِيْنَ اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِيَ زَكَوَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَ الْمُعْلِنِ لِلْحَقِّ بِالْحَقِّ وَ الدَّامِغِ جَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ كَمَا حمل فاضطلع بِاَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزاً فِيْ مَرْضَاتِكَ بِغَيْرِ نكل فِيْ قَدَمٍ وَ لَا وَ هِيَ فِيْ عَزْمٍ وَاعِياً لِوَحْيِكَ حَافِظاً لِعَهْدِكَ مَاضِياً عَلٰى نَفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ وَ آلَاءِ اللّٰهِ تَصِلُ بِاَهْلِهٖ اسبابه بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ موضحات الْاَعْلَامِ وَ مُنِيْرَاتِ الْاِسْلَامِ وَ

دَائِرَاتِ الْاَحْكَامِ فَهُوَ اَمِيْنُكَ الْمَامُوْنَ وَ خَزَانُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنُ وَ شَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَ بَعِيْثُكَ نِعْمَةً وَ رَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً ، اَللّٰهُمَّ افسح لَهُ مفتسحا فى عدنك وَاَجزِهُ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ مِهْنَآتِ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَضْنُوْنَ وَ جَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَحْلُوْلِ.

۵۵۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى بَنَاءِ الْبَنَائِيْنَ بَنَاوُهُ وَ اَكْرِم مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَ نزله وَاَتْمِمْ لَهُ نُوْرَهُ وَ اَجزِهُ مِنْ اِبْتِغَائِكَ لَهُ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ مَرْضٰى الْمَقَالَةِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَ خطة فَصْلٍ وَ حُجَّةٍ وَ بُرْهَانٍ عَظِيْمٍ ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا سَامِعِيْنَ مُطِيْعِيْنَ وَ اَوْلِيَاءِ مُخْلِصِيْنَ وَ رُفَقَاء مصَاحِبِيْنَ.

۵۶۔ اَللّٰهُمَّ اَبْلِغْهُ مِنَّا السَّلَامَ وَ ارْدُدْ عَلَيْنَا مِنْهُ السَّلَامَ.

۵۷۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَوَ رَحْمَتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ اِمَامَ الْخَيْرِ وَ قَائِدَ الْخَيْرِوَ رَسُوْلَ الرَّحْمَةِ .

۵۸۔اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْآخِرُوْنَ.

۵۹۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ .

۶۰۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ اِمَامَ الْخَيْرِ وَ قَائِدَ الْخَيْرِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْآخِرُوْنَ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۶۱۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى اَحْمَدَ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى آلِ

اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

۲۲۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه، وَ مَغْفِرَةُ اللّٰهِ وَ رِضْوَانُ اللّٰهِ.

۲۳۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مُحَمَّدًا اَكْرَمَ عِبَادِكَ عَلَيْكَ وَ اَرْفَعَهُمْ عِنْدَكَ دَرَجَةً.

۲۴۔ اَللّٰهُمَّ اَتْبِعْهُ مِنْ اُمَّتِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهِمَا تَقَرُّ بِهٖ عَيْنُهُ وَ اَجْزِهٖ عَنَّا خَيْرَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَ اَجْزِ الْاَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ خَيْرًا ، اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

۲۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَوْلَادِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ مُحِبِّيْهِ وَ اَتْبَاعِهٖ وَ اَشْيَاعِهٖ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

قیامت کے دن مقرب مقام کے سوال کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مجھ پر صلاۃ بھیجا اور یہ کہا " اللّٰھم اعطه المقعد المقرب عندك يوم القيامة " (اے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ ﷺ کو اپنے ہاں مقرب مقام عطا فرما) ایسے کہنے والے کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ہمارا آخری کلام یہی ہے۔ والحمد للّٰہ ربّ العالمین و صلّی اللہ علٰی سیّدنا محمّد و آلہ و صحبہ و التابعین و سلّم تسلیما و حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

شفاء السقام

في

زيارة خير الأنام

للشيخ الإمام الفقيه المحدث تقي الدين السبكي الشافعي رحمۃ اللہ علیہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور
042-7313885

بسم الله الرحمن الرحيم

وهو حسبى و نعم الوكيل (۱)

الحمد لله الذى من علينا برسوله، و هدانا به الى سواء سبيله، وامرنا بتعظيمه و تكريمه و تبجيله، و فرض على كل مؤمن ان يكون احب اليه من نفسه و ابويه وخليله، و جعل اتباعه سببا لمحبة الله و تفضيله، و نصب طاعته عاصمة من كيد الشيطان و تضليله، و يغنى عن جملة القول و تفصيله، رفع ذكره وما اثنى عليه فى محكم الكتاب و تنزيله، صلى الله عليه وسلم صلوة دائمة بدوام طلوع النجم و أفوله .

أما بعد فهذا كتاب سميته (شفاء السقام فى زيارة خير الانام) ورتبته على عشرة ابواب .

الأول فى الاحاديث الواردة فى الزيارة ، الثانى فى الاحاديث الدالة على ذلك وان لم يكن فيها لفظ الزيارة ، الثالث فيما ورد فى السفر اليها ، الرابع فى نصوص العلماء على استحبابها ، الخامس فى تقرير كونها قربة ، السادس فى كون السفر اليها قربة ، السابع فى دفع شبه الخصم و تتبع كلماته ، الثامن فى التوسل و الاستغاثة (۲) التاسع فى حياة

(۱) كذا فى خط المؤلف ۱۲ ـ هكذا فى النسخ القديمة (۲) لاستعانة .

الانبياء عليهم الصلاة والسلام، العاشر فى الشفاعة لتعلقها بقوله (من زار قبرى وجبت له شفاعتى) .

وضمنت هذا الكتاب الرد على من زعم ان أحاديث الزيارة كلها موضوعة وان السفر اليها بدعة غير مشروعة، وهذه المقالة أظهر فسادا من ان يرد العلماء عليها، ولكنى جعلت هذا الكتاب مستقلا فى الزيارة وما يتعلق بها مشتملا من ذلك على جملة يعز جمعها على طالبها، وكنت سميت هذا الكتاب (شن الغارة على من انكر سفر الزيارة) .

ثم اخترت التسمية المتقدمة واستعنت بالله تعالى وتوكلت عليه وهو حسبى ونعم الوكيل .

الباب الاول

فى الاحاديث الواردة فى الزيارة نصا

الحديث الاول

(من زار قبرى وجبت له شفاعتى) رواه الدارقطنى والبيهقى وغيرهما

اخبرنا الحافظ ابو محمد عبدالمؤمن بن خلف بن ابى الحسن بن شرف ابن الخضر بن موسى التونى الدمياطى رحمه الله تعالى بجميع سنن الدارقطنى سماعا، قال انا الحافظ ابوالحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقى انا ابوالفتح ناصر بن محمد بن ابى الفتح ابوبرح (؟) القطان انا ابوالفتح اسمعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابوطاهر محمد بن احمد بن محمد بن عبدالرحيم انا ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدى الحافظ الدارقطنى رحمه الله، قال حدثنا القاضى المحاملى ثنا عبيد

ابن

ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر (١) عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت له شفاعتى) .

هكذا فى عدة نسخ معتمدة من سنن الدارقطنى عبيدالله مصغرا منها نسخة كتبها عنه احمد بن محمد بن الحارث الاصفهانى وعليها طباق كثيرة على ابن عبدالرحيم فمن بعده الى شيخنا ، وكذلك رواه الدارقطنى فى غير السنن واتفقت روايته على ذلك فى السنن وفى غيره من طريق ابن عبدالرحيم كما ذكرناه .

ومن طريق محمد بن عبدالملك بن بشران ، ومن طريق ابى النعمان تراب بن عبيد ايضا ، فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد فى كتابه الى من مكة شرفها الله تعالى قال : اخبرنا الحافظ ابوالحسين يحيى بن على القرشى بمصر وابواليمن بن عساكر بمكة بقراءتى عليهما ، قالا انا ابوالبركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعى العدل وهو جد ابى اليمن بدمشق قال ابوالحسين بقراءتى عليه وقال ابواليمن قراءة عليه ، قال انا عمى ابوالحسين هبة الله بن الحسن بن هبةالله الفقيه الاصولى الحافظ انا ابوطاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن محمد ابن يوسف انا ابو بكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن على

(١) قال الدولابى فى الكنى فى ترجمة عبد الله العمرى حدثنا على بن معبد بن نوح حدثنا موسى بن هلال ثنا عبد الله بن عمر ابو عبد الرحمن اخو عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار قبرى وجبت له شفاعتى قال ـ وما بين قبرى ومنبرى ترعة من ترع الجنة ـ عن المولوى محمد حسن الزمان الحيدرآبادى .

ابن عمر بن مهدى الدارقطنى الحافظ ثنا القاضى المحاملى ثنا عبيدالله بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (من زار قبرى وجبت له شفاعتى) .

هكذا أورده ابواليمن ابن ابى الحسن بن الحسن فى (كتاب اتحاف الزائر و اطراق المقيم للسائر) فى زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه و سلم و هو عندى عليه خط مصنفه و قراءة ابى عمرو عثمان بن محمد التوزرى لجميعه ، عليه و كذلك أورده الحافظ ابو الحسين القرشى فى كتاب الدلائل المبينة فى فضائل المدينة .

و قد قرأ عليه التوزرى ايضا و سمعه ايضا جماعة من شيوخنا على مصنفه المذكور رحمه الله تعالى ، و اما رواية ابى النعمان تراب بن عبيد فذكرها القاضى ابو الحسن على بن الحسن الخلعى فى فوائده وهى عشرون جزءا قرأت منها بثغر الاسكندرية سنة اربع و سبعمائة على الشيخ الفاضل المقرى ابى الحسين يحيى بن ابى الفضل أحمد بن عبدالعزيز ابن عبدالله بن عبدالباقى بن الصواف الجزء الاول و الثانى و بعض الثالث و حدثنى بهذا القدر كلمة كلمة فانه كان قد عمر وعمى و ثقل سمعه فصرت أقرأ عليه لفظة لفظة و يعيدها لاتحقق سماعه و ناولنى جميع الاجزاء الستة الاولى و السادس عشر و السابع عشر و التاسع عشر بسماعه لذلك من ابن عماد سنة عشرين و ستمائة و قرأت منها بدمشق على المسند ابى عبدالله محمد بن ابى العز بن مشرف بن بنان الانصارى القدر الذى يرويه منها باتصال السماع و هو من أول الجزء الثامن الى آخرها و ذلك ثلاثة عشر جزءا بسماعه من ابى صادق الحسن بن يحيى بن صباح المخزومى

المخزومی المصری اخبرنا ابن رفاعة و الحدیث المذکور فی السابع من الفوائد المذکورة. و انابه شیخنا ابن الصواف المتقدم ذکره و الشریف ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالمحسن الغرا فی فی کتنا بیهما الی من الثغر.

قالا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الحرانی قال ابن الصواف بقراءة و الدی علیه و انا اسمع سنة عشرین، و قال الغرا فی بقراءة و الدی علیه و انا اسمع سنة ثلاثین و ستمائة قال انا ابومحمد عبدالله بن رفاعة بن غدیر السعدی الفرضی (ح) و کتب الی عثمان بن محمد من مکة شرفها الله تعالی انه قرأ علی الحافظ ابی الحسین یحیی بن علی القرشی فی تصنیفه المسمی بکتاب الدلائل المبینة فی مسائل المدینة.

قال انا القاضی ابو محمد عبدالله بن محمد الشافعی بقراءتی علیه بمصر و ابو عبدالله محمد بن ابی المعالی الحرانی بالاسکندریة قالا انا ابومحمد عبدالله ابن ابی الخیر الشافعی الفرضی انا القاضی ابوالحسن علی بن الحسن بن الحسین بن محمد الشافعی المعروف بالخلعی انا ابوالنعمان تراب بن عمر ابن عبید ثنا ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی ثنا ابوعبدالله الحسین بن اسماعیل قال ثنا عبید بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول‌الله صلی‌الله علیه وسلم (من زار قبری وجبت له شفاعتی).

و ممن رواها من طریق الخلعی الحافظ ابو القاسم بن عساکر فی تاریخه فی باب ان من زار قبره صلی‌الله علیه وسلم بعد وفاته کان کمن زار حضرته فی حال حیاته.

اخبرنا بذلك عبد المؤمن بن خلف و علی بن محمد و غیرهما مشافهة عن القاضی ابی نصر محمد بن هبة‌الله الشیرازی قال انا الحافظ ابوالقاسم

ابن عساكر قال انا خالي ابو المعالي محمد بن يحيي القرشي القاضي بدمشق انا ابو الحسن علي بن الحسن الخلعي انا تراب بن عمر بن عبيد ثنا ابو الحسن الدارقطني ثنا ابوعبدالله الحسين بن اسماعيل ثنا عبيد بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبري وجبت له شفاعتي) فقد اتفقت الروايات عن الدارقطني عن المحاملي على عبيدالله مصغرا وكذلك رواه غير الدارقطني عن غير المحاملي عن عبيد بن محمد انا بذلك عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابي نصر الشيرازي انا ابن عساكر انا ابوالقاسم الشحامي انا ابوبكر البيهقي انا ابوعبدالله الحافظ انا ابوالفضل محمد بن ابراهيم ثنا محمد بن زنجويه العشيري ثنا عبيد بن محمد بن القاسم بن ابي مريم الوراق ، وكان نيسابوري الاصل سكن بغداد ، ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبري وجبت له شفاعتي) فقد ثبت عن عبيد بن محمد روايته على التصغير وعبيد بن محمد ثقة قاله الخطيب رحمه الله تعالى ورواه عن موسى بن هلال عن عبيد بن محمد جماعة منهم جعفر بن محمد البزوري قال العقيلي في كتابه ثنا محمد بن عبدالله الحضرمي ثنا جعفر بن محمد البزوري ثنا موسى بن هلال البصري عن عبيدالله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبري فقد وجبت له شفاعتي) هكذا رأيته في نسخة عبيدالله .

ومنهم محمد بن اسماعيل بن سمرة الاحمسي واختلف عليه فروى عنه مصغرا كما رواه غيره اخبرنا بذلك عبدالمؤمن وغيره اذنا عن ابي

ابي نصر انا علي بن الحسن الحافظ انا اسماعيل بن محمد بن الفضل الحافظ انا احمد بن علي بن خلف انا ابوالقاسم بن حبيب حدثنا ابو بكر احمد ابن نصر بن نصر بن بكار البخاري انا ابو عبدالرحمن عبدالله بن عبيدالله ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي عن موسى بن هلال عن عبيدالله و روى عنه مكبرا انا بذلك اقسيان (؟) بن محفوظ بن محمود بن هلال بقراءتي عليه سنة ست و سبعمائة انا ابوسعيد قايماز بن عبد الله المعظمي انا الحافظ ابوطاهر احمد بن محمد السلفي انا ابوسعيد احمد بن الحسن بن احمد بن علي بن الخصيب الخانساري انا ابو بكر احمد بن الفضل بن محمد المقرى امام الجامع باصبهان ثنا ابو بكر محمد بن الحسن بن يوسف بن يعقوب الامام ثنا عبيدالله بن محمد بن عبدالكريم الرازي ثنا محمد بن اسماعيل بن سمرة الأحمسي ثنا موسى بن هلال العبدي عن عبدالله بن عمر هكذا نقلته من خط الحافظ ابي محمد عبدالعظيم المنذري رحمه الله .

و هكذا قاله ابو احمد بن عدي في كتاب الكامل كما انبأنا عبدالمؤمن وآخرون عن ابي الحسن بن المقير عن ابي الكرم بن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلي (ح) و انا عبدالمؤمن و غيره أيضا عن ابن محيل (؟) انا علي بن الحسن الدمشقي انا ابو القاسم الشحامي انا ابو بكر البيهقي انا ابوسعيد الماليني (ح) قال الدمشقي و انا ابوالقاسم ابن السمرقند انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف قالا انا ابو احمد بن عدي الحافظ حدثنا محمد بن موسى الحلواني (ح) قال الدمشقي و اخبرنا علي بن ابراهيم الخطيب انا رشأ بن نظيف انا الحسن بن اسماعيل ثنا احمد بن مروان ثنا محمد بن عبدالعزيز الدينوري قالا ثنا محمد بن اسماعيل ابن سمرة ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، و كذلك كتب الي

عثمان بن محمد من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ يحيي بن على انا الحافظ على بن المفضل قراءة عليه غير مرة و القاضى ابوالقاسم حمزة ابن على بن عثمان المخزومى قالا انا الحافظ ابو طاهر السلفى (ح) و انبأنا جماعة عن جماعة عنه انا ابو ابراهيم الخليل بن عبدالجبار انا سليم بن ايوب انا احمد بن عبدالله المعدل بالرى انا عبدالرحمن بن ابى حاتم الرازى ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسى ثنا موسى بن هلال عن عبدالله بن عمر .

و مرض الحافظ يحيي بن على القرشى هذه الرواية و ذكر ان الصواب عبيد الله بالتصغير و رأيت فى تاريخ ابن عساكر بخط ابى عبد الله البرزالى المحفوظ عن ابن سمرة (عبيدالله) و قال ابو احمد بن عدى فى كتاب الكامل فيما انبأنا جماعة بالاسناد المتقدم اليه عبدالله اصح و فيما قاله نظر، و الذى نرجح ان يكون عبيدالله لتضافر روايات عبيد ابن محمد كلها و بعض روايات ابن سمرة و لما سنذكره من متابعة مسلمة الجهنى لموسى بن هلال كما سيأتى فى الحديث الثالث .

و يحتمل ان يكون الحديث عن عبيدالله و عبدالله جميعا و يكون موسى سمعه منهما و تارة حدث به عن هذا و تارة عن هذا. و ممن رواه عن موسى عن عبدالله الفضل بن سهل فيما انا ابو محمد الدمياطى وغيره اذنا عن ابى نصر انا ابن عساكر انا ابو سعد احمد بن محمد البغدادى انا ابو نصر محمد بن احمد بن محمد انا ابو سعيد الصيرفى انا ابو عبدالله محمد ابن عبدالله بن احمد الصفار ثنا ابو بكر بن ابى الدنيا ثنا الفضل بن سهل ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، و هكذا قاله ابو الحسين يحيي بن الحسن الحسيى فى كتاب اخبار المدينة قال ثنا رجل من طلبة العلم ثنا الفضل

(١) ابن

ابن سهل فذكره .

قال حفيد صاحب الكتاب الحسن بن محمد بن يحيي فى موضع آخر منه يعنى ابا بكر وكذلك رواه ابن الجوزى فى (مثير العزم الساكن) ونقلته من خطه قال انبانا الحريرى انا الخياط انا ان درست ثنا ابن صفوان ثنا ابو بكر القرشى وهو ابن ابى الدنيا فذكره وهذه الطريق ان صحت تحمل على ان الحديث عنهما كما قدمناه فانه لا تنافى فى ذلك على ان عبدالله المكبر روى له مسلم مقرونا بغيره، وقال احمد رحمه الله صالح .

، وقال ابو حاتم رأيت احمد بن حنبل يحسن الثناء عليه وقال يحيي ابن معين ليس به بأس يكتب حديثه وقال انه فى نافع صالح وقال ابن عدى لا بأس به صدوق، وقال ابن حبان كان ممن غلب عليه الصلاح حتى غلب عن ضبط الأخبار وجودة الحفظ للآثار تقع المناكير فى روايته فلما فحش خطاؤه استحق الترك، وهذا الكلام من ابن حبان يعرفك انه لم يتكلم فيه لجرح فى نفسه وانما هو لكثرة غلطه .

واما حكمه باستحقاقه الترك فمخالف لاخراج مسلم رحمه الله تعالى له فى المتابعات وليس هذا الحديث فى مظنة ان يحصل فيه التباس على عبدالله لا فى سنده ولا فى متنه فانه فى نافع كما سبق وخصيص به ومتن الحديث فى غاية القصر والوضوح فاحتمال خطائه فيه بعيد والرواة جميعهم الى موسى بن هلال ثقات لاريبة فيهم، وموسى بن هلال قال ابن عدى ارجوانه لابأس به. واما قول ابى حاتم الرازى فيه انه مجهول فلايضره فانه اما ان يريد جهالة العين او جهالة الوصف فان

أراد جهالة العين و هو غالب اصطلاح اهل هذا الشأن فى هذا الاطلاق فذلك مرتفع عنه لانه قد روى عنه احمد بن حنبل و محمد بن جابر المحاربى و محمد بن اسمعيل الاحمسى و ابوامية محمد بن ابراهيم الطرسوسى وعبيد بن محمد الوراق و الفضل بن سهل و جعفر بن محمــد البزورى و برواية اثنين تنتفى جهالة العين فكيف برواية سبعة .

و ان أراد جهالة الوصف فرواية احمد عنه ترفع من شأنه لاسيما مع ماقاله ابن عدى فيه .

و ممن ذكره فى مشايخ احمد رحمه‌الله تعالى ابوالفرج ابن الجوزى و ابو اسحاق الصريفيني و احمد رحمه الله لم يكن يروى الاعن ثقة و قد صرح الخصم بذلك فى الكتاب الذى صنفه فى الرد على البكرى بعد عشر كراريس منه ، قال ان القائلين بالجرح و التعديل من علماء الحديث نوعان منهم من لم يرو الاعن ثقة عنده كمالك و شعبة ويحيى بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدى واحمد بن حنبل وكذلك البخارى و أمثاله .

و قد كفانا الخصم بهذا الكلام مؤنة تبيين ان احمد لا يروى الاعن ثقة و حينئذ لا يبقى له مطعن فيه .

و اما قول العقيلى انه لايتابع عليه و قول البيهقى سواء أقال عبيدالله أم عبدالله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر لم يأت به غيره فهذا و ما فى معناه يدلك على انه لاعلة لهذا الحديث عندهم الاتفرد موسى به وانهم لم يحتملوه له لخفاء حاله و الافكم من ثقة يتفرد باشياء و يقبل منــه ، و اما بعد قول ابن عدى فيه ما قال و وجود متابع فانه يتعين قبوله و عدم رده ، و لذلك و الله اعلم ذكره عبدالحق رحمه الله فى الاحكام الوسطى و الصغرى . سكت عنه و قد قال فى خطبة الاحكام الصغرى

انه

انه تخيرها صحيح الاسناد معروفة عند النقاد قد نقلها الأثبات و تداولها الثقات، و قال فى خطبة الوسطى و هى المشهورة اليوم بالكبرى ان سكوته عن الحديث دليل على صحته فيما يعلم وانه لم يتعرض لاخراج الحديث المعتل كله و اخرج منه يسيرا مما عمل به اوبأكثره عند بعض الناس و اعتمد و نزع اليه عند الحاجة اليه و انه انما يعلل من الحديث ما كان فيه أمر أو نهى أو يتعلق به حكم. و اما ما سوى ذلك فربما فى بعضها سمح و ليس منها شىء عن متفق على تركه و سبقه الحافظ ابوعلى بن السكن الى تصحيح الحديث الثالث كما سنذكره و هو متضمن لمعنى هذا الحديث.

و قول ابن القطان ان قول ابن عدى صدر عن تصفح روايات موسى بن هلال لاعن مباشرة احواله لايضر ايضا لان كثيرا من جرح المحدثين و توثيقهم على هذا التحويل هوأولى من ثبوت العدالة المجردة من غير نظر فى حديثه، و قد و جدنا لرواية موسى بن هلال متابعة و شواهد من وجوه سنذكرها، وبذلك تبين ان اقل درجات هذا الحديث ان يكون حسنا ان نوزع فى دعوى صحته فان الحسن قسمان. أحدهما ما فى اسناده مستور لم يتحقق أهليته و ليس مغفلا كثير الخطاء و لاظهر منه سبب مفسق و متن الحديث مع ذلك روى مثله او نحوه من وجه آخر.

و اقل درجات موسى بن هلال رحمه الله تعالى ان يكون بهذه الصفة وحديثه بهذه المثابة.

و القسم الثانى للحسن ان يكون راويه مشهورا بالصدق و الامانة لم يبلغ درجة رجال الصحيح لقصوره فى الحفظ و هو مع ذلك يرتفع عن حال من يعد ماينفرد به من حديثه منكرا. و هذا الحديث قد يقتضى اطلاق اسم الحسن على بعض ما سنذكره من الاحاديث ايضا:

و ليس لقائل ان يقول ان هذا يقتضى سلب اسم الحسن عن الحديث الذى نحن فيه فان ما ذكرناه ليس اختلافا فى حد الحسن بل هو تقسيم له و الحديث الحسن صادق على كل من النوعين . ثم ان الاحاديث التى جمعناها فى الزيارة بضعة عشر حديثا مما فيه لفظ الزيارة غير مايستدل به لها من أحاديث أخر و تضافر الاحاديث يزيدها قوة حتى ان الحسن قد يترقى بذلك الى درجة الصحيح .

و الضعيف قسمان قسم يكون ضعف راويه ناشئا من كونه متهما بالكذب و نحوه فاجتماع الاحاديث الضعيفة من هذا الجنس لا يزيدها قوة، و قسم يكون ضعف راويه ناشئا من ضعف الحفظ مع كونه من اهل الصدق و الديانة فاذا رأينا ما رواه قد جاء من وجه آخر عرفنا انه مما قد حفظه و لم يختل فيه ضبطه له ، هكذا قاله ابن الصلاح رحمه الله و غيره .

فاجتماع الأحاديث الضعيفة من هذا النوع يزيدها قوة و قد يترقى بذلك الى درجة الحسن أو الصحيح ، و لهذا لما تكلم النووى رحمه الله فى ان ميقات ذات عرق هل هو منصوص عليه او مجتهد فيه وصحح انه منصوص عليه و ذكر عن جمهور اصحابنا تصحيحه للاحاديث الواردة فيه و ان كانت أسانيد مفرداتها ضعيفة فمجموعها يقوى بعضه بعضا و يصير الحديث حسنا و يحتج به ، هكذا ذكره فى (شرح المهذب) فى كتاب الحج .

فهذه مباحث فى اسناد هذا الحديث اولها تحقيق كونه من رواية عبيدالله المصغر و ترجيح ذلك على من رواه عن عبد الله المكبر ، و ثانيها القول بانه عنهما جميعا ، و ثالثها على تقدير التنزل و تسليم انه عن عبدالله المكبر و حده فانه داخل فى قسم الحسن لما ذكرناه ، و رابعها على تقدير ان يكون ضعيفا من هذا الطريق و حده و حاشى لله فان اجتماع الاحاديث الضعيفة

الضعيفة من هذا النوع يقويها و يوصلها الى رتبة الحسن .

و بهذا بل بأقل منه يتبين افتراء من ادعى ان جميع الاحاديث الواردة فى الزيارة موضوعـــة فسبحان الله أما استحى من الله و من رسوله فى هذه المقـالة التى لم يسبقه اليها عالم و لاجاهل لامن اهل الحـديث و لامن غيرهم و لاذكر أحـد موسى بن هلال وَ لاغيره من رواة حديثه هذا بالوضع و لا اتهمه به فيما علمنا فـكيف يستجيز مسلم ان يطلق على كل الاحاديث التى هو واحد منها انها موضوعـــة ، و لم ينقل اليه ذلك عن عالم قبله و لاظهر عـــلى هذا الحديث شىء من الأسباب المقتضية للمحدثين للحكم بالوضع و لاحكم متنه مما يخالف الشريعة فن أى وجه يحـكم بالوضع عليه لوكان ضعيفا فـكيف و هو حسن أوصحيح .

و لنقتصر على هذا القدر مما يتعلق بسند هذا الحديث الاول ، و اما متنه فقوله « و جبت » معناه حقت و ثبتت و لزمت و انه لابد منها لوعده صلى الله عليه و سلم تفضلا منه .

وقوله صلى الله عليه و سلم « له » اما ان يـكون المراد له بخصوصه بمعنى ان الزائرين يخصون بشفاعة لاتحصل لغيرهم عموما و لاخصوصا .

و اما ان يكون المراد انهم يفردون بشفاعـــة مما يحصل لغيرهم ويكون افرادهم لذلك تشريفا و تنويها بهم بسبب الزيارة ، و اما ان يكون المراد انه ببركة الزيارة يجب دخوله فى عموم من تنا له الشفاعة .

و فائدة ذلك البشرى بأنه يموت مسلما ، و على هذا التقدير الثالث يجب اجراء اللفظ على عمومه لأنا لوأضمرنا فيه شرط الوفاة عـــلى

الاسلام لم يكن لذكر الزيارة معنى لان الاسلام وحده كاف فى نيل هذه الشفاعة و على التقديرين الاولين يصح هذا الاضمار ٠

فالحاصل ان أثر الزيارة إما الوفاة على الاسلام مطلقا لكل زائر وكفى بها نعمة . وإما شفاعة خاصة بالزائر أخص من الشفاعة العامة للسلمين ، و قوله « شفاعتى » فى الاضافة اليه تشريف لها فان الملائكة و الانبياء و المؤمنين يشفعون و الزائر لقبره صلى الله عليه وسلم له نسبة خاصة منه فيشفع فيه هو بنفسه و الشفاعة تعظم بعظم الشافع فكما ان النبي صلى الله عليه وسلم افضل من غيره كذلك شفاعته أفضل من شفاعة غيره و يحتاج هنا الى ذكر الشفاعة الاخروية و لكنى أؤخر الكلام فيها لتلايمل الناظر قبل كمال مقصوده من الزيارة ٠

الحديث الثانى

(من زار قبرى حلت له شفاعتى) رواه الامام ابو بكر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار فى مسنده . قال: حدثنا قتيبة ثنا عبدالله بن ابراهيم ثنا عبدالرحمن بن زيد عن ابيه عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم: من زار قبرى حلت له شفاعتى ، وهذا هو الحديث الأول بعينه و لذلك عزاه عبدالحق رحمه الله الى الدارقطنى والبزار جميعا الا ان فى الحديث الاول « وجبت » و فى هذا « حلت » فلذلك أفردته ، و قد نقلته من نسخة معتمدة سمعها الحافظ القاضى ابو على الحسين ابن محمد الصدفى على الشيخ الفقيه صاحب الأحكام ابو محمد عبدالله بن محمد بن اسماعيل بن فورتش فى سنة ثمانين و اربعمائة بسرقسطة و عليها خط ابى محمد عبدالله بن فورتش بسماع للصدفى عليه و انه حدثه بها عن الشيخ ابى عمر احمد بن محمد المقرى الطلمنكى اجازة انا ابوعبدالله محمد

محمد بن احمد بن يحيي بن معرج ثنا ابو الحسين محمد بن ايوب بن حبيب بن يحيي الرق الصموت ثنا ابو بكر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار .

و على هذه النسخة انها قوبلت باصل القاضي ابي عبدالله بن معرج الذى فيه سماعه على الرقى محمد بن ايوب و اكثر اصل ابن معرج بخط الرقى وقد حدث القاضى ابو علي الصدفي بهذه النسخة مرات و عليها الطباق عليه، و ممن قرأها على الصدفي محمد بن خلف بن سليمان بن فيجون (؟) في سنة ثلاث و خمس مائة و قد حدث بهذه النسخة أيضا الفقيه العالم المتقن ابو محمد بن حوط الله قرأها عليه محمد بن محمد بن سماعة في سنة ست وستمائة بمرسية .

و فورتش بضم الفاء بعدها و او ساكنة ثم راء ساكنة ثم تاء مثناة من فوق ثم شين معجمة ، و قتيبة شيخ البزار هو ابن المرزبان روى عنه أحاديث غير هذا .

و عبدالله بن ابراهيم هو الغفارى يقال انه من ولد ابي ذر رضي الله عنه روى له ابوداود و الترمذى قال ابوداود منكر الحديث، و قال ابن عدى عامة مايرويه لايتابعه عليه الثقات ، و قال البزار عقب ذكره هذا الحديث عبدالله بن ابراهيم حدث باحاديث لم يتابع عليها و انما يكتب من حديثه مالايحفظ الاعنه .

و عبدالرحمن بن زيد بن اسلم روى له الترمذى و ابن ماجه وضعفه جماعة و قال ابن عدى انه له احاديث حسان و انه ممن احتمله الناس وصدقه بعضهم و انه ممن يكتب حديثه ، و صحح الحاكم رحمه الله تعالى حديثا من جهته سنذكره في التوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم و اذ كان

المقصود من هذا الحديث تقوية الأول به و شهادته له لم يضر ما قيل فى هذين الرجلين اذ ليس راجعا الى تهمة كذب و لا فسق و مثل هذا يحتمل فى المتابعات و الشواهد .

الحديث الثالث

(من جاءنى زائرا لا يعمله حاجة الا زيارتى كان حقا علىّ ان أكون له شفيعا يوم القيامة) .

رواه الطبرانى فى معجمه الكبير و الدار قطنى فى اماليه و ابو بكر ابن المقرى فى معجمه و صححه سعيد بن السكن و هو من رواية مسلمة الجهنى عن عبيدالله العمرى ففيه متابعة لموسى بن هلال فى شيخه و بيان لانه لم يتفرد بالحديث و كان ينبغى لاجل ذلك ان نذكره مع الاول لكن لما تضمن زيادة معنى أفردناه ، و قد ورد فى بعض الروايات لا يعمله و فى بعضها لا ينزعه و اختلف على مسلمة فى عبيدالله و عبدالله كما اختلف على موسى بن هلال ، فرواه عبدالله بن محمد العبادى البصرى عن مسلمة عن عبيدالله مصغرا عن نافع و العبادى بضم العين المهملة و فتح الباء المخففة المنقوطة بواحدة و فى آخره الدال نسبة الى عباد بن ضبيعة بن قيس بن ثعلبة بن عكابة بن صعب بن علی بن بكر ، قال ابو سعد ابن السمعانى و المشهور بالنسبة اليهم عبدالله بن محمد العبادى يروى عن الحسن بن حبيب بن ندبة ، حدث عنه عبدان و غيره و قاله الصورى بتشديد الباء قال ابن ماكولا ما نعرفه الا مخففا .

اخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابى بكر بن ابراهيم ابن النحاس الاسدى بقراءتى عليه بجامع دمشق فى عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقى قراءة

عليه و انت تسمع انا ابوعبدالله محمد بن ابی زید بن حمد بن نصر الکرانی انا ابومنصور محمود بن اسماعیل بن محمد الصیرفی انا ابوالحسین احمد ابن محمد بن الحسین بن فاذشاه انا ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب ابن مطیر اللخمی الطبرانی ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادی البصری ثنا مسلمة بن سالم الجهنی حدثنی عبیدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم من جاءنی زائرا لاتعمله حاجة الازیارتی کان حقا علی أن اکون له شفیعا یوم القیامة . و اخبرنا به ایضا علی بن احمد الغرافی فی کتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعة انا الخلعی (ح) و کتب الی عثمان بن محمد انه قرأ علی الحافظ یحیی بن علی القرشی انا عبدالله بن محمد و ابن عماد قالا انا ابن رفاعة انا الخلعی انا ابوالنعمان تراب بن عمر بن عبید بن محمد بن عباس العسقلانی ثنا ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی الدارقطنی البغدادی املاء بمصر ثنا یحیی بن محمد بن صاعد ثنا ابومحمد عبدالله بن محمد العبادی من بنی عباد بن ربیعة فی بنی مرة بالبصرة سنة خمسین و مائتین حدثنا مسلمة بن سالم الجهنی امام مسجد بنی حرام و مؤذنهم ثنا عبیدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم من جاءنی زائرا لم تنزعه حاجة الازیارتی کان حقا علی أن اکون له شفیعا یوم القیمة .

و اخبرنا ایضا عبدالمؤمن و غیره اذنا عن ابی نصر انا ابن عساکر انا خالی ابو المعالی محمد بن یحیی بن علی انا علی بن الحسن بن الحسین الخلعی فذکره باسناده و متنه و فی هذین الطریقین اعنی طریق عبدان و طریق یحیی بن محمد بن صاعد نافع عن سالم و رواه غیرهما فقال فیه عن نافع

و سالم كذلك قرىء على ابي الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم بن هبة الله ابن طارق بن سالم بن النحاس الاسدى الحنفى في معجم ابن المقرى و انا اسمع بدمشق ان الحافظ ابا الحجاج يوسف بن خليل الدمشقى اخبره قراءة عليه وهو يسمع بحلب انا ابو مسلم المؤيد بن عبدالرحيم بن احمد ابن الاخوة و زوجه عين الشمس بنت ابي سعيد بن الحسن قالا انا ابو الفرج سعيد ابن ابي الرجاء الصيرفي قال المؤيد سماعا و قالت زوجته اجازة قال انا الشيخان ابو طاهر احمد بن محمود الثقفى و ابو الفتح منصور بن الحسين بن على بن القاسم قالا انا ابو بكر محمد بن ابراهيم بن على بن عاصم ابن المقرى (ح) واخبرنا عبد المؤمن بن خلف و غيره اذنا عن ابي نصر انا علي بن الحسن بن هبة الله اخبرناه ابو الفرج سعيد بن ابي الرجاء الاصبهانى انا منصور بن الحسين و ابو طاهر بن محمود قالا انا ابو بكر ابن المقرى ثنا محمد بن احمد ابن محمد الشطوى ببغداد ثنا عبدالله بن يزيد الخثعمى ثنا عبدالله بن محمد حدثنى مسلمة بن سالم الجهنى امام مسجد بنى حرام و مؤذنهم بالبصرة قال حدثنى عبيدالله بن عمر العمرى عن نافع و سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم « من جاءنى زائرا لاينزعه الازيارتى كان حقا على الله عزوجل ان اكون له شفيعا يوم القيامة » و فى رواية ابن عساكر حق بالرفع و هذه الطرق كلها متفقة عن عبد الله ابن محمد العبادى عن مسلمة عن عبيدالله مصغرا .

و رواه مسلم بن حاتم الانصارى عن مسلمة عن عبدالله اخبرنا بذلك ابن خلف و غيره اذنا عن ابن هبةالله انا الدمشقى انا ابو على الحداد فى كتابه حدثنى عبدالرحيم بن على ابو مسعود عنه انا ابو نعيم الحافظ حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا محمد بن احمد بن سليمان الهروى ثنا مسلم بن حاتم

حاتم الانصارى ثنا مسلمة ابن سالم الجهنى حدثنى عبدالله يعنى العمرى حدثنى نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من جاءنى زائرا لم تنزعه حاجة الا زيارتى كان حقا على أن اكون له شفيعا يوم القيامة :

هذه طرق هذا الحديث و قد ذكره الامام الحافظ ابو على سعيد ابن عثمان بن سعيد بن السكن البغدادى المصرى البزار فى كتابه المسمى بالسنن الصحاح المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه و سلم و هو كتاب محذوف الأسانيد قال فى خطبته :

اما بعد فانك سألتنى ان اجمع لك ما صح عندى من السنن المأثورة التى نقلها الائمة من اهل البلدان الذين لا يطعن عليهم طاعن فيما نقلوه فتدبرت ما سألتنى عنه فوجدت جماعة من الائمة قد تكلفوا ما سألتنى من ذلك. و قد وعيت جميع ما ذكروه و حفظت عنهم اكثر ما نقلوه و اقتديت بهم و اجبتك الى ما سألتنى من ذلك و جعلته ابوابا فى جميع ما يحتاج اليه من احكام المسلمين، فاول من نصب نفسه لطلب صحيح الآثار البخارى و تابعه مسلم و ابوداود و النسائى و قد تصفحت ما ذكروه و تدبرت ما نقلوه فوجدتهم مجتهدين فيما طلبوه فما ذكرته فى كتابى هذا مجملا فهو مما اجمعوا على صحته. و ما ذكرته بعد ذلك مما يختاره احد من الائمة الذين سميتهم فقد بينت حجته فى قبول ما ذكره و نسبته الى اختياره دون غيره. و ما ذكرته مما يتفرد به احد من اهل النقل للحديث فقد بينت علته و دللت على انفراده دون غيره. و بالله التوفيق.

قال فى هذا الكتاب فى آخر كتاب الحج باب ثواب من زار

قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جاءني زائرا لم تنزعه حاجة الا زيارتي كان حقا على ان اكون له شفيعا يوم القيامة ، صلى الله عليه وسلم ويذكر ابن السكن في هذا الباب غير هذا وذلك منه حكم بانه مجمع على صحته بمقتضى الشرط الذي شرطه في الخطبة وابن السكن هذا امام حافظ ثقة كثير الحديث واسع الرحلة سمع بالعراق والشام ومصر وخراسان وما وراء النهر من خلائق وهو بغدادي سكن مصر ومات بها في النصف من المحرم سنة ثلاث وخمسين وثلاثمائة وتبويب ابن السكن يدل على انه فهم منه ان المراد بعد الموت او ان ما بعد الموت داخل في العموم وهو صحيح .

الحديث الرابع

(من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي) رواه الدارقطني في سننه وغيرها ورواه غيره ايضا .

اخبرنا عبد المؤمن بن خلف الحافظ انا يوسف بن خليل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برح انا اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد انا ابو طاهر بن عبد الرحيم انا علي بن عمر الحافظ الدارقطني قال حدثنا عبد الله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابوالربيع الزهراني (ح) وقرأت على ابي محمد اسحاق بن يحيي بن اسحاق بن ابراهيم الآمدي واللفظ له اخبرك يوسف بن خليل الحافظ انا محمد بن ابي زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذشاه انا الطبراني ثنا الحسين ابن اسحاق التستري ثنا ابو الربيع الزهراني ثنا حفص بن ابي داؤد عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من حج فزار قبري بعد وفاتي

كان

كان كمن زارني في حياتي .

وكتب الى عثمان بن محمد من مكة انه قرأ على الحافظ ابى الحسين بمصر قال انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعى انا ابوطاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادي انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن الدارقطنى حدثنا عبدالله بن محمد بن عبد العزيز ثنا ابوالربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث بن ابى سليم : عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبرى بعد وفاتى فكأنما زارنى فى حياتى .

واخبرناه عبدالمؤمن وغيره اذنا عن الشيرازى انا الحافظ الدمشقى (؟) انا ابو عبدالله الخلال انا ابراهيم بن منصور انا ابو بكر ابن المقرى انا ابو يعلى الموصلى ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزارنى بعد وفاتى كان كمن زارنى فى حياتى ، وكذلك رواه ابواحمد بن عدى فى الكامل .

اخبرناه ابو محمد التونى ، هو الحافظ الدمياطى ، وآخرون اذنا عن ابى الحسن النجار عن ابى الكرم المبارك بن الحسن الشهرزورى انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلى انا حمزة بن يوسف السهمى انا ابواحمد عبدالله بن عدى الجرجانى انا الحسن بن سفيان ثنا على بن حجر ، وثنا عبدالله بن محمد البغوى ثنا ابو الربيع الزهرانى ، قال على ثنا حفص بن سليمان وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود وقالا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزار قبرى بعد موتى كان كمن زارنى فى

حياتى وصحبنى و اللفظ لابن سفيان.

و ذكر ابو بكر البيهقى فى السنن رواية ابن عدى هذه من الطريقين عن ابى سعد المالينى عن ابن عدى و ذكر ابن عدى ذلك فى ترجمة حفص بن سليمان الاسدى الغاضرى القارى و ذلك حكم منه بانه حفص ابن ابى داود المذكور فى الاسناد و قال اعنى ابن عدى ان ابا الربيع الزهرانى يسميه حفص بن ابى داود لضعفه و هو حفص بن سليمان، و قال البيهقى تفرد به حفص و هو ضعيف وكذلك حكم الحافظ ابن عساكر و رواه مسمى .

اخبرنا الدمياطى اذنا انبأنا ابن هبةالله الشيرازى انا ابن عساكر انا ه الخلال انا ابراهيم بن منصور السلمى انا ابو بكر ابن المقرى انا ابو سعيد المفضل بن محمد بن ابراهيم الجندى ثنا مسلمة وهو ابن شبيب ثنا عبدالرزاق ثنا ابوعمر حفص بن سليمان (ح) قال ابن عساكر و انا ابوالقاسم ابن السمرقندى انا ابوالقاسم اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف السهمى قالا انا ابو احمد بن عدى انا الحسن بن سفيان ثنا على بن حجر (ح) قال ابن عساكر و انا ابوالقاسم الشحامى انا ابوبكر البيهقى انا على بن احمد بن عبدان ثنا احمد بن عبيد حدثنى محمد بن اسحاق الصفار ثنا ابن بكار ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: من حج فزار قبرى بعد موتى كان كمن زارنى فى حياتى .

زاد السهمى «وصحبنى»، و رواه البيهقى فى السنن بدون هذه الزيادة عن عبدالله بن يوسف انا محمد بن نافع الخزاعى ثنا المفضل الجندى فذكره سندا و متنا كما ذكره ابن عساكر من طريق ابن المقرى.

وكتب

وكتب الي عثمان بن محمد التوزري من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على ابي اليمن ابن عساكر بها قال انا الحسن بن محمد انا على بن الحسن انا ابوالقاسم اسماعيل بن محمد انا احمد بن عبدالغفار بن اشته انا ابوسعيد النقاش انا ابو بكر محمد بن عبدالله بن ابراهيم الجوزجاني ثنا الحسن بن الطيب البلخي ثنا على بن حجر ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من زار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي .

وقال ابن النجار الحافظ البغدادي في كتاب (الدرة الثمينة في أخبار المدينة) انبأنا عبدالرحمن بن على انا ابوالفضل الحافظ عن ابي على الفقيه أنبانا ابوالقاسم الازهري انا القاسم بن الحسن ثنا الحسن بن الطيب ثنا على بن حجر ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي وصحبني ، قال ابو اليمن بن عساكر رحمه الله بالاسناد المتقدم اليه: وقد روى هذا الحديث الحسن بن الطيب عن على بن حجر فزاد فيه زيادة منكرة قال فيه : من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي وصحبني ، تفرد بقوله « وصحبني » الحسن بن الطيب وفيه نظر ، قلت وقد ذكرنا هذه الزيادة من طريق الحسن بن سفيان فلا تفرد فيها وعبدالرحمن الذي روى عنه ابن النجار هو ابن الجوزي رحمه الله وقد رأيته بخطه في كتابه (مثير العزم الساكن الى أشرف الاماكن) بالاسناد المذكور وقد روى هذا الحديث من وجه آخر عن حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن ليث بن ابي سليم .

اخبرنا بذلك الحافظ ابومحمد الدمياطي اجازة أنبانا ابونصر مكاتبة انا ابن عساكر سماعا انا الشحامی انا الجنز رودی انا ابن حمدان انا ابو يعلى الموصلى ثنا يحي بن ايوب ثنا حسان بن ابراهيم ثنا حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن ليث بن ابي سليم عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : من حج فزارنی بعد و فاتی عند قبری فكأنما زارنی فی حياتی ، و اشار ابن عساكر الى ان الصواب الاول ، .

أما كون حفص بن سليمان القاری الغاضری هو حفص بن ابی داود فكذلك قال البخاری و ابن ابی حاتم و ابن عدی و ابن حبان و غيرهم ، و اما كونه هو الراوی لهذا الحديث فكذلك قاله ابن عدی و ابن عساكر و اشار اليه البيهقی و هو السابق الى الذهن لكن ابن حبان فی كتاب الثقات ذكرما يقتضی التوقف فی ذلك فانه قال حفص ابن سليمان البصری المنقری يروی عن الحسن مات سنة ثلاثين و مائة و ليس هذا بحفص بن سليمان البزار أبی عمر القاری، ذاك ضعيف و هذا ثبت ، ثم قال فی الطبقة التی بعد هذه حفص بن ابی داود يروی عن الهيثم بن حبيب عن عون بن ابی جحيفة روی عنه ابوربيع الزهرانی، هذا كلام ابن حبان و مقتضاه ان حفص بن ابی داود المذكور فی الطبقة الاخيرة ثقة و انه غير القاری الضعيف المذكور فی الطبقة التی قبله عــلى سبيل التميز بينه و بين المنقری البصری ، و لعل ابا الربيع الزهرانی روی عنهما جميعا اعنی حفص بن سليمان المنقری و حفص ابن ابی داود و ان إختلفت طبقتهما .

و قد ذكر ابن حبان حفص بن سليمان المقری فی كتاب المجروحين

و ذكر ضعفه و قال انه ابن ابي داود و يعد القول بانه اشتبه عليه و جعلها اثنين احدهما ثقة و الآخر ضعيف على ان هذا الاستبعاد مقابل بان ابن عدى ذكر فى ترجمة حفص القارى حديثا من رواية ابى الربيع الزهرانى عن حفص بن ابى داود عن الهيثم بن حبيب عن عون بن ابى جحيفة عن ابيه قال مر النبي صلى الله عليه و سلم برجل يصلى قد سدل ثوبه فعطفه عليه .

و يبعد ايضا ان يكونا اثنين و يشتبه على ابن عدى فيجعلهما و احدا و الموضع موضع نظر فان صح مقتضى كلام ابن حبان زال الضعف فيه، و لا ينا فى هذا كونه جاء مسمى فى رواية هذا الحديث لجواز ان يكون قد وافق حفصا القارى فى اسم ابيه و كنيته . و ان كان هو القارى كما حكم به ابن عدى و غيره و هو ابن امرأة عاصم فقد اكثر الناس الكلام فيه و بالغوا فى تضعيفه حتى قيل عن عبد الرحمن بن يوسف بن خراش انه كذاب متروك يضع الحديث ، و عندى ان هذا القول سرف فان هذا الرجل امام قراءة ، وكيف يعتقد انه يقدم على وضع الحديث و الكذب و يتفق الناس على الاخذ بقراءته ، و انما غايته انه ليس من اهل الحديث فلذلك وقعت المنكرات و الغلط الكثير فى روايته .

و قد قال عبد الله بن احمد بن حنبل : سألته يعنى اباه عن حفص ابن سليمان المقرى فقال هو صالح و روى عثمان بن احمد الدقاق عن حنبل بن اسحاق قال قال ابو عبد الله و ما كان بحفص بن سليمان المقرى بأس وحسبك بهذين القولين من احمد رحمه الله و هما مقدمان على من روى عن احمد خلاف ذلك فيه و لو ثبت ضعفه كما هو المشهور فانه

لم يتفرد بهذا الحديث . و قول البيهقى رحمه الله تعالى انه تفرد به بحسب ما اطلع عليه . و قد جاء فى معجمى الطبرانى الكبير و الأوسط متابعته .

اخبرنا به فى المعجم الكبير ابو محمد اسحاق بن يحيي الآمدى بقراءتى عليه بسفح قاسيون فى يوم السبت رابع عشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج قراءة عليه و انت تسمع انا ابن ابى زيد الكرانى انا محمود الصيرفى انا ابن فاذشاه انا الطبرانى رحمه الله ثنا احمد بن رشدين ثنا على بن الحسن بن هارون الانصارى ثنا الليث ابن بنت الليث بن ابى سليم قال حدثتنى جدتى عائشة بنت يونس امرأة الليث عن ليث بن ابى سليم عن مجاهد عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : من زار قبرى بعد موتى كان كمن زارنى فى حياتى ، و اخبرناه أيضا عبدالمؤمن و غيره اذنا عن ابن مميل (؟) انا الحافظ على بن الحسن انا ابو الفتح احمد بن محمد بن احمد ابن سعيد الحداد فى كتابه انا عبدالرحمن بن محمد بن حفص الهمذانى ثنا سليمان بن ايوب و هو الطبرانى ـ فذكره .

و قد روى بعضهم هذا الحديث فقال فيه جعفر بن سليمان الضبعى كذلك وقع فى جزء ابى بكر محمد بن السرى ، اخبرنا به عبد المؤمن الحافظ اذنا عن يوسف بن خليل الحافظ انا ابوالفتوح نصر بن ابى الفرج بن على الحصرى انا ابو محمد محمد بن احمد بن عبد الكريم التميمى انا ابو نصر محمد بن محمد بن على الزينبى (ح) و انبأنا عبدالمؤمن أيضا قال انبأنا ابو نصر انا ابن عساكر انا ابو الفرج عبد الخالق بن احمد بن عبدالقادر بن محمد بن يوسف انا الزينبى (ح) و انبأنا عاليا ابو جعفر محمد بن على بن الحسين بن سالم السلمى المرداسى ابن الموازينى مكاتبة

و مشافهة

و مشافهة قال انبأنا ابو القاسم الحسين بن هبةالله بن محفوظ بن صصرى انا عبد الخالق بن يوسف و ابو المظفر بن التريكى كلاهما عن الزينبي (ح) و وجدته بخط اسماعيل ابن الانماطى انا محمد بن علوان انا سعيد ابن محمد ثنا ابو سعد ابن السمعانى املاء بهراة انا المظفر بن احمد و محمد ابن القاسم قالا انا الزينبي انا ابو بكر محمد بن عمر بن خلف بن زنبور الكاغذى انا ابو بكر محمد بن السرى بن عثمان التمار ثنا نصر بن شعيب مولى العبديين ثنا ابى ثنا جعفر بن سليمان الضبعى عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضى‌الله عنهما قال قال رسول‌الله صلى‌الله عليه و سلم: من حج بعد وفاتى و زار قبرى كان كمن زارنى فى حياتى.

قال ابن عساكر كذا قال جعفر بن سليمان الضبعى و هو وهم و انما هو حفص بن سليمان ابو عمر الاسدى الغاضرى القارى.

الحديث الخامس

(من حج البيت ولم يزرنى فقد جفانى)

رواه ابن عدى فى الكامل و غيره. أخبرناه إذنا و مشافهة عبدالمؤمن و آخرون عن ابى الحسن ابن المقير البغدادى عن ابى الكرم ابن الشهرزورى انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلى انا حمزة بن يوسف السهمى انا ابو احمد بن عدى ثنا على بن اسحاق ثنا محمد بن محمد بن النعمان حدثنى جدى قال حدثنى مالك عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول‌الله صلى‌الله عليه و سلم من حج البيت ولم يزرنى فقد جفانى.

و ذكر ابن عدى احاديث النعمان ثم قال هذه الاحاديث عن نافع عن ابن عمر يحدث بها النعمان بن شبل عن مالك و لا اعلم رواه عن مالك غير النعمان بن شبل و لم ارفى أحاديثه حديثا غريبا قد جاوز الحد

فاذكره وروى فى صدر ترجمته عن عمران بن موسى الزجاجي انه ثقة وعن موسى بن هارون انه متهم وهــذه التهمة غير مفسرة فالحكم بالتوثيق مقدم عليها، وذكر ابو الحسن الدار قطنى رحمه الله هذا الحديث فى احاديث مالك بن انس الغرائب التى ليست فى الموطا وهو كتاب ضخم . قال ثنا ابو عبدالله الايلى وعبدالباقى قالا ثنا محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل ثنا جدى ثنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من حج البيت ولم يزرنى فقد جفانى، قال الدارقطنى تفرد به هذا الشيخ وهو منكر هذه عبارة الدارقطنى . والظاهر ان هذا الانكار منه بحسب تفرده وعدم احتماله بالنسبة الى الاسناد المذكور ولا يلزم من ذلك ان يكون المتن فى نفسه منكرا ولا موضوعا وقد ذكره ابن الجوزى فى الموضوعات وهو سرف منه ويكفى فى الرد عليه ما قاله ابن عدى ، وقال ابن الجوزى عن الدار قطنى ان الحمل فيه على محمد بن محمد بن النعمان لا على جده وكلام الدارقطنى الذى ذكرناه محتمل لذلك ولان يكون المراد تفرد النعمان كما قاله ابن عدى .

واما قول ابن حبان ان النعمان يأتى عن الثقات بالطامات فهو مثل كلام الدارقطنى الا انه بالغ فى الانكار . وقد روى ابن حبان فى كتاب المجروحين عن احمد بن عبيد عن محمد بن محمد . وقول ابن الجوزى فى كتاب الضعفاء ان الدار قطنى طعن فى محمد بن محمد بن النعمان فالذى حكيناه من كلام الدارقطنى رحمه الله هو الانكار لا التضعيف فتحصل من هذا ابطال الحكم عليه بالوضع لكنه غريب كما قال الدارقطنى وهو لاجل كلام ابن عدى صالح لان يعتضد به غيره وهذا الحديث كان

ينبغى

ينبغي تقديمه بعد الاول لكونه من طريق نافع و لكنا اخرناه لاجل ما وقع فيه من الكلام .

و مما يجب ان يتنبه له ان حكم المحدثين بالانكار و الاستغراب قد يكون بحسب تلك الطريق فلايلزم من ذلك رد متن الحديث بخلاف اطلاق الفقيه ان الحديث موضوع فانه حكم على المتن من حيث الجملة فلاجرم قبلنا كلام الدارقطني و رددنا كلام ابن الجوزي و الله اعلم .

و حديث آخر

من رواية ابن عمر رضي الله عنهما ذكره الدارقطني في العلل في مسند ابن عمر في حديث : من استطاع ان يموت بالمدينة فليفعل . قال : ثنا جعفر بن محمد الواسطي ثنا موسى بن هارون ثنا محمد بن الحسن الختلي ثنا عبدالرحمن بن المبارك ثنا عون بن موسى عن ايوب عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله و سلم ، من زارني الى المدينة كنت له شفيعا و شهيدا ، قيل للختلي انما هو سفيان بن موسى قال اجعلوه عن ابن موسى ، قال موسى بن هارون و رواه ابراهيم بن الحجاج عن وهب عن ايوب عن نافع مرسلا عن النبي صلى الله عليه و سلم فلا ادري أسمعه من ابراهيم بن الحجاج اولا ، و انما لم افرد هذا الحديث بترجمة لان نسخة العلل للدارقطني التي نقلت منها سقيمة .

الحديث السادس

(من زار قبري ـ او من زارني ـ كنت له شفيعا ـ او شهيدا) رواه ابوداود الطيالسي في مسنده و قد سمعت المسند المذكور كله متفرقا على اصحاب ابن خليل .

اخبرنا ابوبكر احمد بن محمد بن ابي القاسم بن بدران بن ابان

الدمشقي بقراءتي عليه بالشام سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابوالحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقي بحلب سنة ثلاث و اربعين و ستمائة قال انا القاضي ابو المكارم احمد بن محمد بن محمد بن عبد الله بن محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن قيس اللبان قراءة عليه و انا اسمع غير مرة باصبهان في سنة احدى و تسعين و خمس مائة قيل له اخبركم ابوعلي الحسن بن احمد بن الحسن الحداد المقرئ قراءة عليه و انت تسمع في محرم سنة اثنتي عشرة و خمسمائة فاقر به قال انا الامام ابونعيم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق الحافظ قراءة عليه و انا اسمع انا ابومحمد عبدالله بن جعفر ابن احمد بن فارس ثنا ابو بشر يونس بن حبيب ثنا ابوداود الطيالسي ثنا سوار بن ميمون ابو الجراح العبدي قال حدثني رجل من آل عمر عن عمر رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول من زار قبري - اوقال من زارني - كنت له شفيعا - اوشهيدا ، و من مات في أحد الحرمين بعثه الله عزوجل في الآمنين يوم القيامة .

و ذكر البيهقي هذا الحديث في السنن الكبير من جهة الطيالسي رحمه الله و ذكره الحافظ ابن عساكر من جهته ، أنبأناه عبد المؤمن وغيره عن ابن الشيرازي انا ابن عساكر اناه ابوعلي الحداد اجازة ثم انا ابن السمرقندي انا يوسف بن الحسن التفكري ؟ قالا انا ابونعيم ثنا ابن فارس (ح) و به الى ابن عساكر قال و اخبرنا الشحامي انا ابو بكر البيهقي انا ابن فورك انا ابن فارس - فذكره . و سوار بن ميمون روى عنه شعبة لما سنذكره في الحديث السابع و رواية شعبة عنه دليل على ثقته عنده ، فطريق في الاسناد من ينظر فيه الا الرجل الذي من آل عمر و الامر فيه قريب لاسيما في هذه الطبقة التي هي طبقة التابعين

التابعين، واما قول البيهقي هذا اسناد مجهول فان كان سببه جهالة الرجل الذي من آل عمر فصحيح وقد بينا قرب الامر فيه، وان كان سببه عدم علمه بحال سوار بن ميمون فقد ذكرنا رواية شعبة عنه وهي كافية.

وقد روى البيهقي ايضا رواية شعبة عنه في غير السنن كما سنذكره في الحديث السابع وذكر البيهقي في موضع آخر انه اختلف فقيل سوار بن ميمون وقيل ميمون بن سوار من رواية وكيع عنه.

الحديث السابع

(من زارني متعمدا كان في جواري يوم القيامة) رواه ابوجعفر العقيلي وغيره من رواية سوار بن ميمون المتقدم على وجه آخر غير ما سبق.

اخبرنا الحافظ ابومحمد اذنا انا ابن الشيرازي في كتابه انا ابن عساكر سماعا انا الشحامي انا البيهقي انا ابوعبدالله الحافظ اخبرني علي ابن عمر الحافظ ثنا احمد بن محمد الحافظ حدثني داود بن يحيي (ح) قال ابن عساكر وانا ابوالبركات ابن الانماطي انا ابو بكر الشامي انا ابوالحسن انا ابوالحسن العتيق انا ابن الدخيل ثنا ابوجعفر محمد بن عمرو العقيلي ثنا محمد بن موسى قالا ثنا احمد بن الحسن الترمذي ثنا عبدالملك بن ابراهيم الجدي ثنا شعبة عن سوار بن ميمون عن (١).

وفي حديث الشحامي، ثنا هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من زارني متعمدا كان في جواري يوم القيامة. زاد الشحامي: ومن سكن المدينة وصبر على بلائها

(١) كذا في الاصل.

كنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة ، قالا « و من مات فى احد الحرمين بعثه الله فى الآمنين » . و قال الشحامى : من الآمنين يوم القيامة و هارون بن قزعة ذكره ابن حبان فى الثقات و العقيلى لما ذكره فى كتابه لم يذكر فيه اكثر من قول البخارى انه لايتابع عليه فلم يبق فيه الاالرجل المبهم و ارساله و قوله فيه من آل الخطاب ، كذا وقع فى هذه الرواية و هو يوافق قوله فى رواية الطيالسى من آل عمر و قد أسنده الطيالسى عن عمر كما سبق لكنى اخشى ان يكون الخطاب تصحيفا من حاطب فان البخارى لما ذكره فى التاريخ قال هارون ابو قزعة عن رجل من ولد حاطب عن النبي صلى الله عليه و سلم من مات فى احد الحرمين . روى عنه ميمون بن سوار . لايتابع عليه ، و قال ابن حبان ان هارون ابن قزعة يروى عن رجل من ولد حاطب المراسيل . و على كلا التقديرين فهو مرسل جيد .

و اما قول الازدى ان هارون متروك الحديث لايحتج به فلعل مستنده فيه ما ذكره البخارى و العقيلى و بالغ فى اطلاق هذه العبارة لانها انما تطلق حيث يظهر من حال الرجل ما يستحق به الترك و قد عرفت ان ابن حبان ذكره فى الثقات و ابن حبان اعلم من الازدى و اثبت و قد روى عن هارون بن قزعة ايضا مسندا بلفظ آخروهو(١) .

الحديث الثامن

(من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى) ، رواه الدرقطنى و غيره ، اخبرناه الحافظ ابو محمد الدمياطى سماعا عليه فى كتاب السنن للدارقطنى قال انا الحافظ ابوالحجاج يوسف بن خليل انا الويرج انا

(١) كذا .

الاخشيد انا ابن عبدالرحيم انا الدارقطني ثنا ابوعبيد و القاضي ابوعبدالله و ابن مخلد قالوا ثنا محمد بن الوليد البسري ثنا وكيع ثنا خالد بن ابي خالد و ابوعون عن الشعبي و الأسود بن ميمون عن هارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم « من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من مات باحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة » .

هكذا هو في سنن الدارقطني و انبأنا به أيضا عبدالمؤمن انبأنا ابن الشيرازي انا ابن عساكر انا فراتكين التركي انا الجوهري انا علي بن محمد ابن لؤلؤ انا زكريا الساجي (ح) قال ابن عساكر و انا احمد بن محمد البغدادي انا ابن شكرويه و محمد بن احمد السمسار قالا انا ابراهيم بن عبدالله انا المحاملي قالا ثنا محمد بن الوليد البسري ثنا وكيع ثنا خالد بن ابي خالد و ابن عون عن الشعبي و الاسود بن ميمون عن هارون بن قزعة ـ به .

و أنبأناه عبد المؤمن ايضا أنبأنا ابو نصر انا ابن عساكر انا علي ابن ابراهيم الحسيني انا رشأ بن نظيف المقرى انا الحسن بن اسماعيل الفرات ثنا احمد بن مروان المالكي ثنا زكريا بن عبدالرحمن البصري ثنا محمد بن الوليد ثنا وكيع بن الجراح عن خالد و ابن عون عن هارون ابن قزعة مولى حاطب عن حاطب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم « من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من مات في احد الحرمين بعث يوم القيامة من الآمنين » كذا وقع في رواية احمد ابن مروان المالكي و هو صاحب المجالسة عن هارون عن حاطب و الذين رووا عن رجل عن حاطب كما تقدم اولى بان يكون الصواب معهم .

الحديث التاسع

(من حج حجة الاسلام و زار قبری و غزا غزوة و صلی علی فی بیت المقدس لم یسأله الله عزوجل فیما افترض علیه) رواه الحافظ ابو الفتح الازدی فی الثانی من فوائده . اخبرنا به ابو النجم شهاب بن علی المحنی قراءة علیه و انا اسمع بالقرافة الصغری فی سنة سبع و سبعمائة و ابو الفتح ابن ابراهیم بقراءتی علیه سنة ثلاث و عشرین قالا انا ابو محمد عبدالوهاب ابن ظافر بن علی بن فتوح الازدی المعروف بابن رواج قال الاول سماعا و قال الثانی اجازة قال انا الحافظ ابوطاهر بن احمد بن محمد بن احمد ابن ابراهیم بن سلفة السلفی الاصبهانی قراءة علیه و انا اسمع انا ابو طالب عبد القادر بن محمد بن یوسف ببغداد ثنا ابواسحاق بن ابراهیم بن عمر ابن احمد البرمکی انا ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد الازدی الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابی الدلهات ثنا ابو سهل بدر بن عبدالله المصیصی ثنا الحسن بن عثمان الزیادی ثنا عمار بن محمد حدثنی خالی سفیان عن منصور عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله بن عمر رضی‌الله عنهما .قال قال رسول‌الله علیه و سلم : من حج حجة الاسلام و زار قبری و غزاغزوة و صلی علی فی بیت المقدس لم یسأله الله عزوجل فیما افترض علیه . عمار بن محمد ابن اخت سفیان الثوری روی له مسلم، و الحسن بن عثمان الزمادی قال الخطیب : کان احد العلماء الافاضل من اهل المعرفة و الثقة و الامانة ولی قضاء الشرقیة فی خلافة المتوکل و روی عنه طلحة ابن جعفر و ذکره غیر الخطیب ایضا وکان صالحا دینا فهما قد عمل الکتب کانت له معرفة بایام الناس و له تأریخ حسن وکان کریما و اسعا مفضالا . و ابوسهل بدر بن عبدالله المصیصی ما علمت من حاله شیئا

شيئا، والنعمان بن هارون بن ابى الدلهات حدث ببغداد عن جماعة كثيرين و روى عنه محمد بن المظفر و على بن عمر السكرى .

قال الخطيب: و ما علمت من حاله الاخيرا. وصاحب الجزء ابو الفتح محمد بن الحسين بن احمد بن الحسين بن عبدالله بن يزيد بن النعمان الازدى الموصلى من اهل العلم و الفضل كان حافظا صنف كتابا فى علوم الحديث ذكره الخطيب فى التاريخ و ابن السمعانى فى الانساب ، اثنى عليه محمد بن جعفر بن علان و ذكره بالحفظ و حسن المعرفة بالحديث، و قال ابو النجيب الارموى رأيت اهل الموصل يوهنونه جدا و لا يعدونه شيئا و سئل البرقانى عنه فأشار الى انه كان ضعيفا و ذكر غيره كلاما اشد من هذا .

الحديث العاشر

(من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى و انا حى) رواه ابو الفتوح سعيد بن محمد بن اسماعيل اليعقوبى فى جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض شمائل سيدنا رسول الله صلى الله عليه و سلم و آثاره و ما ورد فى فضل زيارته و درجة زواره، و هذا الجزء رواية المحدث اسماعيل بن عبدالله بن عبدالمحسن الانصارى المالكى المشهور بابن الانماطى و نقلت من خطه قال انا ابو محمد عبدالله بن علوان بن هبة الله بن ريحان الحوطى التكريتى الصوفى قراءة عليه و انا اسمع بالحرم الشريف على دكة الصوفية بجانب باب بنى شيبة تجاه الكعبة المعظمة زادها الله شرفا .

قال ثنا ابوالفتوح سعيد بن محمد بن اسماعيل اليعقوبى فى ربيع الاول سنة اثنتين و خمسين و خمسمائة قال ثنا الامام ابن السمعانى ثنا ابوسعيد احمد بن محمد بن احمد بن الحسن الحافظ املاء فى الروضة بين قبر

النبي صلى الله عليه وسلم ومنبره فى الزورة الثانية انا ابوالحسين احمد بن عبدالرحمن الذكوانى انا احمد بن موسى بن مردويه الحافظ ثنا الحسن ابن محمد السوسى ثنا احمد بن سهل بن ايوب ثنا خالد بن يزيد ثنا عبدالله بن عمر العمرى قال سمعت سعيد المقبرى يقول سمعت ابا هريرة رضي الله عنه يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم «من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى وانا حي، ومن زارنى كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة».

خالد بن يزيد إن كان هو العمرى فقد قال ابن حبان انه منكر الحديث واحمد بن سهل بن ايوب أهوازى قال الصريفيني مات بالاهواز يوم التروية سنة احدى وتسعين ومائتين.

الحديث الحادى عشر

(من زارنى بالمدينة محتسبا كنت له شفيعا وشهيدا) وفى رواية من زارنى محتسبا الى المدينة كان فى جوارى يوم القيامة، أنبانا الدمياطي وابن هارون وغيرهما قالوا أنبانا محمد بن هبة الله قال انا على ابن الحسن الحافظ سماعا انا زاهر انا البيهقي انا ابوسعيد بن ابي عمرو (ح) قال الحافظ وانا ابوسعد ابن البغدادى انا ابونصر محمد بن احمد ابن شبويه انا ابوسعيد الصيرفى انا محمد بن عبد الله الصفار ثنا ابن ابي الدنيا حدثني سعيد بن عثمان الجرجانى ثنا محمد بن اسماعيل بن ابي فديك اخبرنى ابو المثنى سليمان بن يزيد الكعبي - وفى حديث زاهر: العتكى، (ح) قال الحافظ وانا ابن السمرقندى انا بن مسعدة انا حمزة ثنا ابو بكر بن محمد بن احمد بن اسماعيل بجرجان ثنا ابو عوانة موسى بن يوسف القطان ثنا عباد بن موسى الختلي ثنا ابن ابي فديك عن سليمان

ابن

ابن يزيد الكعبي عن انس بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : من زارنى بالمدينة محتسبا كنت له شفيعا و شهيدا . و فى حديث عبادة : كنت له شهيدا ـ او شفيعا . و قالا : يوم القيامة .

و ذكره ابن الجوزى فى (مثير العزم الساكن) و من خطه نقلت بسنده الى ابن ابى الدنيا باسناده المذكور .

و بالاسناد الى البيهقى انا ابو عبدالله الحافظ ثنا على بن عيسى ثنا احمد بن عبدوس بن حمدويه الصفار النيسابورى ثنا ايوب بن الحسن ثنا محمد بن اسماعيل بن ابى فديك بالمدينة ثنا سليمان بن يزيد الكعبي عن انس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : « من مات فى احد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة ـ و من زارنى محتسبا الى المدينة كان فى جوارى يوم القيامة » هذه الاسانيد الثلاثة دارت على محمد بن اسماعيل بن ابى فديك و هو مجمع عليه و سليمان بن يزيد ذكره ابن حبان فى الثقات و قال ابو حاتم الرازى انه منكر الحديث ليس بقوى .

الحديث الثانى عشر

(ما من أحد من امتى له سعة ثم لم يزرنى فليس له عذر) قال الحافظ ابو عبدالله محمد بن محمود ابن النجار فى كتاب (الدرة الثمينة فى فضائل المدينة) أنبانا ابو محمد بن على انا ابو يعلى الازدى انا ابو اسحاق البجلى انا سعيد بن ابى سعيد النيسابورى انا ابراهيم بن محمد المؤدب انا ابراهيم بن محمد ثنا محمد بن محمد ثنا محمد بن مقاتل ثنا جعفر ابن هارون ثنا سمعان بن المهدى عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم « من زارنى ميتا فكأنما زارنى حيا و من

زار قبري وجبت له شفاعتي يوم القيامة - وما من احد من امتي له سعة ثم لم يزرني فليس له عذر » .

الحديث الثالث عشر

(من زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا) اوقال « شفيعا » ذكره الحافظ ابو جعفر العقيلي في كتاب الضعفاء في ترجمة فضالة بن سعيد بن زميل المازني قال : ثنا سعيد بن محمد الحضرمي ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المازني ثنا محمد بن يحيي المازني عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم « من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي ومن زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا » أوقال : شفيعا.

وذكره الحافظ ابن عساكر من جهته ايضا . أنبأنا به ابو محمد الدمياطي عن ابن هبة الله بسماعه منه انا ابوالبركات عبد الوهاب بن المبارك الانماطي انا ابوبكر محمد بن المظفر الشامي انا ابو الحسن احمد ابن محمد العتيقي انا يعقوب بن يوسف بن احمد الصيدلاني ثنا ابو جعفر محمد بن عمرو العقيلي فذكره باسناده الا انه قال: من رآني في المنام كان كمن رآني في حياتي ، والباقي سواه ، ووقع في روايته ايضا شعيب بن محمد الحضرمي ولعله تصحيف ، وفضالة بن سعيد قال العقيلي في ترجمته حديثه غير محفوظ لايعرف الابه هكذا رأيته في كتاب العقيلي . وذكر الحافظ ابن عساكر عنه انه قال: لايتابع على حديثه من جهة تثبت ولايعرف الابه . ومحمد بن يحيي المازني ذكره ابن عدى في الكامل وقال ان احاديثه مظالة منكرة ، ولم يذكر ابن عدى هذا الحديث في احاديثه ولم يذكر فيه ولاالعقيلي في فضالة شيئا من الجرح سوى التفرد والنكارة.

الحديث

الحديث الرابع عشر

(من لم يزر قبري فقد جفاني) قال ابوالحسين يحي بن الحسن بن جعفر الحسني (١) في كتاب (إخبار المدينة) ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمذاني ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل، مديني، سنة ست وسبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من لم يزرني فقد جفاني. و قال الحافظ ابو عبدالله ابن النجار في (الدرة الثمينة): روى عن علي رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من لم يزر قبري فقد جفاني. و قال ابوسعيد عبدالملك بن محمد بن ابراهيم النيسابوري الخركوشي الواعظ في كتاب (شرف المصطفى) صلى الله عليه وسلم: روى عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال: قال نبي الله صلى الله عليه و سلم «من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من لم يزر قبري فقد جفاني».

وهذا الكتاب في ثمان مجلدات و مصنفه عبدالملك النيسابوري صنف في علوم الشريعة كتبا توفي سنة ست واربعمائة بنيسابور و قبره بها مشهور يزار و يتبرك به و شيخه في الفقه ابو الحسن الماسرجسي و قد روى حديث علي رضي الله عنه من طرق اخرى ليس فيها تصريح بالرفع ذكرها ابن عساكر.

أنبأنا عبدالمؤمن و آخرون عن ابن الشيرازي انا ابن عساكر انا ابو العز احمد بن عبيدالله انا ابو محمد الجوهري انا علي بن محمد بن احمد بن نصير بن عرفة ثنا محمد بن ابراهيم الصلحي ثنا منصور بن قدامة الواسطي ثنا المصوف

(١) يأتي فيما بعد «الحسيني»

ابن ابی الجارود ثنا عبد الملك بن هارون بن عنترة عن ابيه عن جده عن علی بن ابی طالب قال من سأل لرسول الله صلی الله علیه و سلم الدرجة الوسيلة حلت له شفاعتی (١) يوم القيامة و من زار قبر رسول الله صلی الله علیه و سلم كان فی جوار رسول الله صلی الله عليه وسلم . عبد الملك بن هارون بن عنترة فيه كلام كثير. رماه يحيي بن معين و ابن حبان و قال البخاری منكر الحديث و قال احمد: ضعيف .

الحديث الخامس عشر

(من أتی المدينه زائرا) قال يحيي الحسيني (٢) فی (اخبار المدينة) فی ما جاء فی زيارة قبر النبي صلی الله عليه و سلم و فی السلام عليه . ثنا محمد ابن يعقوب ثنا عبدالله بن وهب عن رجل عن بكر بن عبدالله عن النبي صلی الله عليه و سلم قال، «من أتی المدينة زائرا لی و جبت له شفاعتی يوم القيامة و من مات فی احد الحرمين بعث آمنا » .

و قد وردت أحاديث اخر فی ذلك فيها من لم يمكنه زيارتی فليزر قبر ابراهيم الخليل عليه الصلاة و السلام، و سأذكر ذلك ان شاء الله تعالی فی الكلام علی زيارة سائر الانبياء و الصالحين .

الباب الثانی

فيماورد من الأخبار و الأحاديث دالاعلی فضل الزيارة و ان لم يكن فيه لفظ الزيارة

روينا فی سنن ابی داود السجستانی عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه و سلم قال: ما من احد يسلم علی الارد الله علی

(١) كذا ولعله « شفاعته » (٢) مرسا بقا « الحسنی»

روحي حتى أرد عليه السلام .

انا بذلك و بجميع سنن ابي داود شيخنا الحافظ ابو محمد الدمياطي بقراءتي عليه لبعضها و قراءة عليه و انا اسمع لباقيها قال انا بجميعها ابو الحسن ابن ابي عبدالله بن ابي الحسن البغــدادي قراءة عليه و انا اسمع عن ابي المعالي الفضل بن سهل بن بشر الاسفرايني عن الخطيب ابي بكر احمد بن علي بن ثابت الحافظ . قال شيخنا : و انا ايضا : ابو الحسن عن الحافظ ابي الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علي الفارسي الاصل السلامي قال اخبر الشيخان ابو عبدالله محمد بن احمد بن عمر بن السمرقندي المقري و العدل الفقيه ابو ا سين محمد بن محمد بن الحسين بن محمد الفراء الحنبلي قالا انا الخطيب ، و فات ابن السمرقندي الجزء السابع و العشرون فرواه عن الخطيب بالاجازة - قال ابن ناصر و قرأت هذا الكتاب مرارا عــلى الشيخ الصالح ابي غالب محمد بن الحسن بن عــلي البصري الماوردي قالا انا ابو علي علي بن احمد بن علي التستري قالا انا ابوعمر القاسم بن جعفر ابن عبدالواحد الهاشمي انا ابو علي محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤي ثنا ابو داود سليمان بن الاشعث بن اسحاق السجستاني قال ثنا محمد بن عوف ثنا المقرئ ثنا حيوة عن ابي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبدالله بن قسيط عن ابي هريرة فذكره بلفظه ، و هــذا اسناد صحيح فان محمد بن عوف شيخ ابي داود جليل حافظ لايسئل عنه و قد رواه معه عن المقري عباس بن عبدالله الترقفي رواه من جهته ابو بكر البيهقي و المقري و حيوة و يزيد بن عبدالله بن قسيط متفق عليهم و حميد بن زياد روى له مسلم و قال احمد ليس به بأس وكذلك قال ابو حاتم و قال يحيى بن معين ثقة ليس به بأس و روى عن ابن معين فيه روايه انه

ضعيف و رواية التوثيق ترجح عليها لموافقتها احمد و ابا حاتم وغيرهما و قال ابن عدى هو عندى صالح الحديث و انما انكرت عليه حديثين المؤمن يألف. و فى القدرية. و سائر حديثه ارجوأن يكون مستقيما و اما قول الشيخ زكى الدين فيه انه انكر عليه شيء من حديثه فقد بينا عن ابن عدى تعيين ما انكر عليه و ليس منه هذا الحديث و بمقتضى هذا يكون هذا الحديث صحيحا ان شاء الله تعالى، و قد اعتمد جماعة من الائمة على هذا الحديث فى مسئلة الزيارة و صدربه ابو بكر البيهقى باب زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و هو اعتماد صحيح و استدلال مستقيم لان الزائر المسلم على النبي صلى الله عليه و سلم يحصل له فضيلة رد النبي صلى الله عليه و سلم السلام عليه و هى رتبة شريفة و منقبة عظيمة ينبغى التعرض لها و الحرص عليها لينال بركة سلامه صلى الله عليه و سلم، فان قيل ليس فى الحديث تخصيص بالزائر فقد يكون هذا حاصلا لكل مسلم قريبا كان او بعيدا و حينئذ تحصل هذه الفضيلة بالسلام من غير زيارة و الحديث عام، قلت قد ذكره ابن قدامة من رواية احمد و لفظه ما من احد يسلم على عند قبرى و هذه زيادة مقتضاها التخصيص فان ثبت فذاك و ان لم يثبت فلاشك ان القريب من القبر يحصل له ذلك لانه فى منزلة المسلم بالتحية التى يستدعى الرد كما فى حال الحياة فهو بحضوره عند القبر قاطع بنيل هذه الدرجة على مقتضى الحديث متعرض لخطاب النبي صلى الله عليه و سلم له برد السلام عليه و فى المواجهة بالخطاب فضيلة زائدة على الرد على الغائب .

و اعلم ان السلام على النبي صلى الله عليه و سلم على نوعين، أحدها المقصود به الدعاء كقولنا صلى الله عليه و سلم ، فهذا دعاء منا له بالصلاة

بالصلاة و التسليم من الله تعالى ، و يقال للعبد مسلّم لدعائه بالسلام كما يقال له مصل اذا دعابالصلاة قال الله تعالى (ان الله و ملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليما) و سئل صلى الله عليه و سلم كماثبت فى الصحيحين و غيرهما قيل قد عرفنا السلام عليك فكيف الصلاة عليك قال (قولوا اللهم صلى على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد) و السلام كما قد علمتم .

قال العلماء معناه كما قد علمتم فى التشهد ، السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته ، و قد يأتى هذا القسم بلفظ الغيبة كما روى عن فاطمة بنت النبي صلى الله عليه و سلم و رضى عنها قالت قال لى رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا دخلت المسجد فقولى بسم الله و السلام على رسول الله صلى الله عليه و سلم اللهم صل على محمد و على آل محمد و اغفرلنا و سهل لنا ابواب رحمتك ، فاذا فرغت فقولى مثل ذلك غير أن قولى و سهل لنا ابواب فضلك . رواه القاضى اسماعيل بهذا اللفظ و رواه ابن ماجه فى سننه عن فاطمة رضى الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا دخل المسجد يقول بسم الله و السلام على رسول الله اللهم اغفرلى ذنوبى و افتح لى ابواب رحمتك . و اذا خرج قال بسم الله و السلام على رسول الله اللهم اغفرلى ذنوبى و افتح لى ابواب فضلك .

و الاسناد الى فاطمة رضى الله عنها من الطريقين فيه انقطاع و المختار أن يقول فى ذلك ايضا السلام عليك ايها النبي كما فى التشهد و المقصود من هذه الاحاديث بيان هذا النوع من السلام على النبي صلى الله عليه و سلم بلفظ الخطاب و الغيبة جميعا و لافرق فى ذلك بين

الغائب عنه و الحاضر عنده صلى الله عليه و سلم و هذا النوع هو الذى قيل باختصاصه بالنبي صلى الله عليه و سلم عن الامة حتى لا يسلم على غيره من الامة الا تبعا له كما لا يصلى على غيره من الامة الا تبعا له .

النوع الثانى ما يقصد به التحية كسلام الزائر اذا وصل الى حضرته الشريفة عليه صلى الله عليه و سلم فى حياته و بعد وفاته و هذا غير مختص بل هو عام لجمع المسلمين و لهذا كان عبدالله بن عمر رضى الله عنهما يأتى الى القبر و يقول السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه و ورد عنه بلفظ الخطاب و بلفظ الغيبة . اذا عرف هذان النوعان فالنوع الثانى لاشك فى استدعائه الرد وان النبي صلى الله عليه و سلم يرد على المسلم عليه كما اقتضاه الحديث سواء أوصل بنفسه الى القبر أم ارسل رسولا كما كان عمر بن عبدالعزيز يرسل البريد من الشام الى المدينة ليسلم على النبي صلى الله عليه و سلم ، فى هذين القسمين من هذا النوع يحصل الرد من النبي صلى الله عليه و سلم كما هو عادة الناس فى السلام .

و اما النوع الاول فالله أعلم فان ثبت الرد فيه ايضا و حبذا لتشملنا بركة ذلك كلما سلمنا فلاشك ان الحاضر عند القبر له مزية القرب و الخطاب و ان كان الرد مختصا بالنوع الثانى حرم من لم يزر هذه الفضيلة لاحرم الله مؤمنا خيرا ، و قد روى عنه صلى الله عليه و سلم انه قال أتانى ملك فقال يا محمد ربك يقول : أما يرضيك ان لا يصلى عليك احد من امتك الا صليت عليه عشرا و لا يسلم عليك الا سلمت عليه عشرا ، روا القاضي اسماعيل و الظاهر ان هذا فى السلام بالنوع الاول .

فصل

فصل

فی علم النبی صلی اللہ علیہ و سلم بمن یسلم علیہ

روی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنـــہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام. رواہ النسائی و اسماعیل القاضی و غیرھما من طرق مختلفۃ باسانید صحیحۃ لاریب فیھا الی سفیان الثوری عن عبداللہ بن السائب عن زاذان عن عبداللہ و صرح الثوری بالسماع فقال حدثنی عبداللہ بن السائب ھکذا فی کتاب القاضی اسماعیل. و عبداللہ بن السائب و زاذان روی لھما مسلم و وثقھما ابن معین فالاسناد اذا صحیح.

و رواہ ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدی عن سفیان الثوری عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: ان للہ ملائکۃ یسبحون فی الارض یبلغون صلاۃ من صلی علی من امتی.

قال الدارقطنی المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود یبلغونی عن امتی السلام.

و قال بکر بن عبداللہ المزنی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حیاتی خیر لکم تحدثون و یحدث لکم فاذا مت کانت و فاتی خیرا لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ و ان رأیت غـیر ذلک استغفرت اللہ لکم.

قال ایوب السختیانی بلغنی و اللہ أعلم ان ملکا موکل بکل من صلی علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم حتی یبلغہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم.

و فی کتاب فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم للقاضی:

اسماعيل عن النبي صلى الله عليه وسلم «لاتجعلوا بيوتكم قبورا وصلوا علي وسلموا حيث كنتم فسيبلغني سلامكم وصلاتكم» وهذا الحديث في سنن ابي داود من غير ذكر السلام وفي هذه الرواية زيادة السلام .

وروى ابن عساكر من طرق مختلفة عن نعيم بن ضمضم العامري [عن عمران] بن حميرى الجعفي قال سمعت عمار بن ياسر رضي الله عنهما يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان الله أعطاني ملكا من الملائكة يقوم على قبري اذا أنا مت فلايصلي علي عبد صلاة الا قال يا أحمد فلان بن فلان يصلي عليك ، يسميه باسمه واسم ابيه فيصلي الله عليه مكانها عشرا . وفي رواية ان الله اعطى ملكا من الملائكة اسماء الخلائق وفي رواية اسماع الخلائق فهو قائم على قبري الى يوم القيامة وذكر الحديث .

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال ليس احد من امة محمد صلى الله عليه وسلم يصلي عليه صلاة الاوهي تبلغه يقول له الملك فلان يصلي عليك كذا وكذا صلاة .

وما تضمنته هذه الاحاديث والآثار من تبليغ الملائكة للنبي صلى الله عليه وسلم تبين ما ورد من كون الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم تعرض عليه كما جاء ذلك في احاديث ، منها في سنن ابي داود والنسائي وابن ماجه عن أوس بن أوس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فأكثروا علي من الصلاة فيه فان صلاتكم معروضة علي ، قال فقالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت ؟ قال يقولون بليت ، قال ان الله حرم على الارض أجساد الانبياء .

قال

قال الشيخ الحافظ زكی الدين المنذری رحمه الله و له علة دقيقة اشار اليها البخاری و غيره و قد جمعت طرقه فی جزء الحديث المذكور من رواية حسين الجعفی عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس و هؤلاء ثقات مشهورون و علته ان حسين بن علی الجعفی لم يسمع من عبدالرحمن بن يزيد بن جابر و انما سمع من عبدالرحمن بن يزيد بن تميم و هو ضعيف فلما حدث به الجعفی غلط فی اسم الجد فقال ابن جابر .

قلت و قد رواه احمد فی مسنده عن حسين الجعفی عن عبدالرحمن ابن يزيد بن جابر هكذا بالعنعنة و روی حديثين آخرين بعد ذلك قال فيهما حسين ثنا عبدالرحمن بن يزيد بن جابر و ذلك لاينا فی الغلط ان صح انه لم يسمع منه ، وروی ابن ماجه الحديث المذكور من طريق آخر ذكره فی آخر كتاب الجنائز و فی متنه زيادة :

انا اقضی القضاة ابو بكر محمد بن عبدعظيم بن علی الشافعی المعروف بابن السقطی بقراءتی عليه بجميع سنن ابن ماجه قال انا ابو بكر عبدالعزيز ابن احمد بن ابی الفتح بن ياقا اجازة قال انا ابوزرعة طاهر بن محمد طاهر المقدسی سماعا الا ماعين فی الكتاب باجازته من ابی زرعة و هذ الحديث من المسموع ، قال انا ابومنصور محمد بن الحسين ابن احمد بن الهيثم المقومی اجازة ان لم يكن سماعا ـ ثم ظهر سماعه منه ـ انا ابو طلحة القاسم بن ابی المنذر الخطيب انا ابو القاسم علی بن ابراهيم بن سلمة بن بحر القطان ثنا ابو عبدالله محمد بن يزيد بن ماجه ثنا عمرو بن سوار المقری ثنا عبدالله بن وهب عن عمرو بن الحارث (١)

---

(١) فی الاصل « عمرو بن ابی الحرب » .

عن سعيد بن ابى هلال عن زيد ابن ايمن عن عبادة بن نسى عن ابى الدرداء رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم « اكثروا الصلاة علىّ يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملائكة و ان احدا لن يصلى علىّ الا عرضت علىّ صلاته حتى يفرغ منها قال قلت : بعد الموت ؟ قال و بعد الموت ، ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء عليهم السلام فنبي الله حى يرزق ».

هــذا لفظ ابن ماجه وفيه زيادة قوله حين يفرغ منها و فى الاصل (حتى) التى هى حرف غاية و عليه تضبيب و فى الحاشية (حين) التى هى ظرف زمان فان كانت هى الثانية استفيد منها ان وقت عرضهـا على النبي صلى الله عليه و سلم و السلام حين الفراغ من غير تأخير و ان كان الثابت (حتى) كما فى الاصل دل على عدم التاخير ايضا و فيه زيادة ايضا و هى قوله (و بعد الموت) بحرف العطف و ذلك يقتضى ان عرضها عليه صلى الله عليه و سلم فى حالتى الحياة و الموت جميعا . و فى اسناد الحديث المذكور زيد بن ايمن عن عبادة بن نسى؛ مرسل الا انه يتقوى باعتضاده بغيره . و قد روينا من جهة القاضى اسماعيل عن الحسن عن النبي صلى الله عليه و سلم مرسلا قال أكثروا علىّ الصلاة يوم الجمعة فانها تعرض علىّ . و روى الامام ابو بكر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنى فى كتاب عمل يوم و ليلة عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أكثروا الصلاة علىّ يوم الجمعة .

و أنبانا عبدالمؤمن و آخرون انبانا ابن الشيرازى انا ابن عساكر انا ابو الحسين انا جدى ابو بكر البيهقى انا على بن احمد الكاتب ثنا احمد ابن عبيد ثنا الحسين بن سعيد ثنا ابراهيم بن الحجاج ثنا حماد بن سلمة

عن برد بن سنان عن مكحول الشامى عن ابى امامة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، أكثروا علیّ من الصلاة فى كل يوم جمعة فان صلاة امتى تعرض علیّ فى كل يوم جمعة فمن كان اكثرهم علیّ صلاة كان اقربهم منى منزلة .

وهذا اسناد جيد، وعن حصين بن عبدالرحمن عن يزيد الرقاشى قال ان ملكا موكل يوم الجمعة بمن صلى على النبى صلى الله عليه وسلم يبلغ النبى صلى الله عليه وسلم يقول ان فلانا من امتك صلى عليك. وعن ابى طلحة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اتانى جبرئيل صلى الله عليه وسلم قال بشر امتك، من صلى عليك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات وكفر عنه بها عشر سيئات ورفع له بها عشر درجات ورد الله عليه مثل قوله وعرضت علیّ يوم القيامة، رواه ابن عساكر . ولا تنافى بين هذه الاحاديث فقد يكون العرض عليه مرات وقت الصلاة ويوم الجمعة ويوم القيامة . وحديث ابى هريرة وحديث ابن مسعود مصرحان بانه يبلغه سلام كل من سلم عليه وهما صحيحان ان شاء الله، وحديث اوس بن اوس وما فى معناه يدل على ان الموت غير مانع من ذلك وكان مقصودنا بجمع هذه الاحاديث بيان العرض على النبى صلى الله عليه وسلم وان مراده التبليغ من الملائكة له صلى الله عليه وسلم كما تضمنه حديث ابى هريرة وحديث ابن مسعود وهذا فى حق الغائب بلا اشكال واما فى حق الحاضر عند القبر فهل يكون كذلك او يسمعه صلى الله عليه وسلم بغير واسطة ورد فى ذلك حديثان . احدهما : من صلى علیّ عند قبرى سمعته ومن صلى علیّ نائيا

بلغته ، و فى رواية نائيا منه ابلغت ؟ و فى رواية نائيا من قبرى ، و فى رواية عن قبرى .

و الحديث الثانى : ما من عبد يسلم علىّ عند قبرى الا وكل بها ملك ليبلغنى وكفى امر آخرته و دنياه وكنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة. و فى رواية . من صلى على عند قبرى وكل الله بها ملكا يبلغنى وكفى امر دنياه و آخرته وكنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة . و فى رواية : ما من عبد صلى على عند قبرى الا وكل الله به ، و فيها شفيعا و شهيدا . و هذان الحديثان من رواية محمد بن مروان السدى الصغير و هو ضعيف، عن الاعمش عن ابى صالح عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه و سلم، اما الحديث الاول الذى فيه من صلى علىّ عند قبرى سمعته، فرواه احمد بن على الجبرانى و يوسف بن الضحاك الفقيه و محمد بن عثمان ابن ابى شيبة و احمد بن ابراهيم بن ملحان و عيسى بن عبد الله الطيالسى و ليث بن نصر الصاغانى و الحسين بن عمر بن ابراهيم الثقفى كلهم عن العلاء بن عمرو الحنفى عن محمد بن مروان السدى بالسند المذكور ، و فى رواية عيسى الطيالسى ثنا العلاء بن عمرو الحنفى ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش قال ابن عساكر قال لنا ابو الحسن سبط البيهقى قال لنا جدى ابو بكر: ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدى فيما ارى ، و فيه نظر ، القائل و فيه نظر هو البيهقى ، كذا رأيته فى جزء حيوة الانبياء من تصنيفه. و اما الحديث الثانى فرواه محمد بن عبدالله بن ابراهيم الشافعى و ابو الحسين احمد بن عثمان الآدمى و ابو عبدالله الصفار و محمد بن عمر ابن حفص النيسابورى كلهم عن محمد بن يونس بن موسى الكديمى، و فى بعض هذا عن محمد بن موسى نسبة الى جده عن الاصمعى عبدالملك

ابن

ابن قريب عن محمد بن مروان السدى عن الاعمش بالسند الاول وهذا الحديث اضعف من الاول لانه انضم فيه ضعف الكديمي الى ضعف السدى و الاول ليس فيه الاضعف السدى خاصة فان ثبت ذلك فكفى بها شرفا و ان لم يثبت فهو مرجو فينبغى الحرص عليه و التعرض لاسماعه صلى الله عليه و سلم و ذلك بالحضور عند قبره و القرب منه .

و سنذكر من الاحاديث و الآثار و الادلة مايدل على انه صلى الله عليه و سلم يسمع من يسلم عليه عند قبره و يرد عليه عالما بحضوره عنده وكفى هذا فضلا حقيقا ان ينفق فيه ملك الدنيا حتى يتوصل اليه من اقطار الارض . و سنفرد بابا الحياة الانبياء عليهم السلام بعد تمام المقصود من اقامة الدلائل على الزيارة و باثبات الحياة تتأكد الزيارة و لكنى رأيت ذكره بعد لئلا يجادل فيه جدل متطرق به الى الجدال له فى الزيارة .

عن سليمان بن سحيم قال رأيت النبي صلى الله عليه و سلم فى النوم فقلت يارسول الله هؤلاء الذين يأتونك و يسلمون عليك أتعلم سلامهم؟ قال نعم و ارد عليهم .

وعن ابراهيم بن بشار قال حججت فى بعض السنين فجئت المدينة فتقدمت الى قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم فسلمت عليه فسمعت من داخل الحجرة و عليك السلام . فان قيل ما معنى قوله صلى الله عليه و سلم الارد الله علیّ روحی ؟ قلت فيه جوابان احدهما ذكره الحافظ ابو بكر البيهقى ان المعنى الاوقد رد الله علیّ روحی يعنى ان النبي صلى الله عليه و سلم بعد ما مات و دفن رد الله عليه روحه لأجل سلام من يسلم عليه و استمرت فى جسده صلى الله عليه و سلم . و الثانى يحتمل ان يكون ردا معنويا و ان يكون روحه الشريفة مشتغلة بشهود الحضرة الالهية

و الملأ الاعلى من هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت روحه الشريفة على هذا العالم فيدرك سلام من يسلم عليه و يرد عليه .

الباب الثالث

فيما ورد فى السفر الى زيارته صلى الله عليه و سلم صريحاً و بيان ان ذلك لم يزل قديما و حديثا .

و ممن روى ذلك عنه من الصحابة بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلى الله عليه و سلم سافر من الشام الى المدينة لزيارة قبره صلى الله عليه و سلم روينا ذلك باسناد جيد اليه و هو نص فى الباب و ممن ذكره الحافظ ابو القاسم ابن عساكر رحمه الله بالاسناد الذى سنذكره و ذكره الحافظ ابو محمد عبدالغنى المقدسى رحمه الله فى الكمال فى ترجمة بلال فقال و لم يؤذن لأحد بعد النبى صلى الله عليه و سلم فيما روى الامرة واحدة فى قدمة قدمها المدينة لزيارة قبر النبى صلى الله عليه و سلم طلب اليه الصحابة ذلك فأذن و لم يتم الاذان و قيل انه اذن لابى بكر الصديق رضى الله عنه فى خلافته.و ممن ذكر ذلك ايضا الحافظ ابو الحجاج المزى ابقاه الله وها انا اذكر اسناد ابن عساكر فى ذلك .

انبأنا عبدالمؤمن بن خلف و على بن محمد بن هارون و غيرهما قالوا انا القاضى ابو نصر بن هبة الله بن محمد بن نميل الشيرازى اذنا انا الحافظ ابو القاسم على بن الحسين بن هبة الله بن عساكر الدمشقى قراءة عليه و انا اسمع قال انا ابو القاسم زاهر بن طاهر قال انا ابو سعيد محمد بن عبدالرحمن قال انا ابو احمد محمد بن محمد انا ابو الحسن محمد بن الفيض الغسانى بدمشق ، قال ثنا ابو اسحاق ابراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن ابى الدرداء حدثنى ابى محمد بن سليمان عن ابيه سليمان بن بلال عن

ام

ام الدرداء عن ابى الدرداء قال لما دخل (١) عمر بن الخطاب رضى الله عنه من فتح بيت المقدس فصار الى الجابية سأل بلال ان يقره بالشام ففعل ذلك قال و أخى ابو رويحة الذى آخى بينى و بينه رسول الله صلى الله عليه و سلم فنزل داريا فى خولان فأقبل هو و اخوه الى قوم من خولان فقال لهم قد أتيناكم خاطبين و قد كنا كافرين فهدانا الله و مملوكين فاعتقنا الله و فقيرين فاغنانا الله فان تزوجونا فالحمدلله و ان تردونا فلاحول و لاقوة الا بالله. فزوجوهما .

ثم ان بلالا رأى فى منامه رسول الله صلى الله عليه و سلم و هو يقول له ما هذه الجفوة يابلال أما آن لك ان تزورنى يا بلال فانتبه حزينا وجلا خائفا فركب راحلته و قصد المدينة فأتى قبر النبي صلى الله عليه و سلم فجعل يبكى عنده و يمرغ و جهه عليه فأقبل الحسن و الحسين رضى الله عنهما فجعل يضمهما و يقبلهما فقالا له نشتهى نسمع اذانك الذى كنت تؤذن به لرسول الله صلى الله عليه و سلم فى المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذى كان يقف فيه فلما ان قال الله اكبر الله اكبر ارتجت المدينة فلما ان قال أشهد أن لا اله الا الله ازداد رجتها فلما ان قال أشهد أن محمدا رسول الله خرجت العواتق من خدورهن و قالوا أبعث رسول الله صلى الله عليه و سلم ؟ فما روئى يوم اكثر باكيا و لاباكية بالمدينة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اليوم .

كذا ذكره ابن عساكر فى ترجمة بلال رضى الله عنه و ذكره ايضا فى ترجمة ابراهيم بسند آخر الى محمد بن الفيض أنبأ جماعة عن ابن عساكر قال انبأ ابو محمد ابن الاكفانى ثنا عبد العزيز بن احمد ثنا تمام

---

(١) لعله رحل .

ابن محمد ثنا محمد بن سليمان ثنا محمد بن الفيض فذكره سواء الا انه سقط منه من فتح بيت المقدس و قال آخي بينه و بيني و لم يقل خاطبين .

ابو رويحة اسمه عبدالله بن عبدالرحمن الخثعمي و فى الطبقات ان مؤاخاته لبلال لم يثبتها محمد بن عمر و اثبتها ابن اسحاق و غيره و اخبار انس ان يجعل ديوانه معه فضمه عمر اليه و ضم ديوان الحبشة الى خثعم لمكان بلال منهم. و سليمان بن بلال بن ابي الدرداء روى عن جدته و ابيه بلال روى عنه ابنه محمد وايوب بن مدرك الحنفي ذكر له ابن عساكر حديثا ولم يذكر فيه تجريحا. و ابنه محمد بن سليمان بن بلال ذكره مسلم فى الكنى و ابو بشر الدولابي و الحاكم ابو احمد وابن عساكر كنيته ابوسليمان قال ابن ابي حاتم سألت ابي عنه فقال: ما بحديثه بأس. و ابنه ابراهيم ابن محمد بن سليمان ابو اسحاق ذكره الحاكم ابو احمد و قال كناه لنا محمد ابن الفيض و ذكره ابن عساكر و ذكر حديثه . ثم قال قال ابن الفيض توفى سنة اثنتين و ثلاثين و مأتين و محمد بن الفيض بن محمد ابن الفيض ابو الحسن الغسانى الدمشقي روى عن خلائق و روى عنه جماعة منهم ابو احمد بن عدي و ابو احمد الحاكم و ابو بكر ابن المقرى فى معجمه و ذكره ابن زبر و ابن عساكر فى التاريخ توفى سنة خمس عشرة و ثلاث مائة و مولده سنة تسع عشرة و مأتين ومدار هذا الاسناد عليه فلاحاجة الى النظر فى الاسناد ين اللذين رواه ابن عساكر بهما و ان كان رجالهما معروفين مشهورين و ليس اعتمادنا فى الاستدلال بهذا الخبر على رؤيا المنام فقط بل على فعل بلال وهو صحابي لاسيما فى خلافة عمر رضى الله عنه و الصحابة متوافرون . ولايخفى عنهم هذه القصة و منام بلال و رؤياه للنبي صلى الله عليه و سلم الذى

لايتمثل

لايتمثل به الشيطان و ليس فيه ما يخالف ما ثبت فى اليقظة فيتأكد به فعل الصحابى و قد استفاض عن عمر بن عبدالعزيز رضى الله عنه انه كان يبرد البريد من الشام يقول سلم لى على رسول الله صلى الله عليه و سلم .

و ممن ذكر ذلك ابن الجوزى و نقلته من خطه فى كتاب (مثير العزم الساكن) و قد ضبطه باسكان الباء الموحدة و كسر الراء المخففة و هو كذلك يقال ابرد فهو مبرد و ذكره ايضا الامام ابو بكر احمد بن عمرو بن ابى عاصم النبيل و وفاته سنة سبع و ثمانين و مائتين فى مناسك له لطيفة جردها من الاسانيد ملتزما فيها الثبوت ، قال فيها و كان عمر بن عبدالعزيز يبعث بالرسول قاصدا من الشام الى المدينة ليقرئ النبى صلى الله عليه و سلم السلام ثم يرجع و هذه المناسك رواية شيخنا الدمياطى .

انا ابن خليل انا الطرطوشى و الكرانى انا الصيرفى ثنا ابو بكر محمد بن عبدالله بن شاذان ثنا القباب ثنا ابن ابى عاصم ، فسفر بلال فى زمن صدر الصحابة و رسول عمر بن عبدالعزيز فى زمن صدر التابعين من الشام الى المدينة لم يكن الا للزيارة و السلام على النبى صلى الله عليه و سلم و لم يكن الباعث على السفر غير ذلك لامن امر الدنيا و لا من امر الدين لامن قصد المسجد و لامن غيره ، و انما قلنا ذلك لئلا يقول بعض من لاعلم له ان السفر لمجرد الزيارة ليس بسنة و سنتكلم على بطلان ذلك فى موضعه .

و اما من سافر الى المدينة لحاجة و زار عند قدومه أو اجتمع فى سفره قصد الزيارة مع قصد آخر فكثير ، و قد ورد عن يزيد بن ابى سعيد مولى المهرى قال قدمت على عمر بن عبدالعزيز فلما ودعته قال لى اليك حاجة اذا اتيت المدينة سترى قبر النبى صلى الله

عليه وسلم مأقرئه منى السلام ، وورد هذا عن غير عمر بن عبد العزيز ايضا قال ابو الليث السمرقندى الحنفى فى الفتاوى فى باب الحج قال ابو القاسم لما اردت الخروج الى مكة قال القاسم بن غسان ان لى اليك حاجة اذا اتيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم فأقرئه منى السلام ، فلما وضعت رجلى فى مسجد المدينة ذكرت .

قال الفقيه فيه دليل ان من لم يقدر على الخروج فأمر غيره ليسلم عنه فانه ينال فضيلة السلام ان شاء الله تعالى انتهى . و فى فتوح الشام انه لما كان ابو عبيدة منازلا بيت المقدس ارسل كتابا الى عمر مع ميسرة ابن مسروق رضى الله عنه يستدعيه الحضور فلما قدم ميسرة مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم دخلها ليلا و دخل المسجد و سلم على قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى قبر ابى بكر رضى الله عنه . و فيه ايضا ان عمر لما صالح اهل بيت المقدس و قدم عليه كعب الاحبار و اسلم و فرح عمر باسلامه ، قال عمر رضى الله عنه له هل لك ان تسير معى الى المدينة و تزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم و تمتع بزيارته ، فقال لعمر يا امير المؤمنين انا افعل ذلك و لما قدم عمر المدينة اول ما بدأ بالمسجد و سلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، و قد ذكر المؤرخون و المحدثون منهم ابو عمر بن عبد البر فى الاستيعاب و احمد بن يحيى البلاذرى فى تاريخ الاشراف و ابن عبد ربه فى العقد ـ ان زياد بن ابيه اراد الحج فاتاه ابو بكرة رضى الله عنه و هو لا يكلمه فأخذ ابنه فأجلسه فى حجره ليخاطبه و يسمع زيادا فقال ان اباك فعل و فعل و انه يريد الحج و ام حبيبة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم هناك فان اذنت له فأعظم بها مصيبة و خيانة لرسول الله صلى الله عليه وسلم و ان هى حجبته

فأعظم بها حجة عليه. فقال زياد ما تدع النصيحة لأخيك، وترك الحج تلك السنة. هكذا حكاه البلاذري. وحكى ابن عبدالبر ثلاثة اقوال احدها انه حج ولم يزر من اجل قول ابي بكرة، والثاني انه دخل المدينة و اراد الدخول على ام حبيبة رضي الله عنها فذكر قول ابي بكرة فانصرف عن ذلك، والثالث ان ام حبيبة حجبته ولم تأذن له.

والقصة على كل تقدير تشهد لأن زيارة الحاج كانت معهودة من ذلك الوقت والا فكان زياد يمكنه ان يحج من غير طريق المدينة بل هي اقرب اليه لانه كان بالعراق والاتيان من العراق الى مكة اقرب ولكن كان اتيان المدينة عندهم امرا لايترك.

واختلف السلف رحمهم الله في ان الافضل البداءة بالمدينة قبل مكة اوبمكة قبل المدينة وممن نص على هذه المسئلة وذكر الخلاف فيها الامام احمد رحمه الله في كتاب المناسك الكبير من تأليفه وهذه المناسك رواها الحافظ ابو الفضل محمد بن ناصر عن الحاجب ابي الحسن على بن محمد العلاف عن ابي الحسن على بن احمد بن عمر الحمامي عن اسماعيل بن على الخطبي عن عبدالله بن احمد عن ابيه. في هذه المناسك سئل عمن يبدأ بالمدينة قبل مكة فذكر باسناده عن عبدالرحمن بن يزيد وعطاء ومجاهد قالوا اذا قضيت حجك فامرر بالمدينة ان شئت. وذكر باسناده عن الاسود قال احب ان يكون نفقتي وجهازي وسفري أن أبدأ بمكة. وعن ابراهيم النخعي: اذا اردت مكة فاجعل كل شيء لها تبعا. وعن مجاهد: اذا اردت الحج او العمرة فابدأ بمكة واجعل كل شيء لها تبعا. وعن ابراهيم قال اذاحججت فابدأ بمكة ثم مر بالمدينة بعد. وذكر الامام احمد ايضا باسناده عن عدي بن ثابت ان نفرا من

اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم كانوا يبدؤن بالمدينة اذا حجوا يقولون نهل من حيث أحرم رسول الله صلى الله عليه و سلم. و ذكر ابن ابي شيبة فى فضيلة هذا الامر ايضا و ذكر باسناده عن علقمة و الاسود و عمرو بن ميمون انهم بدؤا بالمدينة قبل مكة. و قال الموفق بن قدامة قال -يعنى احمد-: و اذا حج الذى لم يحج قط يعنى من غير طريق الشام لايأخذ على طريق المدينة لانى اخاف ان يحدث به حدث فينبغى ان يقصد مكة من اقصى الطرق و لايتشاغل بغيره. قلت و هذا فى العمرة متجه لانه يمكنه فعلها متى وصل الى مكة و اما الحج فله وقت مخصوص فاذا كان الوقت متسعا لم يفت عليه بمروره بالمدينة شيء. و ممن نص على هذه المسئلة من الائمة ابو حنيفة رحمه الله و قال الاحسن ان يبدأ بمكة روى ذلك الحسن بن زياد عنه فيما حكاه ابو الليث السمرقندى. فانظر كلام السلف و الخلف فى اتيان المدينة اما قبل مكة و إما بعدها ومن أعظم ما تؤتى له المدينة الزيارة ألاترى ان بيت المقدس لايأتيه الا القليل من الناس؟ و ان كان مشهودا له بالفضل و الصلوة فيه مضاعفة فتوفر الهمم خلفا عن سلف على اتيان المدينة انما هو لأجل الزيارة و ان اتفق معها قصد عبادات اخر فهو مغمور بالنسبة اليها.

و اما ما نقل من تعليل بعض الصحابة بالاهلال من ميقات النبي صلى الله عليه و سلم فذلك امر مقصود و ليس هو كل المقصود و لعلهم رضى الله عنهم رأوا انه ميقاتهم الاصلى لما كانوا بالمدينة مع نبيهم صلى الله عليه و سلم فأحبوا ان لايغيروا ذلك والا فالنبي صلى الله عليه و سلم وقت لاهل كل بلد ميقاتا و لعل الاحرام منه أولى الا ان يعارضه معارض و التابعون الكوفيون الذين اختاروا

البداءة

البداءة بالمدينة لم ينقل عنهم تعليل فلعل سنة(١) عندهم ايثار الزيارة ولوكانت العلة الاحرام من ميقات النبي صلى الله عليه وسلم لم يأتوها اذا اتفق لهم البداءة بمكة لفوات الاحرام فلما اتفقوا على اتيانها و انما اختلفوا فى البداءة دل على ان العلة غيره و هى ما فيها من المشاهد و اعظمها الزيارة و هى اما كل المقصود او معظمه و غيرها منغمر فيها.و ممن اختار البداءة بمكة ثم اتيان المدينة و القبر الامام ابو حنيفة كما سنحكيه عنه فى الباب الرابع .

وقال ابو بكر محمد بن الحسين الآجرى فى كتاب الشريعة فى باب دفن ابى بكر و عمر رضى الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم : ما احد من اهل العلم قديما و لاحديثا ممن رسم لنفسه كتابا نسبه اليه من فقهاء المسلمين فرسم كتاب المناسك الا وهو يأمر كل من قدم المدينة ممن يريد حجا او عمرة اولا يريد حجا و لا عمرة و اراد زيارة قبر النبي صلى الله علية وسلم و المقام بالمدينة لفضلها الا وكل العلماء قد امروه و رسموه فى كتبهم و علموه كيف يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وكيف يسلم على ابى بكر و عمر رضى الله عنهما علماء الحجاز قديما وحديثا و علماء اهل العراق قديما و حديثا و علماء اهل الشام قديما وحديثا و علماء اهل خراسان قديما و حديثا و علماء اهل اليمن قديما وحديثا و علماء اهل مصر قديما و حديثا.لله الحمد على ذلك .

وقال قريبا من هذا الكلام ابو عبد الله عبيدالله بن محمد بن محمد ابن حمدان بن بطة العكبرى الحنبلى فى كتاب الابانة عن شريعة الفرقة الناجية و مجانبة الفرق المذمومة فى باب دفن ابى بكر و عمر

(١) لعله « للبداءة » .

رضی الله عنهما مع النبي صلى الله عليه و سلم ايضا قال: بحسبك دلالة على اجماع المسلمين و اتفاقهم على دفن ابی بکر و عمر مع النبي صلى الله عليه و سلم ان كل عالم من علماء المسلمين و فقيه من فقائهم الف كتابا فى المناسك ففصله فصولا و جعله ابوابا يذكر فى كل باب فقهه و لكل فصل علمه و ما يحتاج الحاج الى علمه و العمل به قولا و فعلا من الاحرام و الطواف و السعى و الوقوف و النحر و الحلق و الرمى و جميع مالا يسع الحاج جهله و لاغنى بهم عن علمه حتى يذكر زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم، فيصف ذلك فيقول ثم تأتى القبر فتستقبله و تجعل القبلة وراء ظهرك و تقول السلام عليك ايها النبي و رحمة الله وبركاته حتى يصف السلام و الدعاء ثم يقول و تتقدم على يمينك قليلا و تقول السلام عليك يا ابا بكر و عمر و ان الناس يحجون البيت من كل فج عميق و بلد سحيق فاذا اتوا البيت لا يشكون انه بيت الله المحجوج اليه وكذلك ما يأتونه من اعمال المناسك و فرائض الحج و فضائله يلغوا بعضه بعضا حتى يأتوا قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم فيسلمون عليه و على صاحبيه ابي بكر و عمر رضى الله عنهما. و بعد ادركنا الناس و رأيناهم و بلغنا عمن لم نره ان الرجل اذا اراد الحج فسلم عليه أهله و صحابته قالوا له و تقرأ على النبي صلى الله عليه و سلم و ابى بكر و عمر منا السلام: فلا ينكر ذلك احد و لا يخالفه. هذا كلام ابن بطة رحمه الله تعالى. وقد انبأنا به جماعة من شيوخنا عن الحافظ ابى الحجاج يوسف ابن خليل بسنده الى ابن بطة.

و مقصوده و مقصود الآجرى الرد على بعض الملحدة فى انكار دفن أبى بكر و عمر رضى الله عنهما مع النبي صلى الله عليه و سلم و اما زيارته

زیارته صلى الله علیه وسلم فلم ینکرها احد وانما جاءت فی کلامهما علی سبیل التبع لانه لم یظن أحد ان یقع فیها أو فی السفر الیها نزاع فی قرن الثمان مائة. واستفید من کلامهما ان سفر الحجیج الیها لم یزل فی السلف والخلف وانها تابعة للمناسك. وابو بکر الآجری هذا قدیم توفی فی المحرم سنة ستین وثلاثمائة وکان ثقة صدوقا دینا وله تصانیف کثیرة وحدث ببغداد قبل سنة ثلاثین وثلاثمائة. انتقل الی مکة فسکنها حتی توفی بها. و ابن بطة المذکور توفی فی المحرم سنة سبع و ثمانین و ثلاثمائة بعکبری من فقهاء الحنابلة کان اماما فاضلا عالما بالحدیث و فقهه اکثر من الحدیث، وصنف التصانیف المفیدة. وهکذا قال غیرهما .

قال القاضی عیاض قال اسحاق بن ابراهیم الفقیه ومما لم یزل من شان من حج المرور بالمدینة والقصد الی الصلوة فی مسجد رسول الله صلى الله علیه وسلم والتبرك برؤیة روضته ومنبره وقبره ومجلسه وملامس یدیه ومواطئ قدمیه والعمود الذی کان یستند الیه وینزل جبرئیل بالوحی فیه علیه وبمن عمره وقصده من الصحابة وائمة المسلمین والاعتبار فی ذلك کله .

وقد ذکرنا فی باب نصوص العلماء علی استحباب الزیارة قول الباجی المالکی ان الغرباء قصدوا لذلك یعنی قصدوا المدینة من اجل القبر والتسلیم ذکر هذا فی معرض الفرق بین اهل المدینة والغرباء لما فرق مالك رحمه الله بینهم کما سبق. وسنذکر فی الباب الرابع من کلام العبدی المالکی فی شرح الرسالة ان المسیر الی المدینة لزیارة قبر النبی صلى الله علیه وسلم افضل من الکعبة ومن بیت المقدس .
واکثر عبارات الفقهاء اصحاب المذاهب ممن حکینا کلامهم فی

باب الزيارة يقتضى استحباب السفر لانهم استحبوا للحاج بعد الفراغ من الحج الزيارة و من ضروريها السفر، وحكاية الاعرابى المشهورة التى ذكر المصنفون فى مناسكهم و فى بعض طرقها ان الاعرابى ركب راحلته و انصرف و ذلك يدل انه كان مسافرا و الحكاية المذكورة ذكرها جماعة من الائمة و اسمه محمد بن عبيدالله بن عمرو بن معاوية ابن عمرو بن عتبة بن ابى سفيان صخر بن حرب . كان من افصح الناس صاحب اخبار و رواية للآداب حدث عن ابيه و سفيان بن عتبة توفى سنة ثمان و عشرين و مأتين يكنى ابا عبدالرحمن وذكرها ابن عساكر فى تاريخه و ابن الجوزى فى (مثير العزم الساكن) و غيرهما باسانيدهم الى محمد ابن حرب الهلالى قال دخلت المدينة فأتيت قبر النبى صلى الله عليه وسلم فزرته و جلست بحذائه فجاء اعرابى فزاره ثم قال يا خير الرسل ان الله انزل عليك كتابا صادقا قال فيه (ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما) و انى جئتك مستغفرا ربك من ذنوبى مستشفعا فيها بك، وفى رواية و قد جئتك مستغفرا من ذنبي مستشفعا بك الى ربى، ثم بكى و انشأ يقول

ياخير من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طيبهن القاع و الأكم
نفسى الفداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف و فيه الجود و الكرم

ثم استغفر و انصرف فرقدت فرأيت النبى صلى الله عليه و سلم فى نومى وهو يقول الحق الرجل و بشره ان الله قد غفر له بشفاعتى فاستيقظت فخرجت أطلبه فلم اجده .

و قد نظم ابوالطيب احمد بن عبد العزيز بن محمد المقدسى رحمه الله سأله بعضهم الزيادة على هذين البيتين و تضمينهما فقال و رواها ابن عساكر

عساكر رحمه الله عنه .

اقول و الدمع من عيني منسجم — لما رأيت جدار القبر يستلم
و الناس يغشونه باك و منقطع — من المهابة او داع فملتزم
فما تمالكت ان ناديت من حرق — في الصدر كادت لها الاحشاء تضطرم
يا خير من دفنت بالقاع اعظمه — فطاب من طيبهن القاع و الاكم
نفسي الفداء لقبر انت ساكنه — فيه العفاف و فيه الجود و الكرم
و فيه شمس التقى و الدين قد غربت — من بعد ما اشرقت من نورها الظلم
حاشى لوجهك ان يبلى وقد هديت — في الشرق والغرب من انوازه الامم
و ان تمسك ايدي الترب لامسة — و انت بين السموات العلى علم
لقيت ربك و الاسلام صارمه — ماض وقد كان بحر الكفر يلتطم
فقمت فيه مقام المرسلين الى — ان عز فهو على الاديان يحتكم
لئن رأيناه قبرا ان باطنه — لروضة من رياض الخلد تبتسم
طافت به من نواحيه ملائكة — تغشاه في كل ما يوم و تزدحم
لوكنت ابصرته حيا لقلت له — لا تمش الاعلى خدى لك القدم
هدى به الله قوما قال قائلهم — ببطن يثرب لما ضمه الرجم
ان مات احمد فالرحمن خالقه — حي و نعبده ما اورق السلم

قال الجوهري رحمه الله الرجم بالتحريك القبر و الله تعالى اعلم .

الباب الرابع

في نصوص العلماء على استحباب زيارة قبر سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و بيان ان ذلك مجمع عليه بين المسلمين .

قال القاضي عياض رحمه الله و زيارة قبره صلى الله عليه و سلم سنة بين المسلمين مجمع عليها و فضيلة مرغب فيها ، و قال القاضي ابو الطيب

و يستجب ان يزور النبي صلى الله عليه و سلم بعد ان يحج و يعتمر . و قال المحاملي فى التجريد و يستحب للحاج اذا فرغ من مكة ان يزور قبر النبي صلى الله عليه و سلم. و قال ابوعبدالله الحسين بن الحسن الحليمي فى كتابه المسمى بالمنهاج فى شعب الايمان فى تعظيم النبي صلى الله عليه و سلم فذكر جملة من ذلك ثم قال و هذا كان من الذين رزقوا مشاهدته و صحبته فاما اليوم فمن تعظيمه زيارته ، و قال الماوردى فى الحاوى اما زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم فمأمور بها و مندوب اليها ، و ذكر الماوردى فى الاحكام السلطانية بابا فى الولاية على الحجيج قال و لاية الحج ضربان احدهما على تسيير الحجيج و الثانى على اقامة الحج .

فاما الاول فشرط المتولى ان يكون مطاعا ذا رأى و شجاعة وعليه فى هذه الولاية عشرة اشياء ـ فذكرها ثم قال فاذا قضى الناس حجهم أمهلهم الايام التى جرت عادتهم بها فاذا رجعوا سار بهم على طريق مدينة رسول الله صلى الله عليه و سلم ليجمع لهم بين حج بيت الله وزيارة قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم رعاية لحرمته و قياما بحقوق طاعته . و ذلك و ان لم يكن من فروض الحج فهو من مندوبات الشرع المستحبة و عادات الحجيج المستحسنة .

و قال صاحب المهذب و يستحب زيارة قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم. و قال القاضى حسين اذا فرغ من الحج فالسنة ان يقف بالملتزم و يدعو ثم يشرب من ماء زمزم ثم يأتى المدينة و يزور قبر النبي صلى الله عليه و سلم . و قال الرويانى يستحب اذا فرغ من حجه ان يزور قبر النبي صلى الله عليه و سلم. و لاحاجة الى تتبع كلام لاصحاب

(٨) فى

فى ذلك مع العلم باجماعهم و اجماع سائر العلماء عليه، و الحنفية قالوا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم من افضل المندوبات و المستحبات بل تقرب من درجة الواجبات ممن صرح بذلك منهم ابو منصور محمد ابن مكرم الكرمانى فى مناسكه و عبد الله بن محمود بن بلدجى فى شرح المختار. وفى فتاوى ابى الليث السمرقندى فى باب اداء الحج، روى الحسن ابن زياد عن ابى حنيفة انه قال : ألاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة و ان بدأ بها جاز فيأتى قريبا من قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم فيقوم بين القبر و القبلة فيستقبل القبلة و يصلى على النبي صلى الله عليه و سلم و على ابى بكر و عمر رضى الله عنهما و يترحم عليهما. و قال ابو العباس السروجي فى الغاية، اذا انصرف الحاج و المعتمرون من مكة فليتوجهوا الى طيبة مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم و زيارة قبره فانها من انجح المساعي. وكذلك نص عليه الحنابلة ايضا.

قال ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسين الكلوذانى الحنبلى فى كتاب الهداية فى آخر باب صفة الحج، و اذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و قبر صاحبيه. و قال ابو عبد الله محمد بن عبد الله بن الحسين بن احمد بن القاسم بن ادريس السامرى فى كتاب المستوعب: باب زيارة قبر الرسول صلى الله عليه و سلم، و اذا قدم مدينة الرسول عليه السلام استحب له ان يغتسل لدخولها ثم يأتى مسجد الرسول عليه الصلاة و السلام و يقدم رجله اليمنى فى الدخول ثم يأتى حائط القبر فيقف ناحية و يجعل القبر تلقاء وجهه و القبلة خلف ظهره و المنبر عن يساره - و ذكر كيفية السلام و الدعاء الى آخره منه، اللهم انك قلت فى كتابك لنبيك عليه السلام، (و لو أنهم اذظلموا

انفسهم جاؤك) الآية و انى قد أتيت نبيك مستغفرا فأسألك ان توجب لى المغفرة كما اوجبتها لمن أتاه فى حياته ـ اللهم انى اتوجه اليك بنبيك صلى الله عليه و سلم . و ذكر دعاء طويلا . ثم قال و اذا اراد الخروج عاد الى قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم فودع .

و انظر هذا المصنف من الحنابلة الذين الخصم متمذهب بمذهبهم كيف نص على التوجه بالنبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ابومنصور الكرمانى من الحنفية قال: ان كان احد اوصاك بتبليغ السلام تقول: السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك بالرحمة والمغفرة فاشفع له. وسنعقد لذلك بابا فى هذا الكتاب ان شاالله تعالى.

و قال نجم الدين بن حمدان الحنبلى فى الرعاية الكبرى: و يسن لمن فرغ من نسكه من زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و قبر صاحبيه رضى الله عنهما و له ذلك بعد فراغ حجه و ان شاء قبل فراغه .

و قد عقد ابن الجوزى فى كتابه المسمى (مثير العزم الساكن الى اشرف الاماكن) بابا فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و ذكر فيه حديث ابن عمر وحديث أنس رضى الله عنهم .

و قال الشيخ موفق الدين بن قدامة المقدسى فى كتابه المغنى و هو من اعظم كتب الحنابلة التى يعتمدون عليها: فصل ـ يستحب زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و ذكر حديث ابن عمر من طريق الدارقطنى ومن طريق سعيد ابن منصور عن حفص و حديث ابى هريرة رضى الله عنه من طريق احمد « ما من احد يسلم على عند قبرى ».

وكذلك نص عليه المالكية و قد تقدم حكاية القاضى عياض

وكذلك

الاجماع . و فى كتاب تهذيب المطالب لعبد الحق الصقلى عن الشيخ ابى عمران المالكى ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم واجبة ، قال عبدالحق يعنى من السنن الواجبة . و قال عبدالحق ايضا فى هذا الكتاب رأيت فى بعض المسائل التى سئل عنها الشيخ ابو محمد بن ابى زيد ، قيل له فى رجل استؤجر بمال ليحج به و شرطوا عليه الزيارة لم يستطع تلك السنة ان يزور لعذر منعه من تلك ، قال يرد من الاجرة بقدرمسافة الزيارة قال الحاكى عنه ذلك .

و قال غيره من شيوخنا عليه ان يرجع نائبه حتى يزور ، قال عبدالحق انظر إن استوجر للحج لسنة بعينها فهاهنا يسقط من الاجرة مايخص الزيارة و ان استوجر على حجة مضمونة فى ذمته فهاهنا يرجع و يزور و قد اتفق النقلان . و عبدالحق هذا هو عبدالحق بن محمد ابن هارون السهمى القروى صقلى تفقه بشيوخ القيروان و تفقه بالصقليين ، ايضا منهم ابو عمران و غيره و حج و لقى عبدالوهاب رحمه الله و حج ثانيا فلقى امام الحرمين فباحثه فى اشياء و سأله عن مسائل اجابه عنها وكان مليح التأليف الف كتبا كثيرة فى مذهب مالك توفى بالاسكندرية سنة ست و ستين و اربعمائة ، و هذا الفرع الذى ذكره فى الاستجار على الزيارة فرع حسن .

والذى ذكره اصحابنا ان الاستجار على الزيارة لايصح لانه عمل غير مضبوط ولا مقدر بشرع ، و الجعالة ان وقعت على نفس الوقوف لم يصح ايضا لان ذلك مما لايصح فيه النيابة عن الغير و ان وقعت الجعالة على الدعاء عند قبر النبي صلى الله عليه و سلم كانت صحيحة لان الدعاء مما يصح النيابة فيه و الجهل بالدعاء لايبطلها - قال ذلك

الماوردى فى الحاوى فى كتاب الحج .

وبقى قسم ثالث لم يذكره الماوردى وهو ابلاغ السلام ولاشك فى جواز الاجارة والجعالة عليه كما كان عمر بن عبد العزيز يفعل والظاهر أن مراد المالكية هذا والا فمجرد الوقوف من الاجير لايحصل للمستأجر غرضا وسيأتى فى كتاب ابن المواز من نص مالك مايقتضى انه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يفعل عند وداع البيت .

وفى كتاب النوادر لابن ابى زيد بعد أن حكى فى زيارة القبور من كلام ابن حبيب وعن المجموعة عن مالك ومن كلام ابن القرظى (؟) ثم قال عقيبه ويأتى قبور الشهداء بأحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه وسلم وعلى ضجيعيه . وفيه ايضا من كلام ابن حبيب ويدل على التسليم على اهل القبور ما جاء من السنة فى التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر مقبورين .

وقال ابوالوليد محمد بن رشد المالكى فى شرح العتبية المسمى بكتاب البيان والتحصيل فى كتاب الجامع فى سلام الذى يمر بقبر النبي صلى الله عليه وسلم وسئل عن المار بقبر النبي صلى الله عليه وسلم أترى ان يسلم كلما مر؟ قال نعم أرى ذلك عليه ان يسلم عليه اذا مر به وقد أكثر الناس من ذلك، فاما اذا لم يمر به فلا ارى ذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم « اللهم لاتجعل قبرى وثنا يعبد ، اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد » فقد اكثر الناس من هذا فاذا لم يمر عليه فهو فى سعة من ذلك. قال وسئل عن الغريب يأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم فقال ما هذا من الامر ولكن اذا اراد

الخروج. قال محمد بن رشد ليلعنى فى هذا انه يلزمه ان يسلم عليه كلما مر به متى مار و ليس عليه ان يمر به ليسلم عليه الا للوداع عند الخروج و يكره له ان يكثر المرور به و السلام عليه و الاتيان كل يوم اليه لئلا يجعل القبر بفعله ذلك كالمسجد الذى يؤتى كل يوم للصلاة فيه وقدنهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن ذلك لقوله « اللهم لا تجعل قبرى و ثنا يعبد. اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد » انتهى كلام ابن رشد.

و انظر كيف جعل عليه ان يأتيه للوداع و بطريق الاولى السلام، و انما كراهة الاكثار لما ذكره و أصل الاستحباب متفق عليه. و قد روى القاضى عياض فى الشفاء قال ثنا القاضى ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن الاشعرى و ابو القاسم احمد بن بقى و غير واحد فيما اجازوا به قالوا ثنا احمد بن عمر بن دلهات ثنا على بن فهر ثنا محمد بن احمد بن الفرج ثنا عبد الله بن السائب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابى اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابو جعفر امير المؤمنين مالكا فى مسجد رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال له مالك يا امير المؤمنين لا ترفع صوتك فى هذا المسجد فان الله تعالى ادب قوما فقال(لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي) الآية و مدح قوما فقال(ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله) الآية وذم قوما فقال(ان الذين ينادونك من وراء الحجرات) الآية و ان حرمته ميتا كحرمته حيا. فا ستكان لها ابو جعفر. و قال يا ابا عبد الله أستقبل القبلة و أدعو أم استقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فقال و لم تصرف وجهك عنه و هو و سيلتك و وسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالى يوم القيامة. بل استقبله و استشفع به فيشفعك الله تعالى. قال الله تعالى

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله) الآية فانظر هذا الكلام من مالك رحمه الله وما اشتمل عليه من الزيارة والتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم وحسن الأدب معه .

وقال القاضي عياض قال ابن حبيب ويقول اذا دخل مسجد الرسول (بسم الله وسلام على رسول الله . السلام علينا من ربنا وصلى الله وملائكته على محمد ، اللهم اغفرلي ذنوبي وافتح لي ابواب رحمتك وجنتك واحفظني من الشيطان الرجيم) ثم اقصد الى الروضة وهي مابين القبر والمنبر فاركع فيها ركعتين قبل وقوفك بالقبر ثم تقف بالقبر متواضعا متواقرا فتصلي عليه وتثني بما يحضرك وتسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما وتدعو لهما ولا تدع ان تأتي مسجد قباء وقبور الشهداء .

وقال مالك في كتاب محمد ويسلم على النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل وخرج يعني في المدينة وفيما بين ذلك . وقال محمد واذا خرج جعل آخر عهده الوقوف بالقبر وكذلك من خرج مسافرا . وقال مالك في المبسوط وليس يلزم من دخل المسجد او خرج منه من اهل المدينة الوقوف بالقبر وانما ذلك للغرباء . وقال فيه ايضا لابأس لمن قدم من سفر او خرج الى سفر أن يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي عليه ويدعوله ولابي بكر وعمر فقيل له فان ناسا من أهل المدينة لايقدمون من سفر ولا يريدونه يفعلون ذلك في اليوم مرة او اكثر وربما وقفوا في الجمعة او في الايام المرة والمرتين او اكثر عند القبر فيسلمون ويدعون ساعة . فقال لم يبلغني هذا عن احد من اهل الفقه ببلدنا وتركه واسع ولا يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها ولم يبلغني عن اول هذه الامة وصدرها انهم كانوا يفعلون ذلك . ويكره الا لمن جاء من

سفر

سفر او أراده . قال ابن القاسم و رأيت اهل المدينة اذا خرجوا منها او دخلوها اتوا القبر فسلموا قال و ذلك رأيي . قال الباجي ففرق بين اهل المدينة و الغرباء لان الغرباء قصدوا لذلك و اهل المدينة مقيمون بها لم يقصدوها من اجل القبر و التسليم . انتهى ماحكاه القاضي عياض .

و انظر قول الباجي ان الغرباء قصدوا لذلك و دلالته على ان الغرباء قصدوا المدينة من اجل القبر و التسليم ، و المتلخص من مذهب مالك رحمه الله ان الزيارة قربة و لكنه على عادته فى سد الذرائع يكره منها الاكثار الذى قد يفضى الى محذور . و المذاهب الثلاثة يقولون باستحبابها و استحباب الاكثار منها لان الاكثار من الخير خير وكلهم مجمعون على استحباب الزيارة ، و فى كتاب النوادر و يأتى قبور الشهداء بأحد و يسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه و سلم و على ضجيعيه .

و قال ابو محمد عبد الكريم بن عطاء الله بن عبدالرحمن بن عبدالله ابن محمد بن عيسى بن الحسن المالكى فى مناسكه التى التزم فيها مشهور مذهب مالك ـ فصل ـ اذا كمل لك حجك و عمرتك على الوجه المشروع لم يبق بعد ذلك الا اتيان مسجد رسول الله صلى الله عليه و سلم للسلام على النبي صلى الله عليه و سلم و الدعاء عنده و السلام على صاحبيه والوصول الى البقيع و زيارة ما فيه من قبور الصحابة و التابعين و الصلاة فى مسجد الرسول صلى الله عليه و سلم فلا ينبغى للقادر على ذلك تركه .

و قال العبدى فى شرح الرسالة : و اما النذر الى المسجد الحرام اوالمشى الى مكة فله اصل فى الشرع و هوالحج و العمرة و الى المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم افضل من الكعبة و من بيت المقدس

وليس عندهما حج ولا عمرة فاذا نذر المشي الى هذه الثلاثة لزمه فالكعبة متفق عليها واختلف اصحابنا وغيرهم في المسجدين الآخرين.

قلت الخلاف الذي أشار اليه في نذر اتيان المسجدين لا في الزيارة، فهذه نقول المذاهب الاربعة وكذلك غيرهم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم فقد صح من وجوه كثيرة عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما انه كان يأتي القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم.

انا عبدالمؤمن بن خلف انا ابراهيم بن ابي الخير وابوعبدالله محمد بن المني منفردين في الرحلة الاولى، قالا انا شهدة انا الحسن بن احمد بن سليمان انا الحسن بن احمد بن شاذان انا دعلج انا محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا سعيد بن منصور ثنا مالك بن انس عن نافع عن ابن عمر أنه كان يأتي القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر وعمر. وقال دعلج هذا الحديث في الموطأ عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر وانا به اسحاق بن النحاس من طريق آخر الى سعيد بن منصور ثنا مالك به. وروى عن ابن عون قال سأل رجل نافعا هل كان ابن عمر يسلم على القبر؟ قال نعم لقد رأيته مائة مرة او اكثر من مائة مرة كان يأتي القبر فيقوم عنده فيقول السلام على النبي السلام على ابي بكر السلام على ابي.

وفي الموطأ من رواية يحيي بن يحيي الليثي عن ابن عمر كان يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر وعمر. وعند ابن القاسم والقعنبي: ويدعو لابي بكر وعمر. وقال في رواية ابن وهب يقول المسلم: السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته. قال في المبسوط ويسلم على ابي بكر وعمر. قال القاضي ابو الوليد الباجي وعندي انه يدعو للنبي صلى الله عليه وسلم بلفظ الصلوة ولابي بكر وعمر كما في

حديث ابن عمر من الخلاف .

و قال عبدالرزاق فی مصنفه باب السلام علی قبر النبي صلی الله عليه وسلم و روی فيه آثارا منها باسناد صحيح ان ابن عمر كان اذا قدم من سفر آتی قبر النبي صلی الله عليـــه و سلم فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه . و روی عبدالرزاق فی هذا الباب ايضا ان سعيد بن المسيب رأی قوما يسلمون عـــلی النبي صلی الله عليه و سلم فقال مامكث نبي فی الارض اكثر من اربعين يوما. ثم روی عبدالرزاق فيه قوله صلی الله عليه و سلم مررت بموسی ليلة أسری بی و هو قائم يصلی فی قبره. كأنه قصد بذلك رد ماروی عن ابی المسيب و هو رد صحيح، و ما و رد عن ابن المسيب و رد فيـه حديث نذكره فی بابِ حياة الانبياء، و قد روی عن عثمان بن عفان رضی الله عنه انه لما حصر اشار بعض الصحابة عليه بان يلحق بالشام فقال لن افارق دار هجرتي و مجاورة رسول الله صلی الله عليه وسلم فيها ، و هو مخالف لما قال ابن المسيب رحمه الله وهو الصحيـــح وكذلك ما ذكرناه عن ابن عمر ثم لوصح قول ابن المسيب لم يمنع من لستحباب زيارة القبر لشرفه بحلوله فيه و نسبته اليه كما قال الشاعر .

أمر عـــلی الديار ديار ليـلی أقبل ذا الجـدار و ذا الجدارا
وما حب الديار شغفن قلبي و لـكن حب من سكن الديارا

و ابن المسيب رحمه الله لم ينكر التسليم و انما ذكر عنده الفائدة

و قال القاضی عياض فی الشفاء قال بعضهم رأيت انس بن مالك أتی قبر النبي صلی الله عليه و سلم فوقف فرفع يديه حتی ظننت انه افتتح الصلوة فسلم علی النبي صلی الله عليه وسلم ثم انصرف .

و فی مسند الامام ابی حنیفة رحمه الله تصنیف ابی القاسم طلحة ابن محمد بن جعفر الشاهد العدل قال ثنا محمد بن مخلد حدثنی محمد بن یعقوب بن اسحاق بن حکیم حدثنی احمد بن الخلیل حدثنی الحسن ثنا ابن المبارك ثنا وهب عن ابی حنیفة قال جاء ایوب السختیانی فدنا من قبر النبی صلی الله علیه و سلم فاستدبر القبلة و أقبل بوجهه الی القبر فبکی بکاء غیر متباك .

و قال ابراهیم الحربی فی مناسکه تولی ظهرك القبـلة و تستقبل وسطه - یعنی القبر و تقول السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته و قال ابن بطال فی شرح البخاری قوله صلی الله علیه و سلم « ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة» بعد أن حکی القولین المشهورین، قال و استدل الثانی بقوله ارتعوا فی ریاض الجنة یعنی حلق الذکر و العلم ، قال و یکون معناه التحریض عـلی زیارة قبر النبی صلی الله علیه و سلم و الصلوة فی مسجده انتهی .

و لوا ستوعبنا الآثار و أقاویل العلماء فی ذلك لخرجنا الی حـد الطول و الملل ، فان قلت قد کره مالك رحمه الله ان یقال زرنا قبرالنبی صلی الله علیه و سلم ، قلت قال القـاضی عیاض قد اختلف فی معنی ذلك فقیل کراهیة الاسم لما ورد من قوله صلی الله علیه و سلم لعن الله زوارات القبور و هذا یرده قوله کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها و قوله من زار قبری ، فقد اطلق اسم الزیارة و قیل لان ذلك لما قیل ان الزائر افضل من المزور وهذا ایضا لیس بشیء اذلیس کل زائر بهذه الصفة و لیس عموما ، و قد ورد فی حدیث اهل الجنة لزیارتهم لربهم و لم یمنع هذا اللفظ فی حقه، والاولی عندی ان منعه و کراهة مالك له لاضافته الی

الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم و انه لو قال زرنا النبي صلى الله عليه وسلم لم يكرهه لقوله صلى الله عليه و سلم ، اللهم لاتجعل قبرى و ثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد ، فحمى اضافة هذا اللفظ الى القبر و التسلية بفعل اولئك قطعا للذريعة و حسما للباب و الله اعلم .

د كلام القاضى و ما اختاره يشكل عليه قوله من زار قبرى فقد اضاف الزيارة الى القبر الا ان يكون هذا الحديث لم يبلغ مالكا فحينئذ يحسن ما قاله القاضى فى الاعتذار عنه لافى اثبات هذا الحكم فى نفس الامر و لعله يقول ان ذلك من قول النبي صلى الله عليه و سلم لامحذور فيه و المحذور انما هو فى قول غيره .

و قد قال عبد الحق الصقلى عن ابى عمران المالكى انه قال انما كره مالك ان يقال زرنا قبر النبي صلى الله عليه و سلم لان الزيارة من شاء فعلها و من شاء تركها و زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم واجبة قال عبدالحق يعنى من السنن الواجبة ، ينبغى ان لاتذكر الزيارة فيه كما تذكر فى زيارة الاحياء الذين من شاء زارهم و من شاء ترك و النبي صلى الله عليه و سلم اشرف و اعلى من ان يسمى انه يزار ، و هذا الجواب بينه و بين جواب القاضى بون فى شيئين أحدهما انه يقتضى تأكد نسبة معنى الزيارة الى القبر و ان تجنب لفظها و جواب القاضى يقتضى عدم نسبتها الى القبر ، و الثانى انه يقتضى التسوية فى كراهية اللفظ بين قوله زرت القبر و قوله زرت النبي صلى الله عليه و سلم ، و جواب القاضى يقتضى الفرق بينهما .

و قد قال ابوالوليد محمد بن رشد فى البيان و التحصيل قال مالك اكره ان يقال الزيارة لزيارة البيت الحرام و اكره ما يقول الناس

زرت النبي و اعظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه و سلم يزار قال محمد بن رشد ما كره مالك هذا و الله اعلم الا من وجه ان كلمة اعلى من كلمة فلما كانت الزيارة تستعمل فى الموتى و قد وقع فيها من الكراهة ما وقع كره ان يذكر مثل هذه العبارة فى النبي صلى الله عليه و سلم كما كره ان يقال ايام التشريق واستحب ان يقال الايام المعدودات كما قال الله تعالى، وكما كره ان يقال العتمة و يقال العشاء الاخيرة و نحو هذا، وكذلك طواف الزيارة كأنه يستحب ان يسمى بالافاضة كما قال الله تعالى فى كتابه (فاذا أفضتم من عرفات) فاستحب ان يشتق له الاسم من هذا و قيل انه كره لفظ الزيارة فى الطواف بالبيت و المضى الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم لان المضى الى قبره عليه السلام ليس ليصله بذلك و لا لينفعه به، وكذلك الطواف بالبيت و انما يفعل باديه لما يلزمه من فعله و رغبته فى الثواب على ذلك من عند الله عزوجل و بالله التوفيق انتهى كلام ابن رشد .

و قد وقع فيه كراهية مالك قول الناس زرت النبي صلى الله عليه وسلم و هو يرد ما قاله القاضي عياض فاما كراهية اسناد الزيارة الى القبر فيحتمل ان تكون العلة فيه ما قاله القاضي عياض، و يحتمل ان تكون العلة ما قاله ابوعمران و ابن رشد، و اما اضافة الزيارة الى النبي صلى الله عليه و سلم ان ثبت ذلك عن مالك فيتعين ان تكون العلة فيه ما قاله ابو عمران و ابن رشد .

و المختار فى تأويل كلام مالك رحمه الله ما قاله ابن رشد دون ما قاله القاضي عياض لان ابن المواز حكى فى كتابه فى كتاب الحج فى باب ما جاء فى الوداع قال اشهب قيل لمالك فيمن قدم معتمرا ثم

اراد

اراد ان يخرج الى رباط أعليه ان يودع ؟ قال هو من ذلك فى سعة ثم قال انه لا يعجبنى ان يقول أحد الوداع وليس هو من الصواب وانما هو الطواف قال الله تعالى (وليطوفوا بالبيت العتيق) قال واكره ان يقال الزيارة. واكره ما يقول الناس زرت النبي صلى الله عليه وسلم واعظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم يزار. وقال مالك فى وداع البيت ما يعرف فى كتاب الله ولا سنة رسوله عليه السلام الوداع انما هو الطواف بالبيت، قلت لمالك أفترى هذا الطواف الذى يودع به أهو الالتزام ؟ قال بل الطواف وانما قال فيه عمر آخر النسك الطواف بالبيت، قيل لمالك فالذى يلتزم أترى له ان يتعلق باستار الكعبة عند الوداع ؟ قال لا ولكن يقف ويدعو. قيل له وكذلك عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم ؟ قال نعم، انتهى ما اردت نقله من الموازية وهى من اجل كتب المالكية القديمة المعتمد عليها.

وسياقة حكاية اشهب عن مالك ترشد الى المراد وان مالكا رحمه الله انما كره اللفظ كما كرهه فى طواف الوداع أفترى يتوهم مسلم أو عاقل ان مالكا كره طواف الوداع ؟ وانظر فى آخر كلام مالك كيف اقتضى انه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يقف ويدعو عند الكعبة فى طواف الوداع فأى دليل أبين من هذا فى ان اتيان قبر النبي صلى الله عليه وسلم والوقوف والدعاء عنده من الامور المعلومة التى لم تزل قبل مالك وبعده ولو عرف مالك رحمه الله ان احدا يتوهم عليه ذلك من هذا اللفظ لما نطق به ولا لوم على مالك فان لفظه لا ايهام فيه وانما يتلبس على جاهل او متجاهل، والمختار عندنا انه لا يكره اطلاق هذا اللفظ ايضا لقوله: من زار قبرى وقد تقدم

الاعتذار عن مالك فيه و لا يرد عليه قوله « زوروا القبور » لان زيارة قبور غير الانبياء لينفعهم و يصلهم بها و بالدعاء و الاستغفار . و لهذا قال قال ابو محمد عبدالله بن عبدالرحمن المالكى المعروف بالشارمساحى فى كتاب (تلخيص محصول المدونة) من الاحكام الملقب بنظم الدر فى كتاب الجامع فى الباب الحادى عشر فى السفر ان قصد الا نتفاع بالميت بدعة الا فى زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه و سلم و قبور المرسلين صلوات لله عليهم اجمعين و هذا الذى ذكره فى الا نتفاع بقبور المرسلين صحيح وكذلك سائر الانبياء . و اما ما ذكره فى غير الانبياء فتتكلم عليه ان شاء الله تعالى فى قبور غير الانبياء .

و اما زيارة اهل الجنة لله تعالى فان صح الحديث فيها فلا ترد على شئ من المعانى التى قالها عبدالحق و ابن رشد لانها ليست و اجبةفان الآخرة ليست دار تكليف وقد انقطع الالحاق بزيارة الموتى فى توهم الكراهة ، فقد بان لك بهذا وجه كلام مالك رحمه الله و انه على جواب القاضى عياض انما كره زيارة القبر لازيارة النبي صلى الله عليه و سلم وعلى جواب غيره إنما كره اللفظ فيهما دون المعنى وكذلك اكثر ما حكيناه من كلام اصحابه الوافية بمعنى الزيارة دون لفظها فن نقل عن مالك ان الحضور عند قبر النبي صلى الله عليه و سلم لزيارة المصطفى صلى الله عليه و سلم و السلام عليه و الدعاء عنده ليس بقربة فقد كذب عليه ، و من فهم عنه ذلك فقد اخطأ فى فهمه وضل و حاشى مالكا و سائر علماء الاسلام بل وعوامهم ممن وقر الايمان فى قلبه .

فان قلت فقد روى عبدالرزاق فى مصنفه بسنده الى الحسن بن الحسن ابن علي انه رأى قوما عند القبر فنهاهم ، و قال ان النبي صلى الله عليه و سلم قال

قال لاتتخذوا قبري عيدا ولاتتخذوا بيوتكم قبورا و صلوا علىّ حيث ما كنتم فان صلوتكم تبلغني ، قلت قد روى القاضي اسماعيل فى كتاب فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه و سلم بسنده الى على بن الحسين ابن على ، و هو زين العابدين ، ان رجلا كان يأتي كل غداة فيزور قبر النبي صلى الله عليه و سلم و يصلى عليه و يصنع من ذلك ما انتهره عليه على بن الحسين فقال له على بن الحسين ما يحملك على هذا قال احب التسليم على النبي صلى الله عليه و سلم فقال له على بن الحسين هل لك ان احدثك حديثا عن ابى قال نعم، فقال له على بن الحسين أخبرنى ابى عن جدى انه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا تجعلوا قبرى عيدا ولاتجعلوا بيوتكم قبورا و صلوا علىّ و سلموا حيث ما كنتم فسيبلغنى سلامكم و صلاتكم ، و هذا الاثر يبين لنا ان ذلك الرجل زاد فى الحد و خرج عن الامر المسنون فيكون كلام على بن الحسين موافقا لما تقدم عن مالك و ليس انكار اصل الزيارة ، اويكون اراد تعليمه ان السلام يبلغ من الغيبة لما رآه يتكلف الاكثار من الحضور و على ذلك يحمل ما ورد عن حسن بن حسن و غيره من ذلك ولم يذكر هذا الاثر ليحتج به بل للتأنيس بأمر يحتمل فى ذلك الاثر المطلق و ابداء وجه من وجوه التأويل، وكيف يتخيل فى احد من السلف منعهم من زيارة المصطفى صلى الله عليه و سلم و هم مجمعون على زيارة سائر الموتى ، و سنذكر ذلك ، و ما ورد من الاحاديث و الآثار فى زيارتهم فالنبي صلى الله عليه و سلم و سائر الانبياء الذين ورد فيهم انهم احياء كيف يقال فيهم هذه المقالة .

و اما قوله صلى الله عليه و سلم لاتجعلوا قبرى عيدا ، فرواه

ابو داود السجستانی و فی سنده عبدالله بن نافع الصائغ روی له الاربعة و مسلم ، قال البخاری تعرف حفظه و تنکر . و قال احمد بن حنبل لم یکن صاحب حدیث کان ضعیفا فیه و لم یکن فی الحدیث بذاك ، و قال ابو حاتم الرازی لیس بالحافظ هولین تعرف حفظه و تنکر و و ثقه یحیی ابن معین و قال ابوزرعة لابأس به . .

و قال ابن عدی روی عن مالك غرائب و هو فی روایاته مستقیم الحدیث فان لم یثبت هذا الحدیث فلا کلام و ان ثبت و هو الاقرب فقال الشیخ زکی الدین المنذری یحتمل ان یکون المراد به الحث علی کثرة زیارة قبره صلی الله علیه و سلم و ان لا یهمل حتی لایزار الاقی بعض الاوقات کالعید الذی لایأتی فی العام الامرتین ، قال و یؤید هذا التأویل ماجاء فی الحدیث نفسه لاتجعلوا بیوتکم قبورا ای لاتترکوا الصلوة فی بیوتکم حتی تجعلوها کالقبور التی لایصلی فیها .

قلت و یحتمل ان یکون المراد لاتتخذوا له وقتا مخصوصا لاتکون الزیارة الا فیه کما تری کثیرا من المشاهد لزیارتها یوم معین کالعید و زیارة قبره صلی الله علیه و سلم لیس فیها یوم بعینه بل أی یوم کان و یحتمل ایضا ان یراد ان یجعل کالعید فی العکوف علیه و اظهار الزینة و الاجتماع و غیر ذلك مما یعمل فی الاعیاد بل لایؤتی الا للزیارة و السلام و الدعاء ثم ینصرف عنه و الله أعلم بمراد نبیه صلی الله علیه و سلم .

الباب الخامس

فی تقریر کون الزیارة قربة

و ذلك بالکتاب و السنة و الاجماع و القیاس . اما الکتاب فقوله تعالی (و لوأنهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفرلهم الرسول

لوجدوا الله توابا رحيما) دلت الآية على الحث على المجيء الى الرسول صلى الله عليه و سلم و الاستغفار عنده و استغفاره لهم و ذلك و ان كان ورد فى حال الحياة فهى رتبة له صلى الله عليه و سلم لا تنقطع بموته تعظيما له .

فان قلت المجيء اليه فى حال الحياة ليستغفرلهم و بعد الموت ليس كذلك . قلت دلت الآية على تعليق و جدانهم الله تعالى توابا رحيما بثلاثة امور المجيء و استغفارهم و استغفار الرسول ، فاما استغفار الرسول فانه حاصل لجميع المؤمنين لأن رسول الله صلى الله عليه و سلم استغفر للمؤمنين و المؤمنات لقوله تعالى (و استغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات) .

و لهذا قال عاصم بن سليمان و هو تابعى لعبد الله بن سرجس الصحابى رضى الله عنه استغفرلك رسول الله صلى الله عليه و سلم ، فقال نعم و لك ثم تلا هذه الآية رواه مسلم فقد ثبت أحد الامور الثلاثة و هو استغفار رسول الله صلى الله عليه و سلم لكل مؤمن و مؤمنة فاذا وجدمجيئهم و استغفارهم تكملت الامور الثلاثة الموجبة لتوبة الله و رحمته، وليس فى الآية مايعين ان يكون استغفار الرسول بعد استغفارهم بل هى محملة و المعنى يقتضى بالنسبة الى استغفار الرسول انه سواء أتقدم أم تأخر فان المقصود ادخالهم لمجيئهم و استغفارهم تحت من يشمله استغفار النبي صلى الله عليه و سلم ، و انما يحتاج الى المعنى المذكور اذا جعلنا « و استغفر لهم الرسول» معطوفا على« فاستغفروا الله» اما ان جعلناه معطوفا على جاؤك لم يحتج اليه .

هذا كله ان سلمنا ان النبي صلى الله عليه و سلم لا يستغفر بعدالموت و نحن لا نسلم ذلك لما سنذكره من حياته صلى الله عليه وسلم و استغفاره

لأمته بعد موته و اذا انكر استغفاره و قد علم كمال رحمته و شفقته على أمته فيعلم انه لايترك ذلك لمن جاءه مستغفرا ربه تعالى . فقد ثبت على كل تقدير أن الامور الثلاثة المذكورة فى الآية حاصلة لمن يجيء اليه صلى الله عليه و سلم مستغفرا فى حياته و بعد مماته ، و الآية و ان وردت فى اقوام معينين فى حالة الحياة فتعم بعموم العلة كل من وجد فيه ذلك الوصف فى الحياة و بعد الموت و لذلك فهم العلماء من الآية العموم فى الحالتين و استحبوا لمن أتى الى قبره صلى الله عليه وسلم ان يتلو هذه الآية و يستغفر الله تعالى، و حكاية العتبي فى ذلك مشهورة وقد حكاها المصنفون فى المناسك من جميع المذاهب والمؤرخون وكلهم استحسنوها و رأوها من آداب الزائر و ما ينبغي له ان يفعله و قد ذكرناها فى آخر الباب الثالث .

و اما السنة فما ذكرناه فى الباب الأول و الثانى من الاحاديث و هى ادلة على زيارة قبره صلى الله عليه و سلم بخصوصه و فى السنة الصحيحة المتفق عليها الامر بزيارة القبور ، و قال صلى الله عليه و سلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها ، و قال صلى الله عليه و سلم زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة ، و قال الحافظ ابو موسى الاصبهانى فى كتابه (آداب زيارة القبور) ورد الامر بزيارة القبور من حديث بريدة و أنس و على و ابن عباس و ابن مسعود و ابى هريرة و عائشة وابى بن كعب و أبى ذر رضى الله عنهم . انتهى كلام أبي موسى الاصبهانى ، فقبر النبي صلى الله عليه و سلم سيد القبور داخل فى عموم القبور المأمور بزيارتها .

و اما الاجماع ، فقد حكاه القاضى عياض على ما سبق فى الباب الرابع

الرابع، واعلم ان العلماء مجمعون على انه يستحب للرجال زيارة القبور بل قال بعض الظاهرية بوجوبها للحديث المذكور وممن حكى اجماع المسلمين على الاستحباب ابوزكريا النووى، وقد رأيت فى مصنف ابن ابى شيبة عن الشعبي قال لولا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور لزرت قبر بنتى، وهذا ان صح يحمل على ان الشعبي لم يبلغه الناسخ مع ان الشعبي لم يصرح بقول له ومثل هـذا لا يقدح وكذلك رأيت فيه عن ابراهيم قال: كانوا يكرهون زيارة القبور وهذا لم يثبت عندنا ولم يبين ابراهيم الكراهة عمن ولا كيف هى فقد تكون محمولة على نوع من الزيارة مكروهة، ولم اجد شيئا يمكن ان يتعلق به الخصم غـير هذين الاثرين ومثلهما لا يعارض الاحاديث الصريحـة الصحيحة والسنن المستفيضة المعلومة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم بل لوصح عن الشعبي والنخعى التصريح بالكراهـة لكان ذلك من الاقوال الشاذة التى لا يجوز اتباعها والتعويل عليها، فانا نقطع ونتحقق من الشريعة بجواز زيارة القبور للرجال وقبر النبي صلى الله عليه وسلم داخل فى هذا العموم ولكن مقصودنا اثبات الاستحباب له بخصوصه للأدلة الخاصة بخلاف غيره ممن لا يستحب زيارة قبره لخصوصه بل لعموم زيارة القبور وبين المعنيين فرق كما لا يخفى فزيارته صلى الله عليه وسلم مطلوبة بالعموم والخصوص .

بل اقول انه لو ثبت خلاف فى زيارة قبر غير النبي صلى الله عليه وسلم لم يلزم من ذلك اثبات خلاف فى زيارته لان زيارة القبر تعظيم وتعظيم النبي صلى الله عليه وسلم واجب، واما غيره فليس كذلك ولهذا المعنى اقول والله اعلم انه لا فرق فى زيارته صلى الله عليه وسلم بين

الرجال و النساء لذلك و لعدم المحذور فى خروج النساء اليه، و اما سائر القبور فحل الاجماع على استحباب زيارتها للرجال .

و اما النساء فى زيارتهن للقبور اربعة اوجه فى مذهبنا ، اشهرها انها مكروهة جزم به الشيخ ابو حامد و المحاملى و ابن الصباغ و الجرجانى و نصر المقدسى و ابن ابى عصرون وغيرهم، و قال الرافعى ان الأكثرين لم يذكروا سواه و قال النووى قطع به الجمهور و صرح بانها كراهة تنزيه و الثانى انها لاتجوز قاله صاحب المهذب و صاحب البيان و الثالث لاتستحب و لاتكره بل تباح قاله الرويانى ، و الرابع ان كانت لتجديد الحزن و البكاء بالتعديد و النوح على ما جرت به عادتهن فهو حرام و عليه يحمل الخبر و ان كانت للاعتبار بغير تعديد و لانياحة كره الا ان تكون عجوزا لاتشتهى فلاتكره كحضور الجماعة فى المساجد ، قاله الشاشى و فرق بين الرجل والمرأة بان الرجل معه من الضبط و القوة ، بحيث لايبكى ولايجزع بخلاف المرأة. واحتج المانعون بقوله صلى الله عليه وسلم «لعن الله زوارات القبور» رواه الترمذى من حديث ابى هريرة ، و قال حسن صحيح و رواه ابن ماجه من حديث حسان بن ثابت .

و احتج المجوزون بأحاديث منها قوله صلى الله علية و سلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، و اجاب المانعون بان هذا خطاب للذكور، و منها قوله صلى الله عليه و سلم للمرأة التى رآها عند قبر تبكى اتقى الله و اصبرى و لم ينهها عن الزيارة و هو استدلال صحيح ، و منها قول عائشة كيف اقول يا رسول الله قال قولى السلام على اهل الديار من المؤمنين . و سنذكره فى خروج النبى صلى الله عليه و سلم للبقيع و هو استدلال صحيح .

و قد

و قد خرجنا عن المقصود فنرجع الى غرضنا و هو الاستدلال على ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم قربة. و مما يدل على ذلك القياس و ذلك على زيارة النبي صلى الله عليه و سلم البقيع و شهداء احد و سنبين ان ذلك غير خاص به صلى الله عليه و سلم بل مستحب لغيره و اذا استحب زيارة قبر غيره صلى الله عليه و سلم فقبره أولى لما له من الحق و وجوب التعظيم.

فان قلت الفرق ان غيره يزار للاستغفار له لاحتياجه الى ذلك كما فعل النبي صلى الله عليه و سلم فى زيارته اهل البقيع و النبي صلى الله مستغن عن ذلك، قلت زيارته صلى الله عليه و سلم انما هى لتعظيمه و التبرك به و لتنالنا الرحمة بصلاتنا و سلامنا عليه كما انا مأمورون بالصلاة عليه و التسليم و سؤال الوسيلة وغير ذلك مما يعلم انه حاصل له صلى الله عليه و سلم بغير سؤالنا و لكن النبي صلى الله عليه و سلم أرشدنا الى ذلك لنكون بدعائنا له متعرضين للرحمة التى رتبها الله تعالى على ذلك.

فان قلت: الفرق ايضا ان غيره لايخشى فيه محذور و قبره صلى الله عليه و سلم يخشى الافراط فى تعظيمه ان يعبد. قلت هذا كلام تقشعر منه الجلود، و لولا خشية اغترار الجهال به لماذكرته فان فيه تركا لمادلت عليه الادلة الشرعية بالآراء الفاسدة الخيالية وكيف تقدم على تخصيص قوله صلى الله عليه و سلم «زوروا القبور» و على ترك قوله «من زار قبرى وجبت له شفاعتى» و على مخالفة اجماع السلف و الخلف بمثل هذا الخيال الذى لم يشهد به كتاب و لاسنة بخلاف النهى عن اتخاذه مسجدا وكون الصحابة احترزوا عن ذلك المعنى المذكور لان ذلك قد ورد النهى فيه و ليس لنا نحن ان نشرع احكاما من قبلنا (أم لهم شركاء شرعوا لهم

من الدين ما لم يأذن به الله) فمن منع زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقد شرع من الدين ما لم يأذن به الله و قوله مردود عليه و لو فتحنا باب هذا الخيال الفاسد لتركنا كثيرا من السنن بل و من الواجبات .

و القرآن كله و الاجماع المعلوم من الدين بالضرورة و سير الصحابة و التابعين و جميع علماء المسلمين و السلف الصالحين على وجوب تعظيم النبي صلى الله عليه و سلم و المبالغة فى ذلك و من تأمل القرآن العزيز و ما تضمنه من التصريح و الايماء الى وجوب المبالغة فى تعظيمه و توقيره و الأدب معه و ما كانت الصحابة يعاملونه ؟ من ذلك امتلأ قلبه ايمانا و احتقر هذا الخيال الفاسد و استنكف ان يصغى اليه و الله تعالى هو الحافظ لدينه (و من يهدالله فهو المهتدى و من يضلل فلا هادى له) وعلماء المسلمين متكفلون بأن يبينوا للناس ما يجب من الادب و التعظيم و الوقوف عند الحد الذى لا يجوز مجاوزته بالادلة الشرعية ، و بذلك يحصل الامن من عبادة غير الله تعالى ومن اراد الله ضلاله من افراد من الجهال فلن يستطيع أحد هدايته فمن ترك شيئا من التعظيم المشروع لمنصب النبوة زاعما بذلك الادب مع الربوبية فقد كذب على الله تعالى وضيع ما أمر به فى حق رسله كما ان من أفرط و جاوز الحد الى جانب الربوبية فقد كذب على رسل الله و ضيع ما امروا به فى حق ربهم سبحانه و تعالى ، و العدل حفظ ما امر الله به فى الجانبين و ليس فى الزيارة المشروعة من التعظيم ما يفضى الى محذور .

و اعلم ان زيارة القبور على اقسام ، القسم الاول ان يكون لمجرد تذكر الموت و الآخرة و هذا يكفى فيه رؤية القبور من غير معرفة باصحابها و لا قصد امر آخر من الاستغفار لهم و لا من التبرك بهم و لا

ولامن اداء حقوقهم وهو مستحب لقوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة، وذلك لان الانسان اذا شاهد القبر تذكر الموت وما بعده وفى ذلك عظة واعتبار وهذا المعنى ثابت فى جميع القبور ودلالة القبور على ذلك متساوية كما ان المساجد غير المساجد الثلاثة متساوية لايتعين شيء منها بالتعين بالنسبة الى هذا الغرض.

القسم الثانى زيارتها للدعاء لاهلها كما ثبت من زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لاهل البقيع وهذا مستحب فى حق كل ميت من المسلمين.

القسم الثالث للتبرك بأهله اذا كانوا من اهل الصلاح والخير وقد قال ابو محمد الشارمساحى المالكى ان قصد الانتفاع بالميت بدعة الافى زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم أجمعين، وهذا الذى استثناه من قبور الانبياء والمرسلين صحيح، واما حكمه فى غيرهم بالبدعة ففيه نظر ولاضرورة بنا هنا الى تحقيق الكلام فيه لان مقصودنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الانبياء والمرسلين للتبرك بهم مشروعة وقد صرح به.

القسم الرابع لأداء حقهم فان من كان له حق على الشخص فينبغى له بره فى حياته وبعد موته والزيارة من جملة البر لما فيها من الاكرام ويشبه ان تكون زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر امه من هذا القبيل كما روى عنه صلى الله عليه وسلم انه زارقبر امه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربى فى ان استغفر لها فلم يؤذن لى واستاذنته فى ان ازورقبرها فأذن لى فزوروا القبور فانها تذكر الموت. رواه مسلم ويدخل فى هذا المعنى الزيارة رحمة للميت ورقة له وتأنيسا فقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال آنس ما يكون الميت فى قبره

اذا زاره من كان يحبه فى دارالدنيا .

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الاعرفه ورد عليه السلام ذكره جماعة. وقال القرطبي فى التذكرة ان عبد الحق صححه ورويناه فى الخلعيات من حديث ابى هريرة رضى الله عنه ايضا . والآثار فى انتفاع الموتى بزيارة الاحياء وما يصل اليهم منهم وادراكهم لذلك لاتحصر ، اذا عرف هذا فنقول زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم ثبت فيها هذه المعانى الاربعة اما الاول فظاهر واما الثانى فلأنا مأمورون بالدعاء له صلى الله عليه وسلم وان كان هو غنيا بفضل الله عن دعائنا .

واما الثالث والرابع فلانه لا أحد من الخلق اعظم بركة منه ولا اوجب حقا علينا منه فالمعنى الذى فى زيارة قبره لا يوجد فى غيره ولا يقوم غيره مقامه كما ان المسجد الحرام لا يقوم غيره مقامه ، ومن هاهنا شرع قصده بخصوصه ويتعين بخلاف غيره من القبور هذا لولم يرد فى زيارته دليل خاص فكيف وقد ورد فى زيارته بخصوصه ما سبق من الاحاديث ، وغيره لم يرد فيه الا الأدلة العامة فزيارة قبره صلى الله عليه وسلم مستحبة بعينها لما ثبت فيها من الادلة الخاصة ولما فيها من المعانى العامة التى لا تجتمع فى غيره ، واما زيارة قبر غيره فهى مستحبة بالاطلاق وقد تقدمت النصوص الدالة على استحباب زيارة القبور وحكاية الاجماع على ذلك ، وان من الناس من قال بوجوبها.

وفى كتاب النوادر لابن ابى زيد من كتاب ابن حبيب ولابأس بزيارة القبور والجلوس اليها والسلام عليها عند المرور بها ، وقد فعل ذلك النبي صلى الله عليه وسلم وقد قدم ابن عمر من سفر

(١١) وقد

و قد مات اخوه عاصم فذهب الى قبره فدعا له و استغفر . و فى غير كتاب ابن حبيب : و رثاه فقال .

فان تك أحزان و فائض دمعة جرين دما من داخل الجوف منقعا
تجرعتها من عاصم و احتسيتها فأعظم منها ما احتسى و تجرعا
فليت المنايا كن خلفن عاصما فعشنا جميعا أو ذهبن بنا معا
دفعنا بك الايام حتى اذا أتت تريدك لم نسطع لها عنك مدفعا

قال ابن حبيب و فعلته عائشة رضى الله عنها لما مات أخوها عبد الرحمن و هى غائبة فلما قدمت أتت قبره فدعت له و استغفرت . قال و قد خرج النبي صلى الله عليه و سلم الى البقيع يستغفر لهم .

وكان صلى الله عليه وسلم اذا سلم على أهل القبور يقول ، السلام عليكم يا أهل الديار من المؤمنين و المسلمين يرحم الله المستقدمين منا و المستأخرين و انا ان شاء الله بكم لاحقون . اللهم ارزقنا أجرهم و لا تفتنا بعدهم ، و القول فى ذلك واسع تعذر ما يحضر منه . و يدل على التسليم على أهل القبور ما جاء من السنة فى التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم و ابى بكر و عمر مقبورين . و قد أتى النبي صلى الله عليه و سلم قبور شهداء احد فسلم عليهم و دعا لهم . و من المجموعة عن مالك انه سئل عن زيارة القبور فقال قد كان النبي صلى الله عليه و سلم نهى عنها ثم أذن فيه فلوفعله انسان ولم يقل الاخيرا لم أر به بأسا و ليس من عمل الناس . و روى عنه انه كان يضعف زيارتها . قال ابن القرطبي و انما أذن فى ذلك ليعتبربها الا لقادم من سفر و قد مات وليه فى غيبته فليدع له و يترحم عليه و يؤتى قبور الشهداء باحد و يسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه و سلم و على ضجيعيه . انتهى كلام ابن زيد فى النوادر .

وما وقع فى كلام ابن حبيب من قوله «ولا بأس» قد يوهم انه مباح ولكن ذلك لاينافى كونه سنة، ولعل زيارة القبور عنده من قبيل عيادة المرضى ونحوها من القربات التى لم توضع باصلها عبادة على ما سيأتى عند الكلام فى نذر الزيارة، واذا اريد هذا المعنى فلايبعد الموافقة عليه فان زيارة الموتى كزيارة الاحياء وزيارة الاحياء لا يقال بانها وضعت عبادة بل تفعل على قصد التقرب تارة فيثاب عليها وعلى غير قصد التقرب تارة فلا يثاب وتكون اما مباحة اوغير مباحة بحسب قصده .

وهكذا زيارة القبور ، وجهة القربة فيها على أنواع، منها الاعتبار وهو مستحب لكل أحد ، ومنها الترحم والدعاء وهو مؤكد لمن مات قريبه فى غيبته كما فعل ابن عمر حين قدم بعد موت اخيه عاصم وكان ابن عمر اذا قدم وقد مات بعض ولده قال دلونى على قبره فيدلونه عليه فينطلق فيقوم عليه ويدعوله ، رواه ابن ابى شيبة . وكما فعلته عائشة حين مات اخوها عبد الرحمن وكان قد مات بالحبشى والحبشى على اثنى عشر ميلا من مكة ، هكذا فى كتاب ابن ابى شيبة عن ابن جريج فحمل حتى دفن بمكة فقدمت عائشة من المدينة فأتت قبره فوقفت عليه فتمثلت بهذين البيتين .

وكنا كندمانى جذيمة حقبة ... من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كأنى ومالكا ... لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

أما والله لوشهدتك ما زرتك ولوشهدتك ما دفنتك الا فى مكانك الذى مت فيه . وروى ابن سعد فى الطبقات بسنده الى ابن ابى مليكة قال رحت من منزلى وانا اريد منزل عائشة فتلقتنى على حمار فسألت بعض من كان معها قال زارت قبرأخيها عبدالرحمن .

وفى

و فى السير الكبير لمحمد بن الحسن تصنيف شمس الأئمة السرخسى الحنفى انها جاءت من المدينة حاجة أو معتمرة فزارت قبره، و قال فى قولها لو شهدتك ما زرتك انما قالت ذلك لاظهار التأسف عليه حين مات فى الغربة و لاظهار عذرها فى زيارته فان ظاهر قوله صلى الله عليه و سلم « لعن الله زوارات القبور » يمنع النساء من زيارة القبور قال والحديث و ان كان متأولا فلحشمة ظاهره قالت ما قالت. انتهى .

و مقصودنا ان زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله عليه و سلم مما يثاب الشخص على فعله و قد يتأكد بحسب بعض الأحوال. فزيارة القريب آكد من غيره و تطلب لمعنى فيه مختص به و هو القرابة، و زيارة غير القريب ايضا مستحبة للاعتبار و الترحم و الدعاء و ذلك عام فى كل المسلمين، و سيأتى من نصوص المالكية فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم جملة أخرى فى الباب السابع، واذا زار قبرا معينا يكون مؤديا للسنة بما تضمنه من زيارة جنس القبور و لانقول ان زيارة ذلك القبر المعين بخصوصه سنة حتى يرد فيها فضل خاص اونعرف صلاحه فان زيارة جميع الصالحين قربة كما يقولون ان الصلاة فى المسجد مطلوبة و لانقول الصلاة فى مسجد بعينه مطلوبة الافى الثلاثة التى شهد الشرع بها و يقوم ما هو الافضل منها كالمسجد الحرام عن غيره. و اذا ظهر لك تنظير زيارة القبور باتيان المساجد فتى كان المقصود بالزيارة تذكر الموت لايشرع فيها قصد قبر بعينه، و ان صح عن احد من العلماء انه يمنع من شد الرحال الى زيارة القبور كما نقل عن ابن عقيل و كما وقع فى شرح مسلم فليحمل على هذا القسم. وكذلك اذا كان المقصود التبرك عن لايقطع له بذلك و ان كنا نستحب زيارة قبور الصالحين

من حيث الجملة و نرجو البركة بزيارتها اكثر مما يستحب زيارة مطلق القبور، و اما من يقطع ببركته كقبور الانبياء، و من شهد الشرع له بالجنة كابي بكر وعمر فيستحب قصده، ثم هم فى ذلك على مراتب اعظمهم النبي صلى الله عليه و سلم كما ان المساجد المشهود لها بالفضل على مراتب اعظمها المسجد الحرام ولاتشد الرحال فى هذا القسم الى قبر احد غير الانبياء .

و اذا كان المقصود الدعاء من غير حق خاص لذلك الميت فلايتعين ايضا نعم لونذره لميت بعينه ممن يجوز الدعاء له وجب الوفاء بالدعاء لتعلق حقه به و لايقوم غيره مقامه كما لونذر الصدقة على فقير بعينه، و فى وجوب الوفاء بالزيارة مع الدعاء كما نذره نظر و الأقرب وجوب الوفاء لان الدعاء عند القبور مقصود كما فى الدعاء لأهل البقيع، و حينئذ يجوز شد الرحل لاداء هذا الواجب بعد لزومه بالنذر و لايستحب شد الرحل لهذا الغرض قبل النذر فان الدعاء لذلك الميت بعينه عند قبره لم يطلبه الشارع و لاتعلق به حق الميت، و اما الزيارة لاداء الحق كزيارة قبر الوالدين فيظهر أن قصد ذلك بعينه مشروع و يجوز بل يستحب شد الرحال اليه تأدية لهذا الحق، و اعظم الحقوق حق النبي صلى الله عليه و سلم على كل مسلم فيستحب شد الرحال اليه لذلك .

هذا لولم يرد فيه دليل خاص فكيف و قد قام الاجماع على فعله خلفا عن سلف. فان قلت ما قولكم فيمن نذر زيارة قبرالنبي صلى الله عليه و سلم هل ينعقد نذره و يلزمه ذلك أم لا ؟ فان مقتضى قولكم باستحبابها ان يلزم بالنذر، قلت نعم نقول بانعقاد نذره و لزوم الزيارة به و به صرح القاضى ابن كج من اصحابنا و لم نر لغيره من الاصحاب خلافه

و قد قدمنا فى الباب الرابع عن العبدى المالكى لزومه، على انه لايلزم ان كل مستحب او قربة يلزم بالنذر فان القربات نوعان، أحدهما قربة لم توضع لتكون عبادة وانما هى أعمال و أخلاق مستحسنة رغب الشارع فيها لعموم فائدتها و قد يبتغى فيها و جه الله تعالى فينال الثواب كعيادة المرضى و زيارة القادمين و افشاء السلام و ما اشبه ذلك، فهذا النوع فى لزومه بالنذر و جهان اصحهما اللزوم لقوله صلى الله عليه و سلم من نذر ان يطيع الله فليطعه. و من هذا النوع تشييع الجنائز و تشميت العاطس.

و النوع الثانى فى العبادات المقصودة و هى التى و ضعت للتقرب بها و عرف من الشرع الاهتمام بتكليف الخلق بايقاعها عبادة كالصلاة و الصوم و الصدقة والحج فهذا النوع يلزم بالنذر بالاجماع الا فيما يستثنى، و منهم من يعبر عن النوع الاول بمالم يوجبه الشرع ابتداء و عن الثانى بما اوجبه، وادرجوا الاعتكاف فى النوع الثانى و ان كان لم يجب ابتداء. و قالوا الاعتكاف لبث فى مكان مخصوص، و من جنسه ما هو و اجب شرعا و هو الوقوف بعرفات. و جعلوا من النوع الاول تجديد الوضوء فانه ليس فى الشرع وضوء واجب بغير حدث و ليس الوضوء مقصودا لنفسه بل للصلوة. و الاصح لزوم تجديده بالنذر .

و المستثنى مما اجمع عليه صور. منها ما اذا أفرد صفة الواجب بالالزام كتطويل القراءة و اقامة الفرائض فى جماعة ففى لزومه بالنذر وجهان أصحهما اللزوم، و منها ما فيه ابطال رخصة شرعية كنذر صوم رمضان فى السفر ففى لزومه و جهان اصحهما المنع، وكذلك نذر المريض القيام بتكلف المشقة فى الصلاة و نذر صوم بشرط ان لايفطر فى المرض فلايلزم بالشرط على الاصح، و اجرى الرافعى الوجهين فيمن نذر القيام

فى النوافل او استيعاب الرأس بالمسح او التثليث فى الوضوء او أن يسجد للتلاوة و الشكر و نحو ذلك ، و جعل نذر فعل السنة الراتبة كالوتر وسنة الفجر على الوجهين فيما اذا افردت الصفة بالنذر و الذى يتجه التسوية بين هذا و بين استيعاب الرأس بالمسح و نحوه .

و اذا نذر التيمم لا ينعقد نذره على المذهب لانه انما يؤتى به عند الضرورة ، و لو نذر الصلاة فى موضع لزمه الصلاة قطعا .

و هل يتعين ذلك الموضع ؟ ان كان المسجد الحرام تعين و ان كان مسجد المدينة تعين على الاصح هو او المسجد الحرام، و ان كان المسجد الاقصى تعين على الاصح هو او المسجدان ، و ان كان ما سواها من المساجد و المواضع لم يتعين ، و لو نذر اتيان المسجد الحرام لزمه الا على وجه ضعيف ، و لو نذر اتيان مسجد المدينة و المسجد الاقصى ففيه قولان للشافعى اظهرهما عند الشافعية عدم اللزوم .

قال الشافعى فى الأم لان البر باتيان بيت الله فرض والبر باتيان هذين نافلة . و استدلوا لهذا القول بما روى ابو داود فى سننه عن جابر ابن عبد الله رضى الله عنهما ان رجلا قام يوم الفتح فقال يا رسول الله انى نذرت لله ان فتح الله عليك مكة أن اصلى فى البيت المقدس ركعتين، قال صل هاهنا ، ثم اعاد ، قال صل هاهنا ، ثم اعاد عليه فقال صل هاهنا ، ثم اعاد عليه فقال شأنك اذن .

و عن عمر بن عبد الرحمن بن عوف عن رجال من اصحاب النبى صلى الله عليه و سلم بهذا الخبر زاد فقال النبى صلى الله عليه و سلم والذى بعث محمدا بالحق لو صليت هاهنا لأجزأ عنك صلاة فى البيت المقدس ، واعلم ان الصلوة فى مكة تجزى عن الصلوة فى البيت المقدس كما قدمناه بلا خلاف

بلاخلاف، و ان قلنا بتعينه فقد يقال ان الحديث محمول على ذلك و انه لادلالة له فيه على المدعى من عدم لزوم الاتيان، و وجه الدلالة ان الصلوة فى مكة تقوم مقام الصلوة فى بيت المقدس لانهما جنس واحد و الصلوة بمكة افضل فالتضعيف الذى الزمه فى بيت المقدس يحصل له فى مكة و زيادة، و اما المشى فامر زائد على الصلوة و هو عبادة اخرى فلولزم لما قامت الصلوة بمكة مقامه فن لزمه الصلوة ببيت المقدس من غير مشى بان كان وقت النذر ببيت المقدس فلاشك ان الصلوة بمكة تجزيه، و من نذر المشى الى بيت المقدس و الصلوة فيه فهما عبادتان فان قلنا بعدم لزوم اتيانه لم يبق عليه الا الصلوة فيجزيه الصلوة بمكة، و ان قلنا يجب اتيانه فيظهر أن الصلوة لا تقوم مقامه، و مثل المسافة لومشى الى مكة مثل المسافة التى بينه و بين بيت المقدس أجزاه، و صيغة الحديث كما رويناه لم يصرح فيه باتيان بيت المقدس، فيحتمل ان يقال انما التزم الصلوة فلذلك قامت الصلوة فى مكة مقامها، و يحتمل ان يقال ان الناذر لما لم يكن فى بيت المقدس فهو بنذره للصلوة ملتزم اتيانه بناء على ان ما لايتم الواجب الابه فهو واجب و حينئذ يكون الاتيان ملتزما كما لوصرح به فلما افتاه النبى صلى الله عليه وسلم بالصلوة فى مكة دل على عدم لزوم الاتيان بالنذر كما استدل به الشافعى و الاصحاب .

و قد اطلنا فى هذا الفصل اكثر مما يحتمله هذا المكان و ظهرلك منه اذن التزامات، منها ما يلزم بالنذر بلاخلاف، و منها ما يلزم على الصحيح، و منها مالايلزم على الصحيح و ظهرلك مأخذ كل قسم منها، و الصحيح عندنا انه لايشترط فى المنذور ان يكون جنسه واجبا و هو مذهب مالك . و الوجه الثانى لاصحابنا اشتراطه و ينقل عن ابى حنيفة .

اذا عرفت هذا فزيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم قربة لحث الشرع عليها و ترغيبه فيها و قد قدمنا ان فيها جهتين جهة عموم و جهة خصوص . فاما من جهة الخصوص وكون الادلة الخاصة وردت فيها بعينها فيظهر القطع بلزومها بالنذر الحاقا لها بالعبادات المقصودة التى لا يؤتى بها الا على وجه العبادة كالصلوة و الصدقة و الصوم و الاعتكاف و لهذا المعنى و الله اعلم قال القاضي ابن كج رحمه الله اذا نذر ان يزور قبر النبي صلى الله عليه و سلم فعندى انه يلزمه الوفاء وجها واحدا .

و لو نذر ان يزور قبر غيره ففيه وجهان . قلت و ما قاله من القطع بلزوم الوفاء بها هو الحق لما قدمناه من الادلة الخاصة عليها و تردده فى قبر غيره يحتمل ان يكون محله عند الاطلاق اوسواء لوعين أم لا تشبيها لذلك بزيارة القادمين و افشاء السلام و نحو ذلك مما لم يوضع قربة مقصودة و ان كان قربة . و على هذا يكون الاصح لزومه بالنذر كما فى تلك المسائل . و يحتمل ان يكون محله عند التعيين فان زيارة قبر معين من غير الانبياء لاقربة فيها بخصوصها كما سبق عند الكلام فى اغراض الزيارة ، و اما اذا نظرنا الى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم من جهة العموم خاصة و اجتماع المعانى التى تقصد بالزيارة فيه فيظهر ان يقال ايضا انه يلزم بالنذر قولا واحدا .

و يحتمل على بعد أن يقال انه كما لونذر زيارة القادمين و افشاء السلام فيجرى فى لزومها بالنذر ذلك الخلاف مع كونها قربة فى نفسها قبل النذر و بعده ، و قد بان لك بهذا انها تلزم بالنذر و انه على تقدير ان يقال لاتلزم بالنذر لايخرجها ذلك عن كونها قربة ، و من يشترط فى المنذور انه يكون مما وجب جنسه بالشرع و يقول ان الاعتكاف

كذلك لوجوب الوقوف فقد يقول ان زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وجب جنسها وهي الهجرة اليه في حياته فقد ظهر بهذا ان كل مايلزم بالنذر قربة وليس كل قربة تلزم وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من القرب التي تلزم بالنذر .

ولو ثبت عن أحد من العلماء انه يقول لاتلزم بالنذر لم يكن في ذلك ما يقتضي انه يقول انها ليست بقربة. وقد وقفت على كلام بعض المتعصبين للباطل قال فيه ان القاضي اسماعيل قال في المبسوط انه روى عن مالك انه سئل عن نذر أن يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان كان اراد مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فليأته وليصل فيه. وان كان انما اراد القبر فلا يفعل للحديث الذي جاء لايعمل المطي الا الى ثلاثة مساجد .

وهذه الرواية ان صحت عن مالك يجب تأويلها على وجه لايمنع كون الزيارة قربة جمعا بينها وبين ما ثبت عنه وعن جميع العلماء وجميع المسلمين وهذه الرواية تحتمل وجوها .

أحدها ان تكون من القرب التي لا تلزم بالنذر كما ان اتيان مسجد قباء لمن كان في المدينة او قريبا منها قربة عند جميع العلماء ولايلزم بالنذر عند جمهور العلماء الاما روى عن محمد بن مسلمة المالكي انه قال بلزومه بالنذر .

الثاني الجواب المذكور ولكن بالنسبة الى بعيد خاصة كما دل عليه بقية الكلام من الاستدلال بالحديث الذي جاء . لايعمل المطي الا الى ثلاثة مساجد . فيكون المراد انه اذا نذر السفر اليه لايلزمه ولا يمنع ذلك كون السفر اليه قربة بغير النذر كمسجد قباء. في حق القريب

عند غير محمد بن مسلمة و لا يمنع ايضا من لزوم الزيارة فى حق القريب كما قاله محمد بن مسلمة فى مسجد قباء و هذا الوجه هو اقرب التأويلات على قواعد مالك رحمه الله تعالى .

قال فى (التهذيب لمسائل المدونة) من قال على ان آتى المدينة او بيت المقدس او المشى الى المدينـــة او بيت المقدس فلا يأتيهما حتى ينوى الصلاة فى مسجديهما او يسميهما فيقول الى مسجد الرسول و مسجد ايلياء و ان لم ينو الصلاة فيهما فليأتهما راكبا و لا هدى عليـــه وكأنه لما سماهما قال لله على ان اصلى فيهما و لو نذر الصلاة فى غيرهما من مساجد الامصار صلى بموضعه و لم يأته، و من نذر أن يرابط او يصوم بموضع يتقرب باتيانه الى الله تعالى كعسقلان و الاسكندرية لزمه ذلك فيه، و ان كان من اهل مكة و المدينة و لا يلزم المشى الا من قال على المشي الى مكة او بيت الله او المسجد الحرام او الكعبة او الحجر او الركن. انتهى كلام التهذيب، و هو يدل على انه انما يلزم اتيان المدينة اذا سمى مسجدها او نوى الصلاة فيه فماعدا هذا لا يلزم بالنذر و ان كان قربة.

الثالث انا قدمنا ان زيارة قبر النبي صـــلى الله عليه وسلم مطلوبة بالخصوص للاحاديث التى صدرنا بها هذا الكتاب ولعمل السلف و الخلف و مطلوبة بالعموم لاندراجها تحت الاحاديث الصحيحة المشهورة فى زيارة القبور و اللزوم بالنذر ظاهر من الجهة الاولى، و اما من الجهة الثانية فقد قدمنا ان مقاصد الزيارة متعددة و زيارة القبور من حيث الجملة كزيارة القادمين و قد قدمنا فى لزوم زيارة القادمين بالنذر خلافا مع القطع بكونها قربة و زيارة القبور من حيث الجملة مثله و زيارة قبر معين ان قصد بها الدعاء له او اداء حقه ظاهر اللزوم لحق الميت و ان قصد التبرك ظاهر اللزوم

اللزوم ايضا فى قبر النبي صلى الله عليه و سلم و تعينه دون غيره و ان قصد الاتعاظ لم يتعين وكان لزوم اصل الزيارة على الخلاف و ان لم يقصد شيئا فأبعد عن اللزوم . و السائل لمالك رحمه الله انما ذكر مجرد الاتيان فلعل مالكا لم يلزمه لذلك و لعل مالكا رحمه الله لم تبلغه الاحاديث الخاصة الواردة فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم على الخصوص و انما يدرجه تحت الاحاديث الواردة فى زيارة القبور و ان كان هو اشرفها و احقها بالزيارة و لايلزمه بالنذر لذلك فى حقه و لافى حق غيره .

الرابع ان اتيان القبر قد يقصد زيارة من فيه و هو الذى نقول بانه قربة و هو الذى يقصده الناس غالبا، وقد يقصد زيارة المكان فى نفسه لشرفه و هذا لانقول بانه قربة الافيما شهد الشرع به فلعل مالكا رحمه الله اجاب على ذلك . و يدل على ان هذا مراده استدلاله بالحديث الذى جاء «لاتعمل المطى الا الى ثلاثة مساجد» . و سنبين بيانا واضحا ان الحديث انما هو فى السفر للامكنة لاللمقاصد التى فيها و مالك اجل و اعلم و اوسع باعا و اعلى كعبا من ان يخفى عنه ذلك فاستدلاله به يدل على انه اراد المكان فيكون مراده ان زيارة القبر من حيث هو تلك البقعة ليس بقربة و هو يوافق ما حمل القاضى عياض عليه قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه و سلم و حينئذ فاما ان نوافق مالكا رحمه الله على ذلك عملا بقوله صلى الله عليه و سلم «لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد» .

و نحمل قوله من زار قبرى على ان المراد من زارنى فى قبرى كما هو الظاهر المتبادر الى الفهم . و اما ان يقال ان زيارة قبره ايضا

قربة بقوله من زار قبری و هذا اخص من قوله لاتشد الرحال فيخصص به الاان كلامنهما اعم واخص من وجه فلايقضى بتخصيص احدهما للآخر ، والاولى ان المراد بقوله من زار قبری من زارنی فی قبری ويكون قصد البقعة نفسها ليس بقربة كما اقتضاه كلام مالك رحمه الله فقد بان بهذا معنى كلام مالك رحمه الله وانه ليس فيه ما يقتضى ان الزيارة ليست بقربة ولا ان السفر اليها ليس بقربة بل هى قربة عند جميع العلماء ولهذا لو نذر الاتيان الى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقلنا بانه يلزمه وانه يشترط ضم قربة الى الاتيان قال الشيخ ابوعلى السنجى من اصحابنا انه يكتفى بالزيارة ، وقال الرافعى انه الظاهر وتوقف فيه الامام من جهة ان الزيارة لا تتعلق بالمسجد وتعظيمه وليس توقفه لكون الزيارة ليست قربة هذا لم يقله احد . وقد قدمنا فى الباب الرابع من كلام العبدى المالكى التصريح بان المشى الى المدينة للزيارة افضل من الكعبة ومن بيت المقدس .

الباب السادس

فى كون السفر اليها قربة

وذلك من وجوه ، أحدها الكتاب العزيز فى قوله تعالى (ولوانهم اذظلموا انفسهم جاؤك) الآية وقد تقدم تقريرها فى الباب الخامس والمجیء صادق على المجیء من قرب ومن بعد بسفر وبغير سفر ولا يقال ان جاؤك مطلق والمطلق لادلالة له على كل فرد وان كان صالحا لها ، لانا نقول هو فى سياق الشرط فيعم فمن حصل منه الوصف المذكور وجدالله توابا رحيما .

الثانى السنة من عموم قوله من زار قبرى فانه يشمل القريب والبعيد

و البعيد و الزائر عن سفر و عن غير سفر كلهم يدخلون تحت هذا العموم لاسيما قوله فى الحديث الذى صححه ابن السكن ، من جاء نى زائرا لاتعمله حاجة الازيارتى ، فان هذا ظاهر فى السفربل فى تمحيض القصد اليه و تجريده عما سواه و قد تقدم ان حالة الموت مرادة منه اما بالعموم و اما انها هى المقصود .

و الثالث من السنة ايضا لنصها على الزيارة و لفظ الزيارة يستدعى الانتقال من مكان الزائر الى مكان المزور كلفظ المجىء الذى نصت عليه الآية الكريمة فالزيارة اما نفس الانتقال من مكان الى مكان بقصدها و اما الحضور عندالمزور من مكان آخر و على كل حال لابد فى تحقيق معناها من الانتقال و لهذا ان من كان عندالشخص دائما لايحصل الزيارة منه و لهذا تقول زرت فلانا من المكان الفلانى و تقول زرنا النبي صلى الله عليه و سلم من مصر اومن الشام فتجعل ابتداء زيارتك من ذلك المكان فالسفر داخل تحت اسم الزيارة من هذا الوجه فاذا كانت كل زيارة قربة كان كل سفراليها قربة ، و ايضا فقدثبت خروج النبي صلى الله عليه و سلم من المدينة لزيارة القبور و اذا جاز الخروج الى القريب جاز الى البعيد فماورد فى ذلك خروجه الى البقيع كما هو ثابت فى الصحيح و قد ذكرته فى الباب السابع من هذا الكتاب .

و خروجه صلى الله عليه و سلم لقبور الشهداء . روى ابوداود فى سننه عن طلحة بن عبيدالله قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم نريد قبور الشهداء حتى اذا اشرفنا على حرة واقم فلما تدلينا منها فاذا قبور بمحنية قال قلنا يا رسول الله أ قبور اخواننا هذه ؟ قال قبور اصحابنا فلما جئنا قبور الشهداء قال هذه قبور اخواننا . و اذا ثبت

مشروعية الانتقال الى قبر غيره فقبره صلى الله عليه و سلم اولى .

الرابع الاجماع لاطباق السلف و الخلف فان الناس لم يزالوا فى كل عام اذا قضوا الحج يتوجهون الى زيارته صلى الله عليه و سلم و منهم من يفعل ذلك قبل الحج هكذا شاهدناه و شاهده من قبلنا و حكاه العلماء عن الاعصار القديمة كما ذكرناه فى الباب الثالث و ذلك امر لا يرتاب فيه و كلهم يقصدون ذلك و يعرجون اليه و ان لم يكن طريقهم و يقطعون فيه مسافة بعيدة و ينفقون فيه الاموال و يبذلون فيه المهج معتقدين ان ذلك قربة و طاعة . و اطباق هذا الجمع العظيم من مشارق الارض و مغاربها على مر السنين و فيهم العلماء و الصلحاء و غيرهم يستحيل ان يكون خطأ و كلهم يفعلون ذلك على وجه التقرب به الى الله عزوجل و من تأخر عنه من المسلمين فانما يتأخر بعجز او تعويق المقادير مع تأسفه عليه و وده لو تيسر له ، و من ادعى ان هذا الجمع العظيم مجمعون على خطأ فهو المخطئ .

فان قلت ان هــذا ليس مما يسلمه الخصم لجواز أن يكون سفرهم ضم فيه قصد عبادة اخرى الى الزيارة بل هو الظاهر كما ذكر كثير من المصنفين فى المناسك انه ينبغى ان ينوى مع زيارته التقرب بالتوجه الى مسجده صلى الله عليه و سلم و الصلوة فيه و الخصم ما انكر اصل الزيارة انما اراد أن يبين كيفية الزيارة المستحبة و هى ان تضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره .

قلت اما المنازعة فيما يقصده الناس فمن انصف من نفسه وعرف ما الناس عليه علم انهم انما يقصدون بسفرهم الزيارة من حين يعرجون الى طريق المدينة و لا يخطر غير الزيارة من القربات الا ببال قليل منهم

منهم ثم مع ذلك هو مغمور بالنسبة الى الزيارة فى حق هذا القليل وغرضهم الاعظم هو الزيارة حتى لو لم يكن ربما لم يسافروا ولهذا قل القاصدون الى بيت المقدس مع تيسر اتيانه وان كان فى الصلوة فيه من الفضل ما قد عرف فالمقصود الاعظم فى المدينة الزيارة كما ان المقصود الاعظم فى مكة الحج او العمرة وهو المقصود اومعظم المقصود من التوجه اليها وانكار هذا مكابرة، ودعوى كون هذا الظاهر اشد وصاحب هذا السؤال ان شك فى نفسه فليسأل من كل من توجه الى المدينة ما قصد بذلك .

واما ما ذكره المصنفون فى المناسك فانهم لم يريدوا به انه شرط فى كون السفر للزيارة قربة ما قال هذا احد منهم ولاتوهمه ولا اقتضاه كلامه وانما ارادوا انه ينبغى ان يقصد قربة اخرى ليكون سفرا الى قربتين فيكثر الاجر بزيادة القرب حتى لوزاد من قصد القربات زادت الاجور كأن يقصد مع ذلك زيارة شهداء احد وغير ذلك من القرب التى هناك . وارادوا بالتنبيه على ذلك انه قد يتوهم ان قصد قربة اخرى قادح فى الا[illegible] على هذا المعنى ولهذا [illegible] بن الصلاح ولا يلزم من هذا خلل فى زيارته على ما لايخفى فمن تخيل ان مرادهم ان شرط كون سفر الزيارة قربة ضم قصد قربة اخرى اليه فقد أخطأ خطأ لايخفى على احد من له فهم . وقولك ان الخصم انما اراد أن يبين كيفية الزيارة المستحبة وهو ان يضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره ، ان غيره لم يقل ذلك ولأدل عليه كلامه ولااراده .

الخامس ان وسيلة القربة قربة فان قواعد الشرع كلها تشهد

بان الوسائل معتبرة بالمقاصد قال صلى الله عليه و سلم «ألا أدلكم على ما يمحوالله به الخطايا و ترفع به الدرجات قالوا بلى يارسول الله قال اسباغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطى الى المساجد و انتظار الصلاة بعد الصلاة فذلكم الرباط فذلكم الرباط» رواه مسلم، و الخطى الى المساجد انما شرفت لكونها وسيلة الى عبادة.

و قال صلى الله عليه و سلم اذا توضأ فأحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا تخرجه الا الصلاة لم يخط خطوة الارفعت له بها درجة و حط عنه بها خطيئة. رواه البخاری و مسلم.

و قال صلى الله عليه و سلم اعظم الناس أجرا فى الصلوة ابعدهم فابعدهم ممشى، رواه البخارى و مسلم. و قال رجل ما يسرنى ان منزلى الى جنب المسجد أنى اريد ان يكتب لى ممشاى الى المسجد و رجوعى اذا رجعت الى اهلى. فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم قد جمع الله لك ذلك كله. رواه مسلم. و قال جابر كانت ديارنا نائية من المسجد فاردنا ان نبيع بيوتنا فنقرب من المسجد فنهانا رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال ان لكم بكل خطوة درجة. رواه مسلم.

و قال صلى الله عليه و سلم من تطهر فى بيته ثم مشى الى بيت من بيوت الله ليقضى فريضة من فرائض الله كانت خطوتاه احداهما تحط خطيئة و الاخرى ترفع درجة. رواه مسلم، و قال صلى الله عليه و سلم من غدا الى المسجد او راح أعد الله له نزلا كلما غدا او راح، رواه البخارى و مسلم.

و قال صلى الله عليه و سلم من خرج من بيته متطهرا الى صلوة مكتوبة فأجره كأجر الحاج المحرم، و من خرج الى تسبيح الضحى لا ينصبه

(١٣) الا

الا اياه فأجره كأجر المعتمر رواه ابو داود. و قال صلى الله عليه و سلم «بشر المشائين فى الظلم الى المساجد بالنور التام يوم القيامة» رواه ابو داود و الترمذی و ابن ماجه. و فى رواية: اولئك الخواضون فى رحمة الله. و قال صلى الله عليه و سلم «من غسل و اغتسل و غدا و ابتكر و دنا من الامام ولم يلغ كان له بكل خطوة عمل سنة صيامها و قيامها» رواه ابو داود. و فى رواية و مشى ولم يركب. و قال صلى الله عليه و سلم من أتى اخاه المريض عائدا مشى فى غرفة الجنة حتى يجلس فاذا جلس غمرته الرحمة. و قال صلى الله عليه و سلم من عاد مريضا او زار اخاله فى الله ناداه مناد من السماء ان طبت و طاب ممشاك و تبوأت من الجنة منزلا. رواه الترمذی و ابن ماجه و قال الترمذی حسن غريب.

فهذه الاحاديث كلها تدل على ان وسائل القربة قربة وكيف يتأتى نزاع فى ذلك و الشريعة كلها طافحة به و القرآن ناطق به قال تعالى (و من يخرج من بيته مهاجرا الى الله و رسوله ثم يدركه الموت فقد وقع أجره على الله) و هذه الآية يحسن ان تكون دليلا على المقصود فان المسافر لزيارة رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج من بيته مهاجرا الى الله و رسوله: و قال تعالى (ذلك بأنهم لايصيبهم ظمأ و لا نصب و لا مخمصة فى سبيل الله و لايطأون موطأ يغيظ الكفار ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع أجر المحسنين و لاينفقون نفقة صغيرة و لا يقطعون واديا الا كتب لهم ليجزيهم الله احسن ما كانوا يعملون).

فهذه الامور كلها انما كتبت لهم وكتب لهم بها اجرلانها وسيلة الى الجهاد فى سبيل الله بل الجهاد نفسه انما شرف لكونه سببا لاعلاء.

كلمة الله وكذلك جميع ما طلبه الشرع مما هو معقول المعنى فهو وسيلة لذلك المعنى المعقول منه وبسببه طلب، وقد نقل الاصوليون الاجماع على ان من مشى من مكان بعيد حتى حج كان افضل ممن حج من مكة، وفى الحديث عن الله تعالى: بعيني ما يتحمل المتحملون من اجلي. ولاشك ان المتوسل الى قربة بمباح فيه مشقة كالسفر وغيره متحمل لتلك المشقة من اجل الله تعالى فهو بعين الله تعالى والله ناظر اليه وجازيه على سعيه: بل المباح الذى لامشقة فيه وفيه راحة للنفس اذا قصد به التوسل الى قربة حصل له به اجر كمن نام ليتقوى على قيام الليل اواكل ليتقوى على الطاعة ولهذا ورد فى الاثر إنى أحتسب نومتي كما احتسب قومتي.

وتكلم العلماء فى ان الثواب فى هذا القسم على القصد خاصة اوعلى الفعل والاقرب الثاني ويشهد له قوله صلى الله عليه وسلم فى الحديث الصحيح. انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله حتى اللقمة ترفعها الى فى امرأتك الا ازددت رفعة ودرجة، فهذا يشهد لانه يؤجر على المباح اذا اقترن بالنية، وكذلك الحديث الصحيح انه يضع شهوته فى الحلال وله فيها أجر، وحاصلها ان العبادات اربعة اقسام.

احدها ما وضعه الشرع عبادة اما تعبدا واما لمعنى يحصل بها كالصلوة والصوم والصدقة والحج فهذا متى صح كان قربة ولا يمكن وجوده شرعا على غير وجه القربة.

وثانيها ما طلبه الشرع من مكارم الاخلاق كافشاء السلام ونحوه لما فيه من المصالح وهذا مقصود الشارع فاذا وجد منه الامتثال كان قربة وان وجد بدونها كان من جملة المباحات.

وثالثها ما لا يستقل بتحصيل مصلحة ولايفعل الا على وجه التوصل

به

به الى غيره كالمشى و نحوه فهذا لايقع غالبا الاعلى و جه الوسيلة فيكون بحسب ما يقصد به ، ان قصد به حرام كان حراما أو مباح كان مباحا او قربة كان قربة و ان وقع من المكلف لابقصد أصلا كان عبثا فيكون مكروها و لانزاع فى هذا القسم انه اذا قصد به القربة كان قربة و هو القسم الذى نحن بصدده و تصدينا لتقرير كونه قربة .

و رابعها ما وضع مباحا مقصودا لتحصيل المصالح الدنيوية كالاكل و الشرب و النوم لمصلحة الابدان فهذا ان حصل بغير نية او بنية دنيوية كان مستوى الطرفين و ان حصل بنية دينية حصل الأجر، اما على النية وحدها كما ذكره بعض العلماء ، و اما على النية مع الفعل و هو الحق لما سبق، و هذا القسم الرابع اخفض رتبة من الوسيلة كما ان الوسيلة اخفض رتبة من القسمين الاولين فقد تقرر بهذا ان وسيلة القربة قربة و السفر لقصد الزيارة و سيلة اليها فتكون قربة .

فان قلت قد يقول الخصم الزيارة قربة فى حق القريب خاصة اما البعيد الذى يحتاج الى سفر فلا و حينئذ لايكون السفر اليها وسيلة الى قربة فى حقه و انما تكون الوسيلة قربة اذا كانت يتوصل بها الى قربة مطلوبة من ذلك الشخص المتوسل ، قلت الزيارة قربة مطلقا فى حق القريب و البعيد فان الادلة الدالة عليها غير مفصلة ، و من ادعى تخصيص العام بغير دليل قطعنا بخطائه .

فان قلت . فالصلوة مطلقا قربة و السفر اليها ليس بقربة الا الى المساجد الثلاثة ، قلت قد يكون الشئ قربة و انضمامه الى غيره ليس بقربة فالصلوة فى نفسها قربة وكونها فى مسجد بعينه غير الثلاثة ليس بقربة فالسفر اليه وسيلة الى ما ليس بقربة .

فان قلت لوكانت وسيلة القربة قربة مطلقا لكان النذر قربة لانه وسيلة الى ايقاع العبادة واجبة والواجب افضل من النفل والنذر مكروه لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النذر وقال انه لا يأتي بخير وانما يستخرج به من البخيل ، قلت جعل النفل فرضا ليس بقربة بل هو مكروه لما فيه من الخطر والتعرض الاثم بتقدير الترك ، ووقوع العبادة ممكن بغير النذر فلم يحصل بالنذر الا التعرض للخطر والحرج على انا نقول ان وسيلة القربة قربة من حيث هي موصلة لذلك المطلوب وقد يقترن بها امر عارض يخرجها عن ذلك كمن مشى الى الصلوة فى طريق مغصوب ، والمدعى ان الفعل اذا كان مباحا ولم يقترن به الاقصد القربة به كان قربة وهذا لا يستثنى منه شئ .

فان قلت كيف تجزمون بهذا وقد اشتهر خلاف الاصوليين فى ان الأمر بالشئ امر بما لا يتم الابه او لا ومقتضى ذلك ان يجرى خلاف فى ان وسيلة المندوب هل هى مندوبة اولا ؟ قلت ، سنبين فى آخر الكلام ان كون الفعل قربة اعم من كونه مأمورا به ونبدأ اولا بالكلام على كون هذا السفر مأمورا به امر ندب فنقول : ما لا يتم المأمور به الابه ينقسم الى شرط فى وجوده والى ما هو شرط للعلم بوجوده كغسل جزء من الرأس للعلم بغسل الوجه ، والخلاف فى القسم الثانى قوى وليس مما نحن فيه .

واما القسم الاول وهو ما كان شرطا اوسببا لوجود المأموربه كالذى نحن فيه ونعبر عنه بالمقدمة فالجمهور على انه مأموربه واجب لوجوب المقصد وخالف فى ذلك فريقان من الاصوليين فرقة خالفوا فى الشرط ولم يخالفوا فى السبب : وفرقة خالفوا فى الشرط والسبب جميعا

جميعا، وربما نقل الخلاف فى ذلك عن الواقفية وانهم لم يجزموا فى ذلك بشيء بل توقفوا على عادتهم وربما نقل الجزم بعدم الوجوب. وكلا القولين ان اخذ بالنسبة الى دلالة اللفظ وان دلالة لفظ الامر بالمقصود قاصرة عن دلالته عن الامر بالمقدمة فيسهل الامر فيه ولا يمنع عدم دلالة غيره ولا ينفى ذلك كون مقدمة المأمور به مأمورا بها لدليل عقلى. وان اخذ بالنسبة الى انه اذا ترك يعاقب على ترك المقصد خاصة ولا يعاقب على ترك المقدمة فقريب ايضا ولكنه انما يبقى الوجوب لاالندب وكلامنا فى الندب، وان اخذ بالنسبة الى ان الشيء الذى ورد الامر به مطلقا لايجب الاعند وجود شرطه كما صرح به بعض متأخرى الاصوليين، فهذا قول باطل لم يتحقق القول به عن أحد من الائمة المعتمد على كلامهم، وقواعد الشريعة تقطع ببطلانه ولاشك ان الائمة المعتبرين الذين هم ائمة الفتيا على خلافه ومستند من فرق بين السبب والشرط ان ايجاب المسبب لوكان مقيدا بحال وجود السبب لكان ايجابا لتحصيل الحاصل لان المسبب حاصل مع السبب بخلاف الشرط وقد اطلنا فى ذلك والمقصود ان الزيارة اذا كانت مندوبة فى حق البعيد والسفر شرط لها كان مندوبا وهذا لم يحصل فيه نزاع بين العلماء.

فان قلت هل تقولون ان كل سفر للزيارة مندوب او مطلق السفر لها، قلت قد تقرر فى اصول الفقه ان الامر بالماهية الكلية ليس امرا بشيء من جزئياتها ولكنه مأمور بجزئى من الجزئيات لابعينه لانه لايتحقق الاتيان بالكلى بدونه وهو مخير فى تعيين ذلك الجزئى فاذا أتى بجزئى معين خرج عن عهدة الامر وتقول انه أتى بالمأمور به وهو الكلى والجزئى لا بعينه. واما هذا الجزئى المعين فلا يقول انه

مأموربه لانه مخير فيه و لكنه قربة و طاعة لانه فعل لامتثال الامر فكل سفر يقع بقصد الزيارة و لم يقترن به قصد محرم او مكروه فهو قربة لكونه موصلا الى قربة و به يحصل اداء السفر المأموربه لانه حاصل فى ضمن ذلك المشخص و لاتقول ان ذلك المشخص هوالمأموربه لان الامر انما يتعلق بكلي و هذا جزئى لكنه قربة لكونه قصدبه القربة و وسيلة اليها فالقربة تصدق على الكلي و الجزئى و الطلب لايتعلق الابكلي و السفر المعين و سيلة الى الزيارة و ليس شرطا فيها و مطلق السفر للزيارة و سيلة و شرط و مطلق السفر شرط و قد لا يقصدبه التوسل فلا يسمى و سيلة .

فان قلت : هل المقدمة هى الوسيلة او غيرها ؟ قلت المقدمة ما يتوقف عليها الشيء و قد علمت خلاف الاصوليين فى انها هل تجب بوجوب ذلك الشيء اولا و ذلك خارج عن كونها قربة اوليست بقربة فان الذى يتوقف عليه الفعل قد يفعل بقصد القربة فيكون قربة و قد يفعل لا بقصد القربة فلا يكون قربة فمن مشى الى مكة لمقصد غير صالح ثم حج لم يكن سفره قربة و لكن سقط عنه الامر بالمقدمة لزوال السبب المقتضى لوجوبها .

و اما الوسيلة فقال الجوهرى الوسيلة ما يتقرب به الى الغير و الجمع الوسل و الوسائل و التوسيل والتوسل و احد يقال و سل فلان الى ربه و سيلة و توسل اليه بو سيلة اذا تقرب اليه بعمل . انتهى كلام الجوهرى . فاسم الوسيلة اذا اطلق على المقدمة فهو من حيث كونها يتقرب بها لامن حيث كونها متوقفا عليها بل قد يكون المقصد متوقفا على الوسيلة بعينها فيجرى فى و جوبها الخلاف السابق ، و قد لايتوقف المقصد عليها بعينها

بينها بل على ما هو أعم منها و يختارها العبد للتوسل بها، و قد لا يتوقف المقصد عليها اصلا فى نفس الامر و لكن يقصد العبد أو يتوهم توقفه اوخطر بباله انها موصلة اليه و لم يخطر بباله امر آخرفى كل هذه الاحوال يسمى و سيلة و قربة لايجرى فيها الخلاف الاصولى، فالوسيلة لا تطلق على المقدمة حتى يقصد بها التقرب الى المقصود و لاتسمى و سيلة بدون هذا القصد الا على سبيل المجاز بمعنى انها صالحة للتوسل و مراد الاصوليين بالمقدمة ما يتوقف عليها الشيء سواءأ قصد بها التوصل اليه أم لا. فبينها عموم و خصوص من وجه .

و لوسلمنا ان الوسيلة مرادفة للقدمة فلاشك انها لا تكون قربة حتى يقصد بها التقرب الى قربة فرادنا بقولنا و سيلة القربة قربة هذا المعنى، و من هنا يظهر أن كون الشيء قربة غير كونه و اجبا و مندوبا فان الحكم بالايجاب اوالندب انما هو على الماهية الكلية وكل ما و جد فى الخارج مشخص لايتعلق الطلب به بخوصه فلايحكم عليه بخصوصه بانه و اجب لكنه مؤد للواجب فى ضمنه و الحكم بكون الشيء قربة تارة يكون باعتبار حقيقته و هو ما و ضع لان يتقرب به فيكون كذلك، و تارة يكون باعتبار ما قصد به التقرب فيطلق على الفعل بعد تشخصه .

اذا عرف ذلك فهاهنا اعتبارات ، أحدها مطلق السفر ، و الثانى السفر الى المدينة ، و الثالث السفر الى المدينة بقصد القربة . و كل و احد من القسمين الاولين ليس مطلوبا و لاقربة من حيث هو هووانما قد يطلب طلب الوسائل لغيره ، و القسم الثالث مطلوب و قربة و يتفاوت مراتبه بحسب تفاوت القربة المقصودة به فانها قد تكون الزيارة و قد تكون قربة اخرى كالصلاة فى المسجد و نحوها . و قد تكون

مجموع ذلك او القدر المشترك بينها و هو مطلق القربة . وكل من هذه الاربعة قربة لما قررناه ، و لان السفر الى المدينة لم يكن قربة لمطلق كونه سفرا او سفرا الى المدينة و انما كان لعلة و هي قصد القربة و حيث وجدت العلة وجد المعلول ، و لا فرق فى الحكم بالقربة على كل واحد من الاربعة بين ان يوجد كليا اوجزئيا مشخصا لما قدمناه .

و اما الحكم بكونه مطلوبا او مندوبا اليه بخصوصه فلا يتعلق بمشخص منها كان و لابواحد من الاربعة بعينه و انما يتعلق بواحد منها لابعينه و مهما وجد منها كان قربة يتأدى المأمور به فى ضمنه و هذا التقسيم و حكم كل واحد منها لايتأتى فيه نزاع بين العقلاء سواء قلنا مقدمة المأمور به مأمور بها ام لا و هكذا حكم كل كلى طلبه الشرع و لم ينص على انواعه ، و اما خصال الكفارة فقيل ان الواجب فيها القدر المشترك بين الخصال فيأتى فى انواع الخصال ما قلناه فى الجزئيات ، و المشهور ان كل خصلة واجبة بعينها على تقدير ان لايأتى بغيرها فمتى فعلها وقعت واجبة بخصوصها لنص الشرع عليها اعنى خصوص العتق مثلا بالنسبة الى الاطعام و الكسوة ، و اما اعتاق الرقبة المعينة فهو كاشخاص الكلى بلا اشكال فيأتى فيه ماسبق من البحث .

فان قلت : السفر ينقسم الى ما يقصدبه المسافرضم عبادة اخرى الى الزيارة كصلوة و اعتكاف فى مسجده صلى الله عليه و سلم و لا اشكال فى كونه قربة و الى ما يقصد قصره على قصد الزيارة لاغير ، و النزاع انما هو فى هذا و الى ما يعرى عن القصدين و استدلالكم بكون وسيلة القربة قربة فيه نظر لان توقف الشئ على الاعم لايستلزم توقفه على الاخص و زيارة من كان على مسافة بعيدة انما يتوقف على سفر من

الاسفار الثلاثة المذكورة لا على القسم الثانى ليتم ما ذكرتم ، قلت هذا خلف من الكلام لانك ان لم تقل بان وسيلة القربة قربة فلا حاجة بك الى هذا الاستدلال و التقسيم ، و قل ان وسيلة القربة ليست بقربة و حينئذ يرد عليك ما لا قبل لك به مما قدمناه من الاستدلال على كون وسيلة القربة قربة و ذلك امر معلوم من الشرع . ثم يلزمك ان السفر للزيارة و قربة اخرى لا تكون قربة على زعمك لانه انما يكون قربة لكونه وسيلة الى قربة و ان كنت تقول بان وسيلة القربة قربة فا وجه النظر بعد تقرير كون الزيارة قربة ، و احتجاجك بان توقف الشيء على الاعم لا يستلزم توقفه على الاخص عجيب جدا لانك ان فسرت الوسيلة بما يفعل لقصد التقرب الى المقصود كما فسرناه كان كل واحد من السفر الذى قصد به الزيارة مع قربة اخرى و السفر الذى قصد به الزياره فقط قربة لانه قصد به التوسل الى قربة فوجب ان يكون قربة سواء كانت الزيارة متوقفة على عينه ام لا فالفرق بين القسمين باطل قطعا .

و ان فسرت الوسيلة بما يتوقف عليه المقصود كما يشعر به ظاهر كلامك فان اخذته بشرط قصد القربة معه وجعلت علة القربة ذلك القصد عاد الكلام وكان كل من القسمين قربة لان الموجب لجعله قربة قصد القربة و هو موجود فى القسمين ، و ان جعلت العلة التوقف و قلت انه يتوقف على الاعم لا على الاخص لزمك ان تقول القربة ما هوا عم من السفرين وخصوص كل منهما ليس بقربة ففرقك بين القسمين لا وجه له ، و ان اخذته مجردا فهو باطل لانه يدخل فيه مطلق السفر و لم يقل احد بانه قربة فان السفر من حيث هو هو مباح و انما

تعرض له القربة بعلة قصد القربة. فحيث حصلت تلك العلة حصل معلولها وحيث لا فلا ففرقك بين قربة و قربة لاوجه له .

فقد بان بهذا انه بعد العلم بكون الزيارة قربة و بكون وسيلة القربة قربة يقطع بان السفر للزيارة قربة سواء ضم معه قصد قربة اخرى ام لا. و الشك فى ذلك انما يكون للشك فى احدى المقدمتين و تقرير السؤال محتمل على كل تقدير، و ليس لك ان تقول ان السفر للزيارة المجردة داخل تحت النهى بقوله لاتشد الرحال و السفر لها و للمسجد سفر للمسجد فكان مباحا للحديث لانا سنبين معنى الحديث و انه لايشمل الزيارة. و بتقدير ان يكون السفر للزيارة منهيا عنه فالسفر لها و للمسجد ينبغى ان يكون منهيا عنه على هذا البحث لتركبه من منهى عنه و غيره و ايضا فان هذا يدل على انك لا تقول بان وسيلة القربة قربة فكان يكفيك من الاول ان تقول ان وسيلة القربة ليست قربة و انما كان السفر فى القسم الاول قربة لدليل آخر . فانتقالك الى هذا التطويل لافائدة فيه فعلى كل تقدير هذا الكلام ساقط .

و اما السفر العارى عن القصدين المذكورين فيدخل فيه السفر لقربة غير الزيارة فقط و السفر المباح و السفر لغيرهما و لا حاجة بنا الى الكلام فى ذلك. و اما قولك فى القسم الثانى من اقسام السفر ما يقصد به قصره على قصد الزيارة لاغير فهذه العبارة تحتمل أمرين .

أحدهما ان يقصد الزيارة ويقصد أن لايفعل معها قربة اخرى من تحية المسجد و لاغيرها و هذا الامر لايقصده عاقل غالبا و ليس هو المسؤل عنه فان الناس انما يسألون عن الواقع منهم و بهم حاجة الى معرفة حكمه فذكر هذا القسم هوس و ارادته فى فتيا العامة بعبارة

يفهمون

يفهمون منها العموم تضليل، ثم انا نقول و لوفرض ذلك كان سفره قربة لانه قصدبه قربة و لكن قصده ترك غيرها من القربات ليس بقربة .

الامر الثانى ان يقصد الزيارة و لايخطر بباله أمر آخر بنفى و لااثبات و لاوجه للتوقف فى كون ذلك قربة بعد العلم بكون الزيارة قربة ووسيلة القربة قربة و الظاهر من صاحب هذا السؤال انه اراد هذا الامر الثانى فانه الذى قال ان الخصم انما اراد ان يبين كيفية الزيارة المستحبة وهى ان تضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره، و قد منا الكلام على ذلك ففى هذه القطعة من كلامه بيان ان شرط الاستحباب فى الزيارة عند الخصم و غيره ضم قصد المسجد اليها و مقتضى ذلك ان عند عدم الضم ينتفى الاستحباب سواء اراد عدم ما سواها من القرب ام لا وهو يبين ان مراده فيما تقدم بما يقصد قصره على قصد الزيارة لاغير. المعنى الثانى الذى قدمناه و هو عدم قصد سواها لاقصد عدمه و قدقدمنا انه لاوجه للتوقف فى كون ذلك قربة لانه وسيلة الى قربة ولم يقترن به قصد صادق و لامانع من الحكم بالقربة عليه .

المعنى الثانى ان اطلاق قوله يقتضى ان الخصم و غيره انما يستحبون الزيارة مطلقا من غير سفر اذا ضم اليها قصد المسجد و حينئذ لاتكون الزيارة و حدها قربة سواء كانت عن سفرأم عن غير سفر و هو يخالف للأدلة الدالة على ان الزيارة قربة وكانه انما اراد السفر للزيارة و انما اطلق العبارة، و ايا ما كان فهو باطل لما قدمناه .

و اعلم ان هذا السؤال المبنى على تقسيم السفر ضعيف وكذلك السؤال المبنى عليه الذى قدمته فى الاستدلال بعمل السلف و الخلف على السفر، و انما ذكرتها لانى و قفت على كلام بعض الفضلاء ذكرها

فيه فاحتجت الى جوابهما و الخصم الذى النزاع معه لعله لايرتضيهما، و العجب ممن أوردهما مع موافقته على ان السفر لمجرد الزيارة قربة فان كان قال ذلك بغير دليل فهو باطل و ان كان قاله لاحـــد الدليلين المذكورين فالقدح فيهما قدح فيه فلا يمكنه الجزم به . و ان كان قاله لدليل آخر فكان ينبغى ان يبينه حتى يظهر انه يفترق الحال فيه بين الاسفار اولا .

بل العجب منه قوله بهذه الامور مع قوله بان كون الزيارة قربة معلوم من الدين بالضرورة و جاحده محكوم عليه بالكفر وقد بان بما ذكرناه ان لزوم كون السفر لمجرد الزيارة قربة لازم لكون الزيارة قربة و ان اللزوم بينهما بين ليس بالخفى و العلم بالملزوم مع التوقف فى اللازم البين له مستحيل فالقول باثبات الملزوم مع التوقف فى اثبات اللازم البين لا يجتمعان فمن توقف فى كون السفر لمجرد الزيارة قربة لزمه التوقف فى كون الزيارة قربة، و من قال بان كون السفر لمجرد الزيارة قربة من الامور الخفية لزمه ان يقول بذلك فى الزيارة فانه تقررأن الملازمة بينهما بينة معلومة من الشرع .

فان قلت : فما تقولون فى السفر الى زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله عليه و سلم قلت، قال الفقيه الامام ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن عمر المالكى المعروف بالشار مساحى فى كتاب (تلخيص محصول المدونة من الاحكام) الملقب (بنظم الدر) فى كتاب الجامع فى الباب الحادى عشر فى السفر و هو احد ابوابه ، قال فى هـــذا البـاب ، و السفر قسمان هرب و طلب اما الهرب فالخروج من أرض الحرب و ارض البدعة و ارض غلب عليها الحرام و من خوف الاذى فى البدن و من الارض

الغمة

الغمة (١) و اما الطلب فيكون للحج و الجهاد و العمرة و المعاش و الاتجار و قصد البقاع الشريفة وهي المساجد الثلاثة ومواضع الرباط تكثيرا لاهلها و لطلب العلم و لتفقد احوال الاخوان و زيارة الموتى ليتنفعوا بترحم الاحياء و قصد الا تفاع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه و سلم و قبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين انتهى .

فاما استثاؤه قبر المصطفى صلى الله عليه و سلم و سائر المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين و اقتصاره ان قصدها للانتفاع بهم سنة فصحيح و الظاهر ان ذلك عام في زيارتها و السفر اليها كما يقتضيه صدر كلامه و اما السفر لزيارة غيرهم من الموتى ليتنفعوا بترحم الاحياء فقد عده الشارمساحي كما ترى من اقسام سفر الطلب و الظاهر ان قصده انه سنة و الامر كذلك و ان كان عد معه سفر التجارة الذى هو مباح و اما قوله ان قصد الانتفاع بالميت غير الانبياء بدعة ففيه نظر فان ثبت فينبغي ان يخرج منه من يتحقق صلاحه كالعشرة المشهود لهم بالجنة وغيرهم و حيئذ يكون السفر لهم كالقسم الثاني فخرج من هذا ان الزيارة حيث استحبت استحب السفر لها و ذلك عام في قصد انتفاع الميت بالترحم و خاص في قصد الانتفاع بالميت .

الباب السابع

في دفع شبه الخصم و تتبع كلماته و فيه فصلان

الاول في شبهه

و له ثلاث شبه احداها فهم قوله صلى الله عليه و سلم « لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد » فتوهم الخصم ان في هذا منع السفر للزيارة و ليس

(١) لعله « الرحمة » .

كما توهمه و نحن نذكر الفاظ الحديث ثم نذكر معناه ان شاء الله تعالى فنقول هذا الحديث متفق على صحته عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه و سلم و ورد بالفاظ مختلفة اشهرها « لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدى هذا و مسجد الحرام و مسجد الاقصى » و هذه رواية سفيان بن عيينة عن الزهرى ، و الآخر « تشد الرحال الى ثلاث مساجد » من غير حصر ، و هذه رواية معمر عن الزهرى ، و آخر « انما يسافر الى ثلاثة مساجد مسجد الكعبة و مسجدى و مسجد ايلياء » و هذه من طريق غير الزهرى ، و هذه الروايات الثلاث ذكرها مسلم فى فضل المدينة عن ابى هريرة و ذكر قبل ذلك فى سفر المرأة عن ابى سعيد الخدرى عن النبي صلى الله عليه و سلم « لاتشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدى هذا و المسجد الحرام و المسجد الاقصى » و لفظه كما ذكرنا بصيغة النهى و اللفظ السابق بصيغة الخبر وورد فى خبر أبى سعيد ايضا انما تشد الرحال الى ثلاثـــة مساجد مسجد ابراهيم و مسجد محمـــد و مسجد بيت المقدس » رواه اسحاق بن راهويه فى مسنده ، و ورد من حديث ابن عمر رضى الله عنهما ايضا عن النبي صلى الله عليه و سلم و لفظه بصيغة النهى « لاتشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام و مسجد المدينة و مسجد بيت المقدس » رواه الطبرانى فى معجمه ، هذه الفاظ المرويات .

و اما معناها فاعلم ان هذا الاستثناء مفرغ تقديره لاتشد الرحال الى مسجد الا الى المساجد الثلاثة ، اولاتشد الرحال الى مكان الا الى المساجد الثلاثة و لابدمن احد هذين التقديرين ليكون المستثنى مندرجا تحت المستثنى منه . و التقدير الاول اولى لانه جنس قريب و لما سنبينه من

ثلة

قلة التخصيص اوعدمه على هذا التقدير، ثم اعلم ان السفر فيه امران باعث عليه كالحج اوطلب العلم اوالجهاد اوزيارة الوالدين اوالهجرة وما اشبه ذلك .

و الثانى . المكان الذى هو نهاية السفر كالسفر الى مكة او المدينة او بيت المقدس او غيرها من الاماكن لاى غرض كان ولاشك ان شد الرحال الى عرفة لقضاء النسك واجب باجماع المسلمين و ليس من المساجد الثلاثة و شد الرحال لطلب العلم الى اى مكان كان جائز باجماع المسلمين و قد يكون مستحبا او واجبا على الكفاية او فرض عين وكذلك السفر الى الجهاد و من بلاد الكفر الى بلاد الاسلام للهجرة و اقامة الدين، وكذلك السفر لزيارة الو الدين و برهما و زيارة الاخوان و الصالحين وكذلك السفر للتجارة و غيرها من الاغراض المباحة . فانما معنى الحديث ان السفر الى المساجد مقصور على الثلاثة على التقدير الاول الذى اخترناه، او ان السفر الى الاماكن مقصور على الثلاثة على التقدير الثانى ثم على كلا التقديرين اما ان يجعل المساجد او الامكنة غاية فقط و علة السفر امر آخر كالاشتغال بالعلم و نحوه من الامثلة التى ذكرها فهذا جائز الى كل مسجد و الى كل مكان فلا يجوزان يكون هو المراد، و قد يقال على بعد ان خروج تلك المسائل بأدلة على سبيل التخصيص للعموم فلا يمنع من ارادته فى الباقى و هذا لوقيل به فتقدير المساجد ايضا اولى من تقدير الامكنة لعلة التخصيص اذ التخصيص على تقدير اضمار الامكنة اكثر فيكون مرجوحا .

ثم على هذا التقدير فالسفر بقصد زيارة النبى صلى الله عليه و سلم غايته مسجد المدينة لانه مجاور للقبر الشريف فلم يخرج السفر للزيارة

عن ان تكون غايته أحد المساجد الثلاثة وهو المراد على هذا التقدير وإما ان يجعل المساجد او الامكنة علة فقط ويكون قد عبر بالى عن اللام او غاية وعلة من باب تخصيص العام باحد حاليه لان غاية السفر قد يكون هو العلة وقد لايكون فيكون المراد النوع الاول وهو ما يكون علة مع كونه غاية ومعنى كونه علة انه يسافر لتعظيمها اوللتبرك بالحلول فيها او بان يوقع فيها عبادة من العبادات التى يمكنه ايقاعها فى غيرها من حيث ان ايقاعها فيها افضل من ايقاعها فى غيرها، وكل ذلك انما نشأ من اعتقاد فضل فى البقعة زائد على غيرها فنهى عن ذلك الا فى المساجد الثلاثة وهذا هو المراد وغيرها من الاماكن والمساجد لايؤتى الالغرض خاص لايوجد فى غيره كالثغر للرباط الذى لايوجد فى غيره وعلى هذا التقدير ايضا المسافر لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم لم يدخل فى الحديث لانه لم يسافر لتعظيم البقعة وانما سافر لزيارة من فيها كما لوكان حيا وسافر اليه فيها او فى غيرها فانه لايدخل فى هذا العموم قطعا .

وملخص ما قلناه على طوله ان النهى عن السفر مشروط بامرين أحدهما ان يكون غايته غير المساجد الثلاثة والثانى ان تكون علته تعظيم البقعة والسفر لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم غايته أحد المساجد الثلاثة وعلته تعظيم ساكن البقعة لاالبقعة فكيف يقال بالنهى عنه، بل اقول ان للسفر المطلوب سببان، احدهما ما يكون غايته احد المساجد الثلاثة والثانى ما يكون لعبادة وان كان الى غيرها والسفر لزيارة المصطفى صلى الله عليه وسلم اجتمع فيه الأمران فهو فى الدرجة العليا من الطلب ودونه ما وجد فيه أحد امرين، وان كان السفر الذى غايته احد الاماكن

الثلاثة (١٥)

الثلاثة لابد فى كونه قربة من قصد صالح. و اما السفر لمكان غير الاماكن الثلاثة لتعظيم ذلك المكان فهو الذى ورد فيه الحديث و لهذا جاء عن بعض التابعين انه قال . قلت لابن عمر انى اريد أن آتى الطور؟ قال انما تشد الرحال الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام و مسجد رسول الله صلى الله عليه و سلم و مسجد الاقصى و دع الطور فلاتأته .

و فى مثل هذا الذى تكلم الفقهاء فى شد الرحال الى غيرالمساجد الثلاثة فنقل امام الحرمين عن شيخه انه كان يفتى بالمنع عن شد الرحال الى غير هذه المساجد قال و ربما كان يقول يكره و ربما كان يقول يحرم بعد ما يظاهر النهى . و قال الشيخ ابو على لايكره و لايحرم ولكن أبان رسول الله صلى الله عليه و سلم ان القربة المقصودة فى قصد المساجد الثلاثة و ما عداها ليس فى قصد اعيانها قربة . قال وهذا حسن لا يصح عندى غيره .

قلت و يمكن ان يقال ان قصد بذلك التعظيم فالحق ما قاله الشيخ ابو محمد لانه تعظيم لما لم يعظمه الشرع و ان لم يقصد مع عينه أمرا آخر فهذا قريب من العبث فيترجح فيه ما قاله الشيخ ابوعلى ولا نعلم فى مذهبنا غير ذلك . و ذهب الداودى الى ان ما قرب من المساجد الفاضلة من المصر فلا بأس ان يؤتى مشيا و ركوبا استدلالا بمسجد قباء و لا يدخل تحت النهى فى اعمال المطى لان الاعمال و شد الرحال لايكون لما قرب غالبا . و نقل القاضى عياض عن بعضهم انه انما يمنع المطى للناذر اما غير الناذر ممن يرغب فى فضل مشاهدالصالحين فلا .

فهذه اربعة مذاهب فى اتيان ما سوى الثلاثة من المساجد و على المذهب الرابع المفصل بين ان يكون بالنذر أو بغيره حل بعضهم اتيان

النبي صلى الله عليه وسلم مسجد قباء لانه كان بغير نذر ولاحرج فيه بل متى خف عليه فعل القربة فيجيء في نذر ما سوى الثلاثة من المساجد ثلاثة مذاهب ، احدها انه لا يصح وهو مذهبنا ومذهب الجمهور ، والثاني يصح مطلقا وهو مذهب الليث بن سعد ، والثالث يلزم ما لم يكن بشد رحل كمسجد قباء وهو قول محمد بن مسلمة المالكي ، وقد روى مالك عن عبد الله بن ابي بكر بن حزم ان عبد الله بن عباس سئل عمن جعل على نفسه مشيا الى مسجد قباء وهو بالمدينة فألزمه ذلك وامره ان يمشي ، قال عبد الملك بن حبيب في (كتاب الواضحة) فكذلك من نذر أن يمشي الى مسجده الذي يصلي فيه جمعته اومكتوبته فعليه ان يمشي اليه وليس ذلك بلازمه فيما تأى عنه من المساجد لاماشيا ولاراكبا ، وكذلك روى ابن وهب وغيره عن مالك الا المساجد الثلاثة فيلزمه في المسجد الحرام ما نذر من مشي اوركوب ولايلزمه في المسجدين مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وبيت المقدس المشي اليهما ويلزمه ان يأتيهما راكبا للصلاة فيهما . هذا كله في قصد المكان بعينه اوقصد عبادة فيه يمكن في غيره اما قصده بغير نذر لغرض فيه كالزيارة وشبهها فلايقول احد فيه بتحريم ولا كراهة .

فان قلت فقد قال النووي في شرح مسلم في باب سفر المرأة مع محرم الى الحج : اختلف العلماء في شد الرحال واعمال المطي الى غير المساجد الثلاثة كالذهاب الى قبور الصالحين والى المواضع الفاضلة ونحو ذلك فقال الشيخ ابومحمد من اصحابنا هو حرام وهو الذي اشار القاضي عياض الى اختياره ، والصحيح عند اصحابنا وهو الذي اختاره امام الحرمين والمحققون انه لا يحرم ولايكره ، قالوا والمراد ان الفضيلة

التامة

التامة انما هی فی شد الرحال الی هذه الثلاثة خاصة و الله اعلم . انتهی کلام النووی . و قد جعل الذهاب الی قبور الصالحین من محل الخلاف، قلت ، رحم الله النووی لو اقتصر علی المنقول اونقده حق النقد لم یحصل خلل و انما زاد التمثیل فحصل الخلل من زیادته .

و الذی نقله الامام و الرافعی و النووی فی غیر شرح مسلم عن الشیخ ابی محمد رحمه الله لیس فیه هذه الزیادة بل فیه مایبین ان مراده ما قدمناه فان الامام قال : اذا نذرأن یأتی مسجدا من المساجد سوی المسجد الحرام قال العلماء فان کان المسجد الذی عینه غیر مسجد المدینة و مسجد القدس فلا یلزم بالنذرشیء اصلا فانه لیس فی قصد مسجد بعینه غیر المساجد الثلاثة قربة مقصودة و مالا یکون قربة ولا عبادة مقصودة فهو غیر ملزم بالنذر ، وکان شیخی یفتی بالمنع عن شد الر حال الی غیر هذه المساجد ـ و ذکر ماقدمناه . وکذلک الرافعی قال اذا نذر اتیان مسجد آخر سوی الثلاثة لم ینعقد نذره قال الا مام وکان شیخی یفتی ـ و ذکر ما تقدم وکذلک النووی فی شرح المهذب وکذلک فی شرح مسلم فی باب فضل المساجد الثلاثة کلامه مشعر بما قلناه و مع ذلک قال ان ما قاله الشیخ ابو محمد غلط ففی کلام کل من الامام و الرافعی و النووی فی غیر شرح مسلم و فی شرح مسلم فی غیر هذا الباب مایبین ان فرض المسئلة فی قصد المساجد فیحمل کلام ابی محمد علیه .

اما قصد الا غراض الصحیحة فی المساجد و غیرها من الامکنة من الزیارة و الاشتغال بالعلم و الجهاد و غیرها فلم یتکلم فیـــه ابومحمد و لایجوز أن ینسب الیه المنع منه ، و لوقاله هو اوغیره ممن یقبل کلامه الغلط لحکمنا بغلطه و انه لم یفهم مقصود الحدیث لکنه بحمدالله لم

يثبت عندنا انه قال ذلك ولا نقله عنه احد غير ما وقع فى شرح مسلم من التمثيل على سبيل السهو و الغفلة و لهذا اجللنا مالكا رحمه‌الله عن ان يستدل بالحديث على هذا المقصود و اوجبنا تأويل كلامه على اقة لبقعة لعينها و هكذا القاضى عياض فانه قال فى الاكمال: قوله عليه الصلوة والسلام لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد فيه تعظيم هذه المساجد و خصوصها بشدالرحال اليها و لانها مساجد الانبياء عليهم السلام و تفضيل الصلوة فيها و تضعيف اجرها ولزوم ذلك لمن نذره بخلاف غيرها مما لايلزم و لايباح شد الرحال اليها لا لناذر ولا لمتطوع بهذا النهى الاما الحقه محمد بن مسلمة من مسجد قباء. و هذا الكلام من القاضى عياض ليس فيه تعرض لزيارة الموتى اصلا و لا يجوز أن ينقل ذلك عنه بتصريح و لاباشارة وانما اشاربه الى غير الثلاثة من المساجد .

فان قلت قد قال ابن قدامة الحنبلى فى (كتاب المغنى): فصل فان سافر لزيارة القبور و المشاهد فقال ابن عقيل لايباح له الرخص لانه منهى عن السفر اليها قال النبى صلى الله عليه و سلم «لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد» و الصحيح اباحته و جواز القصر فيه لان النبى صلى الله عليه و سلم كان يأتى قباء ماشيا و راكبا وكان يزورا لقبور، و قال زوروها تذكركم الآخرة. و اما قوله «صلى الله عليه و سلم لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد» فيحمل على نفى الفضيلة لاعلى التحريم و ليست الفضيلة شرطا فى اباحة القصر و لايضر انتفاؤها. قلت: قد وقفت على كلام ابن قدامة المذكور و ترجمته بالسفر لزيارة القبور و المشاهد ولم اقف على كلام ابن عقيل فان كان فى المشاهد او فى قصدها مع الزيارة فلايرد علينا لانه من باب قصد الإمكنة و هذا هو الظاهر من استدلاله بالحديث على ما تقرر

ما تقرر وكلامنا انما هو فى مجرد قصد الزيارة للميت من غير قصد البقعة اصلا وليس فى كلام ابن عقيل ولا ابن قدامة تصريح بذلك بل كلامه يشير الى انه انما تكلم فى القبور التى بنيت عليها المشاهد وقبر النبي صلى الله عليه وسلم لايدخل فى ذلك لان مكانه لا يسمى مشهدا ولوسلمنا اندراجه فى مدلول كلامه فيجب تخصيصه وحمل كلامه على ماسواه واذا كنا نخصص كلام الله وكلام رسوله بالادلة فايش كلام ابن عقيل حتى لانخصص اذا احسنا الظن به، والموجب لتخصيص هذا القبر الشريف عن سائر القبور الادلة الواردة فى زيارته على الخصوص واطباق الناس على السفر اليه فان لم يعتبر ابن عقيل هذه الادلة تفوقت سهام التخطئة اليه ورد كلامه عليه ولكنه لم يثبت بحمدالله عندنا ذلك عنه .

فان قلت: قد اكثرت من التفرقة بين قصد البقعة وقصد من فيها وسلمت ان قصد البقعة داخل تحت الحديث والزيارة لابد فيها من قصد البقعة فان السلام والدعا يحصل من بعد كما يحصل من قرب وهو مقصود الزيارة .

قلت قصد البقعة لما اشتملت عليه ليس بمحذور ولانقول بنفى الفضيلة عنه وانما قلنا ذلك فى قصد البقعة بعينها او لتعظيم لم يشهد به الشرع على انا نقول انه لايلزم من الزيارة ان يكون للبقعة مدخل فى القصد الباعث بل تارة يكون ذلك مقصودا وتارة تجرد قصد الشخص المزور من غير شعور بما سواه وقوله ان مقصود الزيارة يحصل من بعد ممنوع فان الميت يعامل معاملة الحى فالحضور عنده مقصود الاترى ان النبي صلى الله عليه وسلم لما خرج فى ليلة عائشه الى البقيع فقام

فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات ـ الحديث المشهور و فيه ان عائشة سألته فقال انى جبرئيل أتانى فقال ان ربك عزوجل يأمرك ان تأتى اهل البقيع و تستغفر لهم. قالت فقلت كيف اقول لهم يا رسول الله قال قولى السلام على اهل الديار من المؤمنين و المسلمين يرحم الله المستقدمين منا و المستأخرين و انا ان شاء الله بكم لاحقون رواه مسلم .

فانظر كيف خرج النبي صلى الله عليه و سلم الى البقيع بامر الله تعالى يستغفر لاهله ولم يكتف بذلك من الغيبة وهذا اصل فى الاتيان الى القبور لزيارة اهلها للاستغفار لهم، وقد سألت عائشة النبي صلى الله عليه و سلم كيف تقول ـ تعنى اذا فعلت كفعله و علمها و فى ذلك دليل على انه يجوز لها وللنساء الاتيان الى القبور لهذا الغرض لان سؤالها ذلك كان بعد رجوعهما الى البيت فلم يكن المقصود منه كيف اقول الآن و انما معناه كيف اقول مرة اخرى فلو كان لا يجوز لها ذلك لبينه لها و ليس هذا المقصود هنا فانا نذكره ان شاء الله تعالى فى موضع آخر: و انما المقصود هنا ان الحضور عند القبر لسبب زيارة من فيه و الدعاء مطلوب وليس ذلك من باب قصد الا مكنة و لادل الحديث على امتناعه و لا قال به أحد من العلماء .

و قد احضر الى بعض الناس صورة فتاوى منسوبة لبعض علماء بغداد فى هذا الزمان لا ادرى هل هى مختلقة من بعض الشياطين الذين لا يحسنون أوهى صادرة ممن هو متسم بسمة العلم و ليس من اهله .

فأولها فتيا مالكى قال فيها قد نص الشيخ ابو محمد الجوينى فى كتبه على تحريم السفر لزيارة القبور و هو اختيار القاضى الامام عياض فى اكماله . . لقد كذب فى هذا النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض جميعا

جميعا. ثم اطال الكلام بمالا فائدة فيه .

و ثانيها فتيا شافعى قال فيها: ان المفهوم من كلام العلماء و نظار العقلاء ان الزيارة ليست عبادة و طاعة بمجردها. فان اراد المفهوم عنده فلا علينا منه و نقول له المفهوم عند العلماء خلافه . ثم قال ان من اعتقد جواز الشد الى غير ما ذكر او وجوبه اوند به كان مخالفا لصريح النهى و مخالفة النهى معصية اما كفر او غيره على قدر المنهى عنه و وجوبه و تحريمه. و يكفى هذا الكلام ضحكة على من قاله ان يجعل المنهى عنه منقسما الى و جوب و تحريم ، دع سوء فهمه للحديث .

و ثالثها فتيا آخر شارك فيها الاول فى النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض و قد تقدم جوابه و أساء الفهم فى الحديث كما أساءه غيره .

و رابعها فتيا آخر ليس فيها طائل وكلهم خلط مع ذلك ما لا طائل تحته و الأقرب انها مختلقة و ان مثلها لا تصدر عن عالم و انما ذكرتها هنا لتضمنها النقل عن الشيخ ابى محمد والقاضى عياض الذى تعرضت هنا لافساده .

تنبيه، قد يتوهم من استدلال الخصم بهذا الحديث ان نزاعه قاصر على السفر للزيارة دون اصل الزيارة و ليس كذلك بل نزاعه فى الزيارة ايضا لما سنذكره فى الشبهتين الثانية و الثالثة و من كون الزيارة على هذا الوجه المخصوص بدعة وكونها من تعظيم غير الله المفضى الى الشرك و ما كان كذلك كان ممنوعا و على هاتين الشبهتين بنى كلامه . و اصل الخيال الذى سرى اليه منهما لاغير و هو عام فى الزيارة و السفر اليها و لهذا يدعى هو أن الاحاديث الواردة فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم كلها

ضعیفة بل موضوعة و یستدل بقوله لا تتخذوا قبری عیدا. و بقوله: لعن الله الیهود و النصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد. و بأن هذا کله محافظة علی التوحید و ان اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد کما سنذکر ذلك فی نص کلامه المنقول عنه.

و قد رأیت ایضا فیا بخطه و نقلت منها ما انا ذاکره قال فیها - و من خطه نقلت: و اما السفر للتعریف عند بعض القبور فهذا اعظم من ذلك فان هذا بدعة و شرك فان اصل السفر از یارة القبور لیس مشروعا و لا استحبه احد من العلماء. و لهذا لو نذر ذلك لم یجب علیه الوفاء به بلا نزاع بین الائمة ثم قال و لهذا لم یکن احد من الصحابة و التابعین بعد أن فتحوا الشام و لا قبل ذلك یسافرون الی زیارة قبر الخلیل علیه السلام و لا غیره من قبور الانبیاء التی بالشام و لا زار النبی صلی الله علیه و سلم شیئا من ذلك لیلة الاسری به و الحدیث الذی فیه هذا قبر ابیك ابراهیم فانزل فصل فیه و هذا بیت لحم مولد اخیك عیسی انزل فصل فیه، کذب لا حقیقة له و اصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم الذین سکنوا الشام اودخلوا الیه و لم یسکنوه مع عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه و غیره لم یکونوا یزورون شیئا من هذه البقاع و الآثار المضافة الی الانبیاء.

ثم قال و لم یتخذ الصحابة شیئا من آثاره مسجدا ولا مزارا غیر ما بناه من المساجد و لم یکونوا یزورون غار حراء و لا غار ثور: ثم قال حتی ان قبر النبی صلی الله علیه و سلم لم یثبت عن النبی صلی الله علیه و سلم لفظ بزیارته و انما صح عنه الصلوة علیه و السلام موافقة لقوله تعالی (یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما) ثم قال: و لهذا لم یکن علی عهد

عهد الصحابة و التابعين مشهديزار لا على قبر نبي و لا غير نبي فضلا عن ان يسافر اليه لا بالحجاز و لا بالشام و لا باليمن و لا العراق ولا مصر و لا المشرق . ثم قال و لهذا كانت زيارة القبور على وجهين زيارة شرعية وزيارة بدعية فالزيارة الشرعية مقصودها السلام على الميت و الدعاء له ان كان مؤمنا و تذكر الموت سواء كان الميت مؤمنا ام كافرا .وقال بعد ذلك فالزيارة لقبر المؤمن نبيا كان اوغير نبي من جنس الصلوة على جنازته يدعى له كما يدعى اذا صلى على جنازته واما الزيارة البدعية فمن جنس زيارة النصارى مقصودها اشراك بالميت مثل طلب الحوائج منه او التمسح بقبره و تقبيله او السجود له و نحو ذلك فهذا كله لم يأمر الله به و رسوله و لا استحبه احد من ائمة المسلمين و لا كان احد من السلف يفعله لا عند قبر النبي صلى الله عليه و سلم و لا غيره . ثم قال ولم يكونوا يقسمون على الله باحد من خلقه لا نبي و لا غيره و لا يسئلون ميتا و لا غائبا و لا يستغيثون بميت و لا غائب سواء كان نبيا اوغير نبي بل كان فضلاؤهم لا يسئلون غير الله شيئا . انتهى ما اردت نقله من كلام ابن تيمية رحمه الله من خطه . و انا عارف بخطه و هو يدل على ما ذكرناه من ان نزاعه فى السفر و الزيارة جميعا غير أنه كلام مختبط فى صدره ما يقتضى منع الزيارة مطلقا و فى آخره ما يقتضى انها ان كانت للسلام عليه و الدعاء له جازت و ان كانت على النوع الآخر الذى ذكره لم يجز . و بقى قسم لم يذكره و هو ان يكون للتبرك به من غير اشراك به .

فهذه ثلاثة اقسام . اولها . السلام و الدعاء له و قد سلم جوازه و انه شرعى و يلزمه ان يسلم جواز السفر له فان فرق فى هذا القسم

بين اصل الزيارة و بين السفر محتجا بالحديث المذكور فقد سبق جوابه .

و القسم الثانى التبرك به و الدعاء عنده للزائر و هذا القسم يظهر من فحوى كلام ابن تيمية رحمه الله انه يلحقه بالقسم الثالث و لادليل له على ذلك بل نحن نقطع ببطلان كلامه فيه و ان المعلوم من الدين و سير السلف الصالحين التبرك ببعض الموتى من الصالحين فكيف بالانبياء و المرسلين ، و من ادعى ان قبور الانبياء و غيرهم من اموات المسلمين سواء فقد أتى امرا عظيما نقطع ببطلانه و خطائه فيه و فيه حط لدرجة النبي صلى الله عليه و سلم الى درجة من سواه من المسلمين و ذلك كفر متيقن فان من حط رتبة النبي صلى الله عليه و سلم عما يجب له فقد كفر .

فان قال ان هذا ليس بحط و لكنه منع من التعظيم فوق ما يجب له ، قلت : هذا جهل و سوء ادب و قد تقدم فى اول الباب الخامس الكلام فى ذلك و نحن نقطع بان النبي صلى الله عليه و سلم يستحق من التعظيم اكثر من هذا المقدار فى حياته و بعد موته و لايرتاب فى ذلك من كان فى قلبه شيء من الايمان . و اما القسم الثالث ، و هو ان يقصد بالزيارة الا شراك بالله تعالى فنعوذ بالله منها و ممن يفعلها و نحن لا نعتقد فى احد من المسلمين ان شاء الله ذلك ، و قد قال صلى الله عليه و سلم « اللهم لاتجعل قبرى و ثنا يعبد » و دعاؤه صلى الله عليه و سلم مستجاب و قد أيس الشيطان ان يعبد فى جزيرة العرب فهذا شيء لانعتقده ان شاء الله فى احد ممن يقصد زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم و انما التمسح بالقبر و تقبيله و السجود عليه و نحو ذلك فانما يفعله بعض الجهال و من فعل ذلك ينكر عليه فعله ذلك و يعلم آداب الزيارة ولاينكر

عليه

عليه اصل الزيارة و لا السفر اليها بل هو مع ما صدر منه من الجهل محمود على زيارته و سفره و مذموم على جهله و بدعته . و اما طلب الحوائج عند قبره صلى الله عليه و سلم فسنذكره فى باب الاستعانة بالنبي صلى الله عليه و سلم .

و لنتكلم على الشبهة الثانية و الثالثة اللتين بنى ابن تيمية رحمه الله كلامه عليهما ، اما الشبهة الثانية و هى كون هذا مشروعا ؟ و انه من البدع التى لم يستحبها احد من العلماء لا من الصحابة و لا من التابعين و من بعدهم، فقد قدمنا سفر بلال من الشام الى المدينة لقصد الزيارة و ان عمر ابن عبد العزيز كان يجهز البريد من الشام الى المدينة للسلام على النبي عليه الصلوة و السلام و ان ابن عمر كان يأتى قبر النبي صلى الله عليه و سلم فيسلم عليه و على ابى بكر و عمر رضى الله عنهم و كل ذلك يكذب دعوى ان الزيارة و السفر اليها بدعة ، و لو طولب ابن تيمية رحمه الله باثبات هذا النفى العام و اقامة الدليل على صحته لم يجد اليه سبيلا فكيف يحل لذى علم ان يقدم على هذا الامر العظيم بمثل هذه الظنون التى مستنده فيها انه لم يبلغه و ينكر به ما اطبق عليه جميع المسلمين شرقا و غربا فى سائر الاعصار مما هو محسوس خلفا عن سلف و يجعله من البدع .

فان قال: ان الذى كان يفعله السلف من النوع الاول و هو السلام و الدعاء له دون النوع الثانى و الثالث ، قلنا اما الثالث فلا استرواح اليه لا نابعد كل مسلم منه و اما النوع الاول و الثانى فدعوى كون السلف كلهم كانوا مطبقين على النوع الاول و انه شرعى و كون الخلف كلهم مطبقين على الثانى و انه بدعة من التخرص الذى لا يقدر على اثباته فان المقاصد الباطنة لا يطلع عليها الا الله تعالى فمن اين له ان جميع

السلف لم يكن احد منهم بقصد التبرك او ان جميع الخلف لا يقصدون الا ذلك ثم انه قال فيما سحكيه من كلامه ان أحدا لا يسافر اليها الالذلك يعني لاعتقاده انها قربة و انه متى كان كذلك كان حراما و لاشك ان بلالا و غيره من السلف و ان سلمنا انهم ما قصد وا الا السلام فانهم يعتقد ون ان ذلك قربة فلوشعر ابن تيمية رحمه الله ان بلالا و غيره من السلف فعل ذلك لم ينطق بما قال و لكنه قام عنده خيال ان هذه الزيارة فيها نوع من الشرك و لم يستحضر أن احدا فعلها من السلف، فقال ماقال و غلط رحمه الله فيما حصل له من الخيال و في عدم الاستحضار،ودعواه انه لونذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع من الائمة نحن نطالبه بنقل هذا عن الائمة وتحقيق انه لانزاع بينهم فيه ثم بتقرير كون ذلك عاما في قبر النبي صلى الله عليه وسلم و غيره ليحصل مقصوده في هذه المسئلة التي تصدينا لها ومتى لم تحصل هذه الامور الثلاثة لايحصل مقصوده وليس الى حصولها سبيل، ونحن قد نقلنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم تلزم بالنذر و على مقتضاه يلزم السفر اليها ايضا بالنذر على الضد مما قال، واما قوله ان الصحابة لما فتحوا الشام لم يكونوا يسافرون الى زيارة قبر الخليل و غيره من قبور الانبياء التي بالشام فلعله لانه لم يثبت عندهم موضعها فانه ليس لنا قبر مقطوع به الاقبره صلى الله عليه وسلم، و اما قوله و لا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة اسرى به فلعله لاشتغاله بما هو أهم و قد تحققنا زيارته صلى الله عليه وسلم القبور بالمدينة و غيرها في غير تلك الليلة فليس ترك زيارته في تلك الليل دليلا على ان زيارة ليست بسنة فالتشاغل بالاستدلال بذلك تشاغل بمالا يجدي نفعا .

و اما

و اما قوله ان الحديث الذى فيه هذا قبر ابيك ابراهيم فانزل فصل فيه و هذا بيت لحم مولد اخيك عيسى انزل فصل فيه، كذب لاحقيقة له فصدق فيما قال و هذا الحديث يرويه بكر بن زياد الباهلى قال ابن حبان شيخ دجال يضع الحديث على الثقات لايحل ذكره فى الكتب الاعلى سبيل القدح فيه و ذكر ابن حبان من طريقة الحديث المذكور و فيه ثم أتى بى الى الصخرة فقال يامحمد من هاهنا عرج ربك الى السماء و ذكر كلاما طويلا كره ابن حبان ذكره، قال ابن حبان و هذا شيء لايشك عوام اصحاب الحديث انه موضوع فكيف البزل فى هذا الشأن هذا كلام ابن حبان .

و قد ذكر هذا الحديث ابو القاسم المكى بن عبدالسلام بن الحسين ابن القاسم المقدسى الرميلى فى كتاب صنفه فى فضائل زيارة قبرابراهيم الخليل عليه الصلوة و السلام، و الرميلى هذا بضم الراء و فتح الميم و سكون الياء نسبة الى الرميلة من الارض المقدسة ذكره ابو سعد عبد الكريم بن محمد ابن منصور ابن السمعانى فى كتاب الانساب فقال كان حافظا مكثرا رحل الى مصر و الشام و العراق و البصرة قال ابن ناصر و صنف كتابا فى تاريخ بيت المقدس و سمع من الخطيب بالشام و بغداد وكان فاضلا صالحا ثبتا و عاد الى بيت المقدس و اقام بها يدرس الفقه على مذهب الشافعى و يروى الحديث الى ان غلبت الفرنج على بيت المقدس ثم قتل شهيدا قال ابن السمعانى روى عن مكى بن عبدالسلام محمد بن على الاسفرائنى و ابو سعيد عمار التاجر و لم يحدث عنه سواهما، و قال ابن النجار عزم على ان يعمل تاريخا لبيت المقدس فحالت دونه ميته قتله الفرنج بالحجارة فى اليوم الثانى عشر من شوال سنة اثنتين و تسعين و اربعمائة

و ذكر ابوالقاسم عمر بن ابي جرادة فى تاريخ حلب انه ولد فى المحرم يوم عاشورا سنة اثنتين و ثلاثين و أربع مائة ببيت المقدس .

قلت و ذكر فى هذا التصنيف آثارا فى زيارة قبر ابراهيم الخليل منها الحديث المذكور قال انا الشيخ الصالح الثقة ابو محمد عبدالعزيز بن احمد بن عمر بن ابراهيم المقدسى قراءة عليه رحمه الله انا محمد بن احمد ابو بكر بن محمد الواسطى الخطيب قراءة عليه ثنا ابو القاسم عيسى بن عبيدالله بن عبدالعزيز الموصلى المعروف بالمصاحفى ثنا ابو الحسن على بن جعفر بن محمد الرازى وكيل المسجد الاقصى ثنا العباس بن احمد بن عبدالله و انا سألته ثنا عبدالله ابن ابى عمرة المقدسى ثنا بكر بن زياد الباهلى عن عبدالله بن المبارك عن سعيد بن ابى عروبة عن قتادة عن زرارة بن اوفى عن ابى هريرة قال قال رسول‌الله صلى الله عليه و سلم لما اسرى بى الى بيت المقدس مربى جبرئيل الى قبر ابراهيم عليهما الصلوة و السلام. فقال انزل صل هاهنا ركعتين فان هاهنا قبر ابيك ابراهيم عليه السلام ثم مربى الى بيت لحم فقال انزل صل هاهنا ركعتين فان هاهنا ولد اخوك عيسى عليه السلام ثم أتى بى الى الصخرة - قال و ذكر الحديث و رواه ابن حبان عن محمد بن احمد ابن ابراهيم ثنا عبد الله بن سليمان بن ابى عمرة ثنا بكر بن زياد. و انما تكلمنا على هذا الحديث للتنبيه على الفائدة فيه و ليس بنا ضرورة الى اثباته او نفيه فى تحقيق المقصود و لما سبق ان عدم الزيارة فى وقت خاص لايدل على عدم الاستحباب، و قوله ان الصحابة لم يكونوا يزورون شيئا من هذه البقاع و الآثار فكلامنا انما هو فى زيارة ساكن البقعة لافى زيارة البقعة و قد تقدم التنبيه على الفرق بينهما. ثم ان هذه شهادة على نفى يصعب اثباتها، و ان كنا مستغنين عن منعها او تسليمها،

و قوله

و قوله حتى ان قبر النبى صلى الله عليه و سلم . هذا هو المقصود فى هذه المسئلة . و قوله لم يثبت عن النبي صلى الله عليه و سلم لفظ بزيارة. قد تقدم ابطال هذه الدعوى و تحقيق ثبوت الحديث فيها .

و قوله و لهذا لم يكن على عهد الصحابة و التابعين مشهد يزار على قبر نبي و لا غير نبي فضلا عن ان يسافر اليه الى آخر كلامه، ان اراد بما يسمى مشهدا فوضع قبره صلى الله عليه و سلم لايسمى مشهدا وكلامنا انما هو فيه، و ان اراد انه لم يكن فى ذلك الزمان زيارة لقبر نبي من الانبياء فهذا باطل لما قد مناه و بقية كلامه و تقسيمه الزيارة الى شرعيـــة و بدعية سبق الكلام عليه و فيه اعتراف بمطلق الزيارة و يلزمه الاعتراف بالسفر اليها، و لا يمنع من ذلك كون نوع منها يقترن به من بعض الجهال ما هو منهى عنه فمن ادعى ان الزيارة من غير انضمام شيء آخر اليها بدعة فقد كذب و جهل ، و من حرمها فقد حرم ما احله الله تعالى و من اطلق التحريم عليها لان بعض انواعها محرم اويقترن به محرم فهوجاهل و هكذا من امتنع من اطلاق الاستحباب على الزيارة من حيث هي لوقوع بعض انواعها من بعض الناس على وجه التحريم فهوجاهل ايضا فان الصلوة قد تقع على وجه منهى عنه كالصلوة في الدار المغصوبة و ما اشبه ذلك و لايمنع ذلك من اطلاق القول بان الصلوة قربة اوواجبة فهكذا ايضا الزيارة من حيث هي قربة لقوله صلى الله عليه و سلم زوروا القبور و ان كان بعض انواعها يقع على وجه منهى عنه فيكون ذلك الوجه منها منهيا عنه وحده . و الحكم بالابتداع على هذا النوع لايضرنا و نحن نسلمه و نمنع من يفعله ، و الحكم بالابتداع على المطلق عين الابتداع .

و اما الشبهة الثالثة و هى ان من الشرك بالله تعالى اتخاذ القبور مساجد كما قال طائفة من السلف فى قوله تعالى (قالوا لا تذرن آلهتكم و لا تذرن و دا و لاسواعا و لايغوث و يعوق و نسرا) قالوا كان هؤلآء قوما صالحين فى قوم نوح فلما ما توا عكفوا على قبورهم ثم صوروا على صورهم تما ثيل ثم طال عليهم الأمد فعبد وها، وتخيل ابن تيمية ان منع الزياره و السفر اليهـا من باب المحافظة على التوحيد و ان فعلها مما يؤدى الى الشرك و هـذا تخيل باطل لان اتخاذ القبور مساجد و العكوف عليها و تصوير الصور فيها هو المؤدى الى الشرك و هو الممنوع منه كما ورد فى الاحاديث الصحيحة كقوله صلى الله عليه وسلم لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد. يحذر ما صنعوا. و قوله صلى الله عليه وسلم لما اخبر بكنيسة بارض الحبشة اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصورة اولئك شرار الخلق عند الله.

و اما الزيارة و الدعاء و السلام فلايؤدى الى ذلك و لهذا شرعه الله تعالى على لسان رسول الله صلى الله عليه و سلم لما ثبت من الاحاديث المتقدمة عنه صلى الله عليه و سلم قولا و فعلا و تواتر ذلك و اجماع الامة عليه فلو كانت زيارة القبور من التعظيم المؤدى الى الشرك كالتصوير و نحوه لم يشرعها الله تعالى فى حق أحد من الصالحين ولافعلها النبي صلى الله عليه و سلم و الصحابة فى حق شهداء احد و البقيع و غيرهم و ليس لنا ان نحرم الا ما حرمه الله و ان تخيلنا انه يفضى الى محذور و لا نبيح الا ما اباحه الله، و ان تخيلنا انه لا يفضى الى محذور. و لما اباح الزيارة و شرعها و سنها رسوله و حظر اتخاذ القبور مساجد

و تصوير الصور عليها، قلنا باباحة الزيارة و مشروعيتها و تحريم اتخاذ القبور مساجد و التصوير فمن قاس الزيارة على التصوير فى التحريم كان مخالفا للنص كما ان شخصا لو قال باباحة اتخاذ القبور مساجد اذا لم يفض الى الشرك كان مخالفا للنص ايضا. و الوسائل التى لا يتحقق بها المقصود ليس لنا ان نجرى حكم المقصود عليها الا بنص من الشارع فان هذا من باب سد الذرائع الذى لم يقم عليه دليل فالمفضى الى الشرك حرام بلا اشكال. و اما الامور التى قد تؤدى اليه و قد لا تؤدى فما حرمه الشرع منها كان حراما و ما لم يحرمه كان مباحا لعدم استلزامه للمحذور، و هذه الامور التى نحن فيها من هذا القبيل حرم الشرع منها اتخاذ القبور مساجد و التصوير و العكوف على القبور و اباح الزيارة و السلام و الدعاء. وكل عاقل يعلم الفرق بينهما، و يتحقق ان النوع الثانى اذا فعل مع المحافظة على آداب الشريعة لا يؤدى الى محذور و ان القائل بمنع ذلك جملة سدا للذريعة متقول على الله و على رسوله منتقص ما ثبت لذلك المزور من حق الزيارة.

و اعلم ان ها هنا امرين لابد منهما. احدهما وجوب تعظيم النبي صلى الله عليه و سلم و رفع رتبته عن سائر الخلق، و الثانى افراد الربوبية و اعتقاد ان الرب تبارك و تعالى منفرد بذاته و صفاته و افعاله عن جميع خلقه فمن اعتقد فى احد من الخلق مشاركة البارى تعالى فى ذلك فقد اشرك و جنى على جانب الربوبية فيما يجب لها و على الرسول فيما ادى الى الامة من حقها. و من قصر بالرسول عن شيء من رتبته فقد جنى عليه فيما يجب له و على الله تعالى بمخالفته فيما اوجب لرسوله. و من بالغ فى تعظيم النبي صلى الله عليه و سلم بانواع التعظيم و لم يبلغ به

ما يختص بالبارى تعالى فقد اصاب الحق و حافظ على جانب الربوبية و الرسالة جميعا و ذلك هو العدل الذى لا افراط فيه و لاتفريط .

و من المعلوم ان الزيارة بقصد التبرك و التعظيم لاتنتهى فى التعظيم الى درجة الربوبية و لاتزيد على مانص عليه فى القرآن و السنة وفعل الصحابة من تعظيمه فى حياته و بعد وفاته وكيف يتخيل امتناعها انا لله و انا اليه راجعون ، و هذا الرجل قد تخيل ان الناس بزيارتهم متعرضون للاشراك بالله تعالى و بنى كلامه كله على ذلك وكل دليل ورد عليه يصرفه الى غير هذا الوجه وكل شبهة عرضت له يستعين بها على ذلك فهذا داء لادواء له الابان يلهمه الله الحق أيرى هو لمازار قصد ذلك و اشرك مع الله غيره .

الفصل الثانى

فى تتبع كلماته، وقد سبق تتبع ما نقلته من خطه فى فتيا لم يسأل فيها عن الزيارة قصدا بل جاء ذكرها تبعا للكلام فى المشاهد و الذى اتصل عنه بالدولة نسخة فتيا نقلت من خطه وعلى رأسها بخط قاضى القضاة جمال الدين ما صورته قابلت الجواب عن هذا السؤال المكتوب دونه فى هذه الورقة على خط تقى الدين بن تيمية فصح سوى ما علم عليه بالاحمر فان مواضعه من الورقة التى بخطه وجدتها واهية و ليس ذلك بمحز انما المحز جعله زيارة النبى صلى الله عليه وسلم و قبور سائر الانبياء عليه السلام معصية بالاجماع مقطوعا بها . و كتب محمد بن عبدالرحمن القزوينى الشافعى وقد علم عليها الآن بالاسود فى هذه النسخة (بسم الله الرحمن الرحيم ما يقول السادة العلماء ائمة الدين نفع الله بهم المسلمين فى رجل نوى زيارة قبر نبى من الانبياء مثل نبينا محمد صلى الله عليه و سلم و غيره

فهل

فهل يجوز له فى سفره ان يقصر الصلاة و هل هـذه الزيارة شرعية ام لا و قد روى عن النبي صلى الله عليه و سلم انه قال من حج ولم يزرني فقد جفاني و من زارني بعد موتى كمن زارني فى حياتى و قد روى عنه صلى الله عليه و سلم انه قال لا تشد الرحال الا الى المسجد الحرام و المسجد الاقصى ومسجدى هذا . افتونا ما جورين) .

صورة ما وجد بخط تقى الدين بن تيمية رحمه الله مكتوبا تحت هذا السؤال جوابا عنه . الحمد لله اما من سافر لمجرد زيارة قبور الانبياء و الصالحين فهل يجوز له قصر الصلاة على قولين معروفين .

احدهما ـ و هو قول متقدمى العلماء من الذين لايجوزون القصر فى سفر المعصية كابى عبدالله بن بطة و ابى الوفاء بن عقيل و طوائف كثيرين من العلماء المتقدمين انه لايجوز القصر فى مثل هذا السفر لانه سفر منهى عنه ، و مذهب مالك و الشافعى و احمد ان السفر المنهى عنه فى الشريعة لايقصر فيه .

و القول الثانى انه يقصر فيه و هذا قول من يجوز القصر فى السفر المحرم كابى حنيفة رحمه الله و يقوله بعض المتأخرين من اصحاب الشافعى و احمد ممن يجوز السفر لزيارة قبور الانبياء و الصالحين كابى حامد الغزالى و ابى الحسين بن عبدوس الحرانى و ابى محمد بن قدامة المقدسى و هؤلاء يقولون ان هـذا السفر ليس بمحرم لعموم قوله زوروا القبور . و قد يحتج بعض من لايعرف الاحاديث بالاحاديث المروية فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم كقوله من زارنى بعد مماتى فكأنما زارنى فى حياتى رواه الدارقطنى و ابن ماجه و اما مايذكره بعض الناس من قوله من حج ولم يزرنى فقد جفانى فهذا لم يروه أحد من العلماء و هو مثل قوله من زارنى و زار ابى ابراهيم فى عام واحد

ضمنت له على الله الجنة فان هذا ايضا باطل باتفاق العلماء لم يروه احد ولم يحتج به احد وانما يحتج بعضهم بحديث الدارقطني .

وقد احتج ابومحمد المقدسي على جواز السفر لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبور الانبياء بان النبي صلى الله عليه وسلم كان يزور مسجد قباء واجاب عن حديث لا تشد الرحال بان ذلك محمول على نفي الاستحباب . واما الاولون فانهم يحتجون بما في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا ، وهذا الحديث اتفق الائمة على صحته والعمل به فلونذر الرجل ان يصلي في مسجد اومشهد او يعتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ولونذر أن يأتي المسجد الحرام بحج اوعمرة وجب عليه ذلك باتفاق العلماء ولونذر ان يأتي مسجد النبي صلى الله عليه وسلم اوالمسجد الاقصى لصلوة اواعتكاف وجب عليه الوفاء بهذا النذر عند مالك والشافعي واحمد ولم يجب عند ابي حنيفة لانه لايجب عنده بالنذر الاماكان من جنسه واجبا بالشرع ، واما الجمهور فيوجبون الوفاء بكل طاعة كما ثبت في صحيح البخاري عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعص الله فلايعصه والسفر الى المسجدين طاعة فلهذا بكل (؟) طاعة وجب الوفاء به ، واما السفر الى بقعة غير المساجد الثلاثه فلم يوجب احد من العلماء السفر اليه اذا نذره حتى نص العلماء على انه لا يسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة مع ان مسجد قبا يستحب زيارته لمن كان في المدينة لان ذلك ليس بشد رحل كما في الحديث الصحيح من تطهر في بيته ثم اتى مسجد قباء

لايريد

لايريد الاالصلوة فيه كان كعمرة قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء و الصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة و التابعين و لا امر بها رسول الله صلى الله عليه و سلم و لا استحب ذلك احد من ائمـــة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة و فعلهـا فهو مخالف للسنة و لاجماع الامة و هذا مماذكره ابوعبدالله بن بطة فى (ابانته الصغرى) من البدع المخالفة للسنة و الاجماع و بهذا يظهر ضعف حجة ابي محمد فان زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لمسجد قباء لم يكن بشد رحل و هو يدلهم ان السفر اليه لا يجب بالنذر .

و قوله ان قوله لاتشدالرحال محمول على نفى الاستحباب محتمل على وجهين أحدهما ان هذا تسليم منه ان هذا السفر ليس بعمل صالح و لاقربة و لاطاعة و لا هو من الحسنات فان من اعتقد فى السفر لزيارة قبورالانبياء و الصالحين انها قربة وعبادة وطاعة فقد خالف الاجماع و اذا سافر لاعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به، و معلوم ان احدا لايسافر اليها الالذلك واما اذا قدرأن الرجل يسافر اليها لغرض مباح فهذا جائز و ليس من هذا الباب .

الوجه الثانى ان النفى يقتضى النهى و النهى يقتضى التحريم و ماذكره من الاحاديث فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم فكلها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هى موضوعة لم يرو احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها و لم يحتج احد من الائمة بشيء منها بل مالك امام اهل المدينة النبوية الذين هم اعلم الناس بحكم هذه المسئلة كره ان يقول زرت قبر النبي صلى الله عليه و سلم و لو كان هذا اللفظ هو معروفا عندهم اومشروعا

اوماثورا عن النبي صلى الله عليه و سلم لم يكرهه عالم المدينة، و الامام احمد أعلم الناس فى زمانه بالسنة لماسئل عن ذلك لم يكن عنده مايعتمدعليه الاحديث ابى هريرة ان النبي صلى الله عليه و سلم قال مامن رجل يسلم على الارد الله على روحى حتى ارد عليه السلام، و على هذا اعتمد ابو داود فى سننه. وكذلك مالك فى الموطأ روى عن عبدالله بن عمر انه كان اذادخل المسجد فقال السلام عليك يارسول الله السلام عليك ياابابكر السلام عليك ياابت ثم ينصرف، و فى سنن ابى داود عن النبى صلى الله عليه و سلم انه قال لاتتخذوا قبرى عيدا وصلوا على فان صلوتكم تبلغنى حيث ما كنتم، و فى سنن سعيد بن منصور ان عبدالله بن حسن بن حسن ابن على بن ابى طالب رأى رجلا يختلف الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم يدعو عنده فقال ياهذا ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لاتتخذوا قبرى عيداو صلوا على حيث ما كنتم فان صلوتكم تبلغنى فما انت و رجل بالاندلس الا سواء، و فى الصحيحين عن النبي صلى الله عليه و سلم انه قال فى مرض موته لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد مسجدا يحذر مافعلوا.

قالت عائشة و لولا ذلك لابرز قبره و لكن كره ان يتخذا مسجدا فهم دفنوه فى حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن فى الصحراء لئلا يصلى أحد عند قبره و يتخذه مسجد افيتخذ قبره وثنا وكان الصحابة و التابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة عن المسجد الى زمان الوليد بن عبدالملك لايدخل احد الى عنده لالصلوة هنالك و لالمسح بالقبر و لا دعاء هناك بل هذا جميعه انما يفعلونه فى المسجد وكان السلف من الصحابة و التابعين اذا سلموا عليه و ارادوا الدعاء دعوا مستقبلى القبلة و لم يستقبلوا القبلة.

و اما

واما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل القبلة ايضا ولا يستقبل القبر وقال اكثر الائمة بل يستقبل القبر عند السلام خاصة ولم يقل احد من الائمــة انه يستقبل القبر عند الدعاء الافى حكاية مكذوبة تروى عن مالك ومذهبه بخلافها، واتفق الائمة على انه لايتمسح بقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يقبله وهذا كله محافظة على التوحيد فان من اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد كما قال طائفة من السلف فى قوله (تعالى وقالوا لاتذرن الهتكم ولاتذرن ودا ولاسواعا ولايغوث ويعوق ونسرا) قالوا هؤلاء كانوا قوما صالحــين فى قوم نوح فلما ماتوا عــكفوا على قبورهم ثم صوروا على صورهم تماثيل ثم طال عليهم الامد فعبدوها وقد ذكر هذا المعنى البخارى فى صحيحه عن ابن عباس وذكره ابن جرير والطبرى وغيره فى التفسير عن غير واحد من السلف وذكره وثيمة وغيره فى قصص الانبياء من عدة طرق وقد بسط الكلام على اصول هذه المسائل فى غير هذا .

واول من وضع الاحاديث فى السفر لزيارة المشاهد التى على القبور هم اهل البدع من الرافضة ونحوهم الذين يعطلون المساجد ويعظمون المشاهد يدعون بيوت الله التى امر أن يذكر فيها اسمه ويعبد وحده لاشريك له ويعظمون المشــاهد التى يشرك فيها ويكذب فيها ويبتدع فيهــا من لم ينزل الله به سلطانا فان الكتاب والسنة انما فيــه ذكر المساجد دون المشاهد كما قال الله تعالى (قل امر ربى بالقسط واقيموا وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين) وقال الله تعالى (انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر واقام الصلوة) الآية وقال الله تعالى (وان المساجد لله فلاتدعوا مع الله احدا)، قال الله

تعالى (و لا تباشروهن و انتم عاكفون فى المساجد) و قال الله تعالى (و من اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه و سعى فى خرابها) لآية و قد ثبت عنه فى الصحيح انه كان يقول ان من كان قبلكم كانوا يتخذون القبور مساجد ألا فلا تتخذوا القبور مساجد فانى انهاكم عن ذلك . و الله سبحانه اعلم ، كتبه احمد بن تيمية هذا صورة خطه من اول الجواب الى هنـا .

قلت اما قوله من سافر بمجرد زيارة قبور الانبياء و الصالحين فهل يجوز له قصر الصلوة على قولين معروفين فيرد عليه فيه اسولة احدها ان زيارة قبور الانبياء و الصالحين اما ان تكون عنده قربة او مباحة او معصية فان كانت معصية فلاحاجة الى قوله بمجرد فان القولين فى سفر المعصية سواء بمجرد قصد المعصية ام انضم اليه قصد آخر و ان كانت قربة لم يجر فيها الا قولان بل يقصر بلاخلاف . و ان كانت مباحة فالمسافر لذلك له حالتان ، احداهما ان يسافر معتقدا ان ذلك من المباحات المستوية الطرفين فيجوز القصر ايضا بلاخلاف و لا اشكال فى ذلك كالسفر لسائر الامور المباحة ، و الثانية ان يسافر معتقدا ان ذلك قربة و طاعة و هذا سيأتى الكلام فيه و على تقدير ان يسلم له ما يقول يكون كلامه هنا مطلقا فى موضع التفصيل فهو على التقديرين الاولين خطأ صريح و على التقدير الثالث خطأ بالاطلاق فى موضع التفصيل .

السؤال الثانى انه بنى كلامه فى ذلك على ان هذا السفر مختلف فى تحريمه فقد قدمنا انكار هذا الخلاف و انه لم يتحقق صحته الا ماوقع فى كلام ابن عقيل و قد قدمنـا الكلام عليه و على تقدير صحته و عدم تأويله لم يتعرض فيه لقبر النبي صلى الله عليه و سلم و لايجوز أن ينقل عنه

فيه بخصوصه شيء مع اطباق الناس على السفر اليه. و ابن تيمية رحمه الله نقل المنع من القصر فيه عن ابن بطة و ابن عقيل و طوائف كثيرين من العلماء المتقدمين و هو مطلوب بتحقيق هذا النقل و تبيين هولاء الطوائف الكثيرين من المتقدمين .

السوال الثالث ، انه جعل المنع من القصر قول متقدمي العلماء كابن بطة و ابن عقيل فجعل ابن عقيل من المتقدمين ثم جعل القول بجواز القصر قول ابي حنيفة رحمه الله و بعض المتأخرين من اصحاب الشافعي و احمد كالغزالي و غيره و الغزالي في طبقة ابن عقيل بل تاخرث و فاته عنه فان وفاة الغزالي في سنة خمس و خمسمائة و وفاة ابن عقيل في سنة ثلاث عشرة و خمسمائة فكيف يجعل ابن عقيل من المتقدمين و الغزالي من المتاخرين و ليس ابن تيمية رحمه الله ممن يخفى عنه طبقتهما فان كان مراده بجعل ابن عقيل من المتقدمين ان ينفق قوله عند العوام لاختياره اياه، و بجعله الغزالي من المتأخرين ان يضعف قوله عند العوام فليس ذلك صنيع أهل العلم .

قوله ان من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي رواه ابن ماجه ليس كذلك لم اره في سنن ابن ماجه .

قوله فمن حج و لم يزرني فقد جفاني لم يروه احد من العلماء، ليس بصحيح و قد قدمنا من رواه و ان كان ضعيفا .

قوله لو نذر الرجل ان يصلي في مسجد او مشهد او يعتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ليس بصحيح فان في مذهب الشافعي و جهين مشهورين فيما اذا نذر الاعتكاف في مسجد معين غير المساجد الثلاثة هل يتعين كما يتعين المساجد الثلاثة أولا .

قوله حتى نص العلماء على انه لايسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة ليس كذلك عن العلماء كلهم فان المنقول عن الليث بن سعد انه متى نذر مسجدا لزمه من المساجد الثلاثة وغيرها والمنقول عن بعض المالكية انه يجوز اعمال المطى لغير الناذر مطلقا وحمل على ذلك اتيان النبي صلى الله عليه وسلم مسجد قباء فانه كان بغير نذر فهذان المذهبان يردان قوله ان العلماء نصوا على انه لايسافر الى مسجد قباء .

قوله قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء والصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة ولا التابعين ولا امربها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك احد من ائمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعلها فهو مخالف للسنة ولاجماع الامة هذا من البهت الصريح وقد قدمنا من فعل ذلك من الصحابة والتابعين ومن استحبه من علماء المسلمين وأئمتهم بجحد ذلك مباهتة .

ثم قوله قالوا، وجعله ذلك على لسان غيره، ان كان مراده به ان يخلص من تبعته عند المخالفة (١) فليس ذلك من دأب العلماء ثم هو مطلوب بنقل هذا القول برمة عن المتقدمين الذين نسبه اليهم اوعن بعضهم ثم نسبة ذلك الى غيره لا يخلصه لانه انما حكاه حكاية من يرتضيه وينتصر له ويفتى به العوام ويغريهم على اعتقاده ولا يفرق العامى الذى يسمع هذه الفتيا بين ان يذكره عن نفسه اوحاكيا عن غيره .

قوله وهذا مما ذكره ابو عبد الله بن بطة فى اباناته الصغرى ، قلنا قد ذكرنا عن ابن بطة فى الابانة ما يخالف هذا فى حق قبر النبي

(١) كذا ولعله « المحاققة »

صلى الله

صلى الله عليه وسلم ورأيت من يذكر ان لابن بطة ابانتين وان الذى نقله ابن تيمية رحمه الله من الصغرى والذى نقلناه من الكبرى فان صح ذلك .وصح ما نقله ابن بطة فى الصغرى فيحمل على غير قبر النبي صلى الله عليه وسلم توفيقا بين الكلامين وان قال ابن بطة خلاف ذلك لم يلتفت اليه وقد ذكر الخطيب ابن بطة فى تاريخ بغداد وحكى كلام المحدثين فيه من جهة دعوى سماع مالم يسمع وقول ابى القاسم الازهرى فيه انه ضعيف ضعيف ضعيف ليس بحجة وذكر عنه عن البغوى عن مصعب عن مالك عن الزهرى عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم وقال انه باطل من حديث مالك ومن حديث مصعب عنه ومن حديث البغوى عن مصعب وهو موضوع بهذا الاسناد والحمل فيه على ابن بطة هكذا قال فى التاريخ وحكى مع ذلك ايضا انه كان شيخا صالحا مستجاب الدعوة فالله تعالى يسلمنا من اثمه وانما اردنا ان نبين حاله ليعلم الناظر أنه على تقدير صحة النقل عنه ليس ممن يعتمد فى كلامه الخطأ .

قوله ان قول ابى محمد المقدسى ان قوله لا تشد الرحال محمول على نفى الاستحباب يحتمل وجهين احدهما ان هذا تسليم منه ان هذا السفر ليس بعمل صالح ولا قربة ولا طاعة ولاهو من الحسنات اذ من اعتقد فى السفر لزيارة قبور الانبياء والصالحين انها قربة وعبادة وطاعة فقد خالف الاجماع .اعلم ان هذا الكلام فى غاية الايهام والفساد اما الايهام فلان بعض من يراه يتوهم انه استنتج مما سبق انعقاد الاجماع على ان ذلك ليس بقربة ونحن قد قدمنا عن الليث ابن سعد وبعض المالكية ما يقتضى ان السفر الى غير المساجد الثلاثة

قربة فبطل التعرض لدعوى الاجماع وانما مقصود ابن تيمية رحمه الله الزام ابى محمد المقدسى على قوله ان لا تشد الرحال محمول على نفى الاستحباب وعلى تقدير أن هذا تسليم منه لان هذا السفر ليس بعمل صالح وغاية ما يلزم من هذا ان هذا السفر [ليس] بقربة وان من اعتقد انه قربة فقد خالف أبا محمد وان ذلك من مخالفة الاجماع واما فساده فلان ابا محمد انما تكلم فى جواز القصر ومقصوده اثبات الاباحة فانها كافية فيه فنفى توهم التحريم بحمل الحديث على نفى الفضيلة اى لا يستحب شد الرحال الى مكان الا الى الثلاثة ومع هذا لابد فيه من تأويل لان السفر مستحب لطلب العلم وغيره الى غيرها فالمقصود لا يستحب اليها من حيث هى وقد يكون هناك امر آخر يقتضى الاستحباب او الوجوب ولا مانع يكون قصد زيارة شخص مخصوص او أشخاص مما يقتضى الاستحباب ولم يتعرض ابو محمد لذلك لانه لم يتكلم فيه وانما تكلم فى جواز القصر فاقتصر على ما يكفى فيه وهو اثبات الاباحة .

قوله واذا سافر لاعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به هذا ايضا توهم وفاسد اما ايهامه فلأن كثيرا ممن يسمعه يظن ان هذا كلام مبتدأ ادعى فيه انعقاد الاجماع على التحريم وان ذلك مقطوع به، وكأن ابن تيمية اراد ذلك وجعله معطوفا على الزام الشيخ ابى محمد حتى اذا حوقق فيه تخلص من دركه بجعله معطوفا وليس هذا دأب من يبغى الارشاد بل من يبغى الفساد فامافساده، فلانا لوسلمنا ان السفر ليس بطاعة بالاجماع فسافر شخص معتقدا انه طاعة كيف يكون سفره محرماباجماع المسلمين

المسلمين اوعلى قول عالم من علماء المسلمين فان من فعل مباحا معتقدا انه قربة لا يأثم و لا يوصف ذلك بكونه محرما بل ان كان اعتقاده ذلك لما ظنه دليلا و ليس بدليل و قد بذل و سعه فى ذلك كان مثابا عليه بمقتضى ظنه و الا كان جهلا و لا اثم عليه فيه و لا اجر و فعله موصوف بالاباحة على حاله فمن اين يأتى وصفه بالتحريم .

و انما يأتى هذا الكلام فى المباح اذا فعله على وجه العبادة مع اعتقاده انه ليس بعبادة فهذا يأثم به و يكون حراما لانه تقرب الى الله تعالى بما ليس بقربة عندالله تعالى و لا فى ظنه و من هنا نشأ الغلط فى هذه المسئلة و هكذا سائر البدع و من ابتدع عبادة فعليه اثم ابتداعه لانه ادخل فى الدين ماليس فيه و اثم فعله لانه تقرب بما يعتقد انه ليس من الدين و امامن قلده من العوام فان كان ذلك مما يسوغ فيه التقليد كالفروع و فعله معتقدا بأنه عبادة شرعية فلا اثم عليه و ان كان مما لا يسوغ فيه التقليد كاصول الدين فعليه الاثم و مسئلتنا هذه من الفروع فلوفرضنا انه لم يقل احد باستحباب السفر و فعله شخص على جهة الاستحباب معتقدا ذلك لشبهة عرضت له لم يحرم ولم يأثم فكيف وكل الناس قائلون باستحبابه .

قوله و معلوم ان احدا لا يسافر اليها الالذلك هذا يقتضى ان كلامه ليس فى امر مفروض بل فى الواقع الذى عليه الناس و ان الناس كلهم انما يسافرون لاعتقادهم انها طاعة و الامر كذلك و يقتضى على زعمه ان سفر جميعهم محرم باجماع المسلمين فانالله و انا اليه راجعون أيكون جميع المسلمين فى سائر الاعصار من سائر اقطار الارض مرتكبين لامرمحرم مجمعين عليه، فهذا الكلام من ابن تيمية رحمه الله

يقتضى تضليل الناس كلهم القاصدين لزيارة النبي صلى الله عليه و سلم و معصيتهم ، و هذه عثرة لاتقال و مصيبة عظيمة ، و لا حول و لا قوة الا بالله العلى العظيم .

قوله و اما اذا قدر أن الرجل يسافر اليها لغرض مباح فهذا جائز و ليس من هذا الباب مفهوم هذا الكلام ان غرض الزيارة ليس بمباح . قوله ، الوجه الثانى ان النفى يقتضى النهى و النهى يقتضى التحريم ظاهر صدر كلامه ان كلام ابي محمد يحتمل وجهين هذا ثانيهما و انما يتجه هذا الوجه الثانى على سبيل الرد لقول ابي محمد يعنى ان حمله على نفى الاستحباب خلاف الظاهر لانه نفى و النفى يقتضى النهى و النهى يقتضى التحريم و جواب هذا بالدليل المانع من حمله على التحريم و تعين المصير الى المجاز على ان هذه العبارة فاسدة لان النفى لا يقتضى النهى و انما يستعمل فيه على سبيل المجاز نعم قد يقال بان النهى يقتضى النفى على العكس مما قال اما كون النفى يقتضى النهى فلا يقول به احد و انما مراده انه نفى بمعنى النهى .

و اذا عرف هذا فلابي محمد أن يقول لا شك ان حقيقة النفى خبر لايقتضى تحريما و لا كراهة و النهى له معنيان أحدهما هو فيه حقيقة و هو التحريم و الآخر هو فيه مجاز و هو الكراهة فاذا صرف النهى عن حقيقة الخبرية الى معنى النهى احتمل ان يستعمل فى التحريم اوالكراهة و اياما كان فاستعماله فيه مجاز لان الخبر غير موضوع له فان رجح استعماله فى التحريم لبعض المرجحات كان ذلك من باب ترجيح بعض المجازات على بعض و قد يكون ذلك الترجيح معارضا بترجيح آخر فلابي محمد أن يمنع كون اللفظ المذكور حقيقة فى التحريم اوظاهرا

اوظاهرا فيه قال الخبر ليس مستعملا فى لفظ النهى بل فى معناه ومعناه منقسم الى الحقيقى و المجازى، فان قيل النهى النفسانى شيء واحد وهو طلب الترك الجازم المانع من النقيض و ما سواه ليس بنهى حقيقة فاذا ثبت ان المراد بالخبر النهى ثبت التحريم قلنا حينئذ يمنع ان المراد بالخبر النهى .

و قوله ان ما ذكروه من الاحاديث فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم فكلها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هى موضوعة لم يرو احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها قد بينا بطلان هذه الدعوى فى اول هذا الكتاب ما روى مالك من كراهة، قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه و سلم بينا مراده فى الباب الرابع .

قوله و لو كان هذا اللفظ مشروعا عندهم الى آخره كلام فى غير محل النزاع لان النزاع ليس فى اللفظ و لم يسئل عنه و انما هو فى المعنى و ما ذكره عن احمد و ابى داود و مالك فى الموطأ فكله حجة عليه لا له لان المقصود معنى الزيارة و هو حاصل من تلك الآثار و اما حديث لا تتخذوا قبرى عيدا فقد تقدم الكلام عليه و حديث لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لا يدل على مدعاه لانا لم نتخذه مسجدا فان اراد قياس الزيارة عليه فقد سبق الكلام فى ذلك .

قوله فهم دفنوه فى حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن فى الصحراء لئلا يصلى احد عند قبره و يتخذه مسجدا فيتخذ قبره وثنا هذا ليس بصحيح، وانما دفنوه فى حجرة عائشة لما روى لهم ان الانبياء يدفنون حيث يقبضون بعد اختلافهم فى اين يدفن فلما روى لهم الحديث المذكور دفنوه هناك وهذا من الامور المشهورة التى يعرفها

كل أحد ولم يقل احد انهم دفنوه هناك للغرض الذى ذكره .

قوله وكان الصحابة و التابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة عن المسجد لا يدخل احد الى عنده لا لصلاة هنالك و لا لمسح بالقبر و لا دعاء هناك فنقول ان هذا لا يدل على مقصوده و نحن نقول ان من ادب الزياره ذلك و ننهى عن التمسح بالقبر و الصلاة عنده على ان ذلك ليس مما قام الاجماع عليه فقد روى ابو الحسين يحيي بن الحسن بن جعفر بن عبيد الله الحسيني فى كتاب اخبار المدينة قال حدثني عمر بن خالد ثنا ابو نباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله ابن حنطب قال اقبل مروان بن الحكم فاذا رجل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدرى ماذا تصنع فاقبل عليه فقال نعم انى لم آت الحجر و لم آت اللبن انما جئت رسول الله صلى الله عليه لا تبكوا على الدين اذا وليه أهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير أهله . قال المطلب و ذلك الرجل ابو ايوب الانصارى رضى الله عنه قلت و ابو نباتة يونس بن يحيي ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه فان صح هذا الاسناد لم يكره مس جدار القبر وانما اردنا بذكره القدح فى القطع بكراهة ذلك. قوله وكان السلف من الصحابة و التابعين اذا سلموا عليه و ارادوا الدعاء دعوا مستقبلى القبلة ولم يستقبلوا القبر هذا فيه اعتراف بدعاء السلف عند السلام و تركهم الدخول الى الحجرة مبالغة فى الادب و تركهم استقبال القبر عند الدعاء ان صح لا يدل على انكار الزيارة و لا على انكار السفر لها .

قوله . و اما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل القبلة ايضا هو كذلك ذكره ابو الليث السمرقندى فى الفتاوى عطفا على

حكاية حكاها الحسن بن زياد عن ابي حنيفة رحمه الله، و قال السروجي الحنفي يقف عندنا مستقبل القبلة، قال الكرماني و عن اصحاب الشافعي و غيره يقف و ظهره الى القبلة و وجهه الى الحظيرة، و هو قول ابن حنبل واستدلت الحنفية بان ذلك جمع بين عبادتين، و قول اكثر العلماء استقبال القبلة عند السلام و هو الاحسن و الأدب فان الميت يعامل معاملة الحي و الحي يسلم عليه مستقبلا فكذالك الميت و هذا لاينبغي ان يتردد فيه. و قوله ان اكثر العلماء قالوا يستقبله عند السلام خاصة . التقييد بقوله خاصة يطلب بنقله بل مقتضى كلام اكثر العلماء من الشافعية و المالكية و الحنابلة الاستقبال عند السلام و الدعاء، و ذكر النقل فى استقبال القبلة عن ابي حنيفة رحمه الله ليس فى المشهور من كتب الحنفية بل غالب كتبهم ساكتة عن ذلك وقد قدمنا عن ابي حنيفه رحمه الله انه قال جاء ايوب السختياني فدنا من قبر النبي صلى الله عليه و سلم فاستدبر القبلة و اقبل بوجهه الى القبر، و قال ابراهيم الحربي فى مناسكه تولى ظهرك القبلة و تستقبل و سطه ـ يعني القبر ، ذكره الآجري عنه فى كتاب الشريعة و ذكر السلام و الدعاء .

قوله ، و لم يقل احد من الائمة يستقبل القبر عند الدعاء الا فى حكاية مكذوبة تروى عن مالك و مذهبه بخلافها ، اما انكاره ذلك عن احد من الائمة فقد قدمنا عن ابي عبد الله السامري الحنبلي صاحب كتاب المستوعب فى مذهب احمد انه قال يجعل القبر تلقاء وجهه و القبلة خلف ظهره و المنبر عن يساره و ذكر كيفية السلام و الدعاء الى آخره، و ظاهر ذلك انه يستقبل القبلة فى السلام و الدعاء جميعا، و هكذا اصحابنا و غيرهم اطلاق كلامهم يقتضي انه لافرق فى استقبال

القبر بين حالتى السلام و الدعاء. وكذا ما قدمناه الآن عن ابراهيم الحربى، و قد صرح اصحابنا بانه يأتى القبر الكريم فيستدبر القبلة و يستقبل جدار القبر و يبعد من رأس القبر نحو اربعة اذرع فيسلم على النبى صلى الله عليه و سلم ثم يتأخر عن صوب يمينه فيسلم على ابى بكر رضى الله عنه ثم يتأخر ايضا فيسلم على عمر رضى الله عنه ثم يرجع الى موقفه الاول قبالة رسول الله صلى الله عليه و سلم و يتوسل به فى حق نفسه و يستشفع به الى ربه سبحانه و تعالى و يقول حكاية العتبي ثم يتقدم الى رأس القبر فيقف بين القبر و الاسطوانة التى هناك و يستقبل القبلة و يحمد الله تعالى و يمجده و يدعو لنفسه و لوالديه و من شاء بما احب، و حاصله ان استقبال القبلة فى الدعاء حسن و استقبال القبر ايضا حسن لاسيما حالة الاستشفاع به و مخاطبته ولا أعتقد أن احدا من العلماء كره ذلك و من ادعى ذلك فليثبته .

وقوله ان الحكاية عن مالك مكذوبة فقد قدمنا ان هذه الحكاية رواها القاضى عياض عن القاضى لبى عبد الله محمد بن عبد الرحمن الاشعرى و ابى القاسم احمد بن بقى الحاكم وغير واحد فيما اجازوه قالوا ثنا احمد بن عمرو بن دلهاث ثنا على بن فهر عن محمد بن احمد ابن الفرج ثنا ابو الحسن عبد الله بن المنتاب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابى اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابو جعفر امير المؤمنين مالكا فى مسجد رسول الله صلى الله عليه و سلم فذكرها الى ان قال ابو جعفر يا ابا عبدالله أستقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم ؟ فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام بل استقبله و استشفع به فيشفعك الله تعالى هكذا ذكرها القاضى عياض

فى

فی الشفاء فی الباب الثالث فی تعظیم امره و وجوب توقیره و بره صلی الله علیه و سلم و لم یعقبها بانکار. و لا قال ان مذهبه بخلافها بل قال فی الباب الرابع فی فصل فی حکم زیارة قبره قال مالک فی روایة ابن وهب و هو اذا سلم علی النبی صلی الله علیه و سلم و دعا یقف و وجهه الی القبر لا الی القبلة و یدنو و یسلم و لا یمس القبر بیده فهذا نص عن مالک من طریق اجل اصحابه و هو عبدالله بن وهب احدا لائمة الاعلام صریح فی انه یستقبل عند الدعاء القبر لا القبلة، و ذکر القاضی عیاض انه قال فی المبسوط لا اری ان یقف عند القبر یدعو و لکن یسلم و یمضی قلت فالاختلاف بین المبسوط و روایة ابن وهب فی کونه یقف للدعاء اولا و لیس فی الاستقبال و قد قدمنا عن کثیر من کتب المالکیة انه یقف ویدعو ولم نراحدا منهم قال بانه اذا وقف عند القبر یستدبره و یدعو و لایجعله الی جانبه فکیف یحل لذی علم ان یدعی ان مذهب مالک بل مذهب جمیع العلماء بخلاف الحکایة المذکورة و یجعل ذلک وسیلة الی تکذیبها و تکذیب ناقلیها بمجرد الوهم و الخیال من غیر دلیل اقتضی له ذلک الابجرد شیء قام فی نفسه.

و قد ذکر القاضی عیاض اسنادها و هو اسناد جید، اما القاضی عیاض فناهیك به نبلا و جلالة و ثقة و امانة و علما مجمعا علیه و شیخه ابوالقاسم احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن بقی ابن مخلد من بیت العلم و الجلالة ذکره ابن بشکوال و ذکر شیوخه الذین سمع منهم، ثم قال وکتب الیه ابو العباس العذری بالاجازة و شورر بالاحکام بقرطبة فصار صدر المفتین بها لسنه و تقدمه و هومن بیت علم و نباهة و فضل و صیانة وکان ذاکرا للمسائل و النوازل دربا بالفتوی بصیرا

۵۴۰ھ

بنقد الشروط و عللها مقدما فى معرفتها اخذ الناس عنه ، و لد فى شعبان سنة ست و اربعين و اربعمائة وتوفى فى سلخ سنة اثنتين و ثلاثين و خمسمائة و ذكر ابن بشكوال ، ايضا ابا عبدالله محمد بن عبدالرحمن بن على بن سعيد بن عبدالله بن سيرين يكنى ابا عبدالله كان من اهل العلم و المعرفة و الفهم عالما بالفروع و الاصول و استقضى باشبيلية و حمدت سيرته توفى سنة ثلاث و خمسمائة كتب الى القاضى ابوالفضل بوفاته ، قلت ، و الظاهر انه الذى و صفه القاضى عياض بالاشعرى ،و شيخهم ابوالعباس احمد بن عمرو بن انس بن دلهاث العدوى ، قال ابوالقاسم خلف بن عبدالملك بن مسعود بن موسى بن بشكوال رحل الى المشرق مع ابويه سنة سبع و اربعمائة و صلوا الى بيت الله الحرام فى شهر رمضان سنة ثمان جاوروا اعواما و انصرف عن مكة سنة ست عشرة فسمع بالحجاز سماعا كثيرا و صحب الشيخ الحافظ اباذر الهروى و سمع منه صحيح البخارى سبع مرات و كان متقنا بالحديث و نقله و روايته و ضبطه مع ثقته و جلالة قدره و علواسناده سمع الناس منه و حدث عنه كبار العلماء ابن عبدالبر و ابن حزم و ابو على الغسانى و جماعة ، قال ابوعلى اخبرنى ابوالعباس ان مولده فى ذى القعدة سنة ثلاث و تسعين و ثلاثمائة و توفى فى آخر شعبان سنة ثمان و سبعين و اربعمائة و دفن بالمدينة ۔

و شيخه ابوالحسن على بن الحسن بن على بن فهر الرازى المصرى الحافظ روى عن الحسن بن رشيق و اسماعيل بن ابى محمد الازدى و روى مسند الموطا عن مؤلفه الحرم و سمعه منه بمصر روى عنه البيهق و شيخه محمد بن احمد بن محمد بن الفرج ابوبكر المعرى الجزائرى العاج توفى فى ذى القعدة سنة ثمان و ستين و ثلا ثمائة و ذكره ابن السمعانى

فى

فى الجزائرى ذكره القراب عن المالينى قال و قال ابن المنذر هو ثقة .

و شيخه ابوالحسن عبدالله بن المتاب هو عبدالله محمد بن المتناب القاضى روى عنه ابوالحسن الجوزى احدائمة اصحابنا مقرونا بابى بكر النيسابورى حديث الاسلام ان تسلم و جهك فتقيم الصلاة و توتى الزكاة و تصوم رمضان و تحج البيت و تعتمر و شيخه يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم ابن كا بجر المعروف و الده باسحاق بن ابى اسرائيل حدث عن ابيه و داود بن رشيد و احمد بن عبد الصمد الانصارى و الحسن بن شبيب وعمر بن شبة النميرى روى عنه المفضل بن سلمة و عبد الصمد الطبسى و ابو القاسم الطبرانى قال الدارقطنى لا بأس به ذكره الخطيب و شيخه ابن حميد اظن انه ابوسفيان محمد بن حميد المعمرى، فان الخطيب ذكره فى الرواة عن مالك و انه قال كتب عن مالك موطأه ارانيه فجعل يعرضه على و يقول قلت فى كسوة المسلمين فى كفارة اليمين كذا أليس هذا حسن فان يكنه فهو ثقة روى له مسلم توفى سنة اثنتين و مأتين و قيل له المعمرى لانه رحل الى معمر فانظر الى هذه الحكاية و ثقة رواتها و موافقتها لما رواه ابن وهب عن مالك و حسبك بابن وهب فقد قيل كان الناس بالمدينة يختلفون فى الشيء عن مالك فينتظرون قدوم ابن وهب حتى يسألوه عنه، و قال ابن بكير : ابن وهب افقه من ابن القاسم .

و لنا هاهنا طرق ، احداها الاخذ برواية ابن وهب فقط لرجحانها الثانية الاعتراف بالروايتين و ان هذا ليس من الاختلاف فى حلال و حرام و لافى مكروه فان استقبال القبلة حسن و استقبال القبر حسن، الثالثة لوثبت له مازعمه من استقبال القبلة خاصة و عدم استقبال القبر عند الدعاء فاى شيء يلزم من ذلك و هل هذا الا كما اذا قلت المصلى

يستقبل القبلة و لا يستقبل القبر فهل لهذا مدخل فى الزيارة و لفظه(؟) من العوام ربربأبنفسه عن هذا الكلام فضلا عن علماء الاسلام و قدطالعت عدة كتب من كتب المالكية فلم ارفيها عن احد المنـع من استقبال القبر فى الدعاء و لا كراهة ذلك و لانه خلاف الاولى غير ما قدمته عن المبسوط و ليس ذلك فى انه يدعو غير مستقبل كما ادعاه ابن تيمية اما الذى ادعى ابن تيمية انه مذهب مالك و مذهب جميع العلماء انـه اذا سلم مستقبل القبر و اراد الدعاء استدبر القبر و لأجله رد الحكاية المذكورة عنه لم نلقه فى شيء من كتب المالكية و لا من كتب غيرهم و قدقدمت فى الباب الرابع من كلام المالكية فى الزيارة جملة .

و بقيت جملة اذكرها هاهنا ، قال ابو الحسن اللخمى فى التبصرة فى باب من جاء مكة ليلا او بعد العصر او الصبح و يبتدىء فى مسجد النبي صلى الله عليه و سـلم بركعتين تحية المسجد قبل ان يأتى القبر و يسلم و هذا قول مالك و قال ابن حبيب يقول اذا دخل بسم الله و سلام على رسول الله . يريد انه يبتدىء بالسلام من موضعه ثم يركع و لو كان دخوله من الباب الذى بناحية القبر و مروره عليه فوقف فسلم ثم تمادى الى موضع يصلى فيه لم يكن ضيقا ، انتهى كلام اللخمى .

و قال ابن بشير المالكى فى كتاب التنبيه على مبادئ التوجيه فى دخول مكة و حكم الطواف والركوع و السعى، و الاولى لمن دخل المدينة الابتداء بالركوع فى مسجده ثم ينصرف الداخل الى القبر فيسلم على الرسول صلى الله عليه و سلم و يكثر من الصلوة عليـه ثم يدعو فى نفسه بما احب ثم يسلم على ابى بكر و عمر رضى الله عنهما و يستحب له ان يفعل ذلك عند خروجه من المدينة. وظاهر هذا الكلام انه يدعو مستقبل القبر .

و قال

و قال ابن يونس المالكي فى باب فرائض الحج و الغسل لها و دخول المدينة و صفة الاحرام و التلبية، قال ابن حبيب و يقول اذا دخل مسجد النبي صلى الله عليه و سلم بسم الله السلام على رسول الله السلام علينا من ربنا صلى الله و ملائكته على محمد اللهم اغفرلى ذنوبى و افتح لى ابواب رحمتك و جنتك و احفظنى من الشيطان، ثم اقصد الى الروضة و هى ما بين القبر و المنبر فاركع فيها ركعتين قبل و قوفك بالقبر تحمد الله تعالى و تسأله تمام ما خرجت له و العون عليه و ان كانت ركعتان فى غير الروضة اجزأتا عنك و فى الروضة افضل و قد قال عليه السلام ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة و منبرى على ترعة من ترع الجنة .

قال ابن حبيب ثم اقصد اذا قضيت ركعتيك الى القبر من و جاه القبلة فادن منه ثم سلم على رسول الله صلى الله عليه و سلم و سلم و أثن عليه و عليك السكينة و الوقار فانه صلى الله عليه و سلم يسمع و يعلم و قوفك بين يديه و تسلم على ابى بكر و عمر رضى الله عنهما و تدعو لهما و اكثر الصلوة فى مسجد الرسول عليه الصلاة و السلام بالليل و النهار و لا تدع ان تأتى مسجد قباء و قبور الشهداء، انتهى و ناهيك بهذا الكلام من ابن حبيب رحمه الله و تصريحه و جزمه بان النبي صلى الله عليه و سلم يسمع كلام المسلم عليه و يعلم و قوفه بين يديه و ابن حبيب رحمه الله من اجلة العلماء .

و قال النووى فى كتاب رؤس المسائل عن الحافظ ابى موسى الاصبهانى انه روى عن مالك بن انس الامام رحمه الله انه قال اذا اراد الرجل ان يأتى قبر النبي صلى الله عليه و سلم فيستدبر القبلة و يستقبل النبي صلى الله عليه و سلم و يصلى عليه و يدعو . ورأيت فى شرح كتاب عبد الله بن عبد الحكم الكبير لابى بكر محمد بن عبد الله

ابن صالح الابهرى فى كتاب الجامع قال ابن وهب سئل مالك اين يقف من اراد التسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم من القبر قال عند الزاوية التى تلى القبلة مما يلى المنبر مستقبل القبلة ولا احب ان يمس القبر بيده . انما قال ذلك لانه شاهد الناس يسلمون على النبى صلى الله عليه وسلم فاستحب الاقتداء بهم ولايمس قبره ولاحائطه تعظيماله وان ذلك لم يكن عليه فعل من مضى وهذه النسخة يحتمل ان تكون غلطا لان رواية ابن وهب عن مالك كما تقدم ان المسلم يستقبل القبر لا القبلة ويشهد لها رواية ابى موسى وكلام المالكية ويحتمل ان يكون عنه فى ذلك روايتان ، احداهما كمذهب ابى حنيفة رحمه الله والاخرى هى المشهورة ولوثبت عن مالك وعن غيره ان الاولى استقبال القبلة فى الدعاء لا القبر لم يكن فى ذلك شىء من منع الزيارة ولا السفر ولاما نحا من تعظيم القبر ومن اعتقد ذلك فقد ضل، وكل ما ذكره بعد ذلك تقدم الجواب عنه وانه لايدل على مقصوده .

الباب الثامن

فى التوسل والاستعانة والتشفع بالنبى صلى الله عليه وسلم

اعلم انه يجوز ويحسن التوسل والاستعانة والتشفع بالنبى صلى الله عليه وسلم الى ربه سبحانه وتعالى وجواز ذلك وحسنه من الامور المعلومة لكل ذى دين المعروفة من فعل الانبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين ولم ينكر احد ذلك من اهل الاديان ولاسمع به فى زمن من الازمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم فى ذلك بكلام يلبس فيه على الضعفاء الاغمار وابتدع ما لم يسبق اليه فى سائر الاعصار ولهذا طعن فى الحكاية التى تقدم ذكرها

عن مالك فان فيها قول مالك للمنصور : استشفع به. و نحن قد بينا صحتها و لذلك ادخلنا الاستعانة فى هــذا الكتاب لما تعرض اليها مع الزيارة و حسبك ان انكار ابن تيمية للا ستعانة و التوسل قول لم يقله عالم قبله . و صاربه بين اهل الا سلام مثله ، و قد و قفت له على كلام طويل فى ذلك رأيت من الرأى القويم ان اميل عنه الى الصراط المستقيم و لااتبعه بالنقض و الابطال ، فان دأب العلماء القاصدين لايضاح الدين و ارشاد المسلمين تقريب المعنى الى افهامهم و تحقيق مرادهم و بيان حكمه، ورأيت كلام هذا الشخص بالضد من ذلك فالوجه الاضراب عنه .

و اقول ان التوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم جائز فى كل حال قبل خلقه و بعد خلقــه فى مدة حياته فى الدنيا و بعد موته فى مدة البرزخ و بعد البعث فى عرصات القيامة و الجنة و هو على ثلاثة انواع .

النوع الاول: ان يتوسل به بمعنى ان طالب الحاجــة يسأل الله تعالى به او بجاهه او لبركته فيجوز ذلك فى الاحوال الثلاثة و قد و رد فى كل منها خبر صحيح ، اما الحالة الاولى قبل خلقه فيدل على ذلك آثار عن الانبياء الماضين صلوات الله و سلامه عليهم اجمعين اقتصرنا منها على ما تبين لنا صحته و هو ما رواه الحاكم ابو عبد الله ابن البيع فى المستدرك على الصحيحين او احدهما ، قال ثنا ابو سعيد عمرو بن محمد بن منصور المعدل ثنا ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراهيم الحنظلى ثنا ابو الحارث عبد الله بن مسلم الفهرى ثنا اسماعيل بن مسلمة انا عبد الرحمن بن زيد ابن اسلم عن ابيه عن جده عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لما اعترف آدم عليه السلام بالخطيئة قال : يارب أسألك بحق محمد لما غفرت لى فقال الله يا آدم وكيف عرفت

محمدا و لم أخلقه . قال يا رب لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت فيّ من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا . لا اله الا الله محمد رسول الله ، فعرفت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله صدقت يا آدم انه لأحب الخلق الي اذ سألتني بحقه فقد غفرت لك و لولا محمد ما خلقتك . قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد وهو اول حديث ذكرته لعبد الرحمن بن زيد بن اسلم في هذا الكتاب و رواه البيهقي ايضا في دلائل النبوة و قال تفرد به عبد الرحمن و ذكره الطبراني و زاد فيه ، و هو آخر الانبياء من ذريتك » .

و ذكر الحاكم مع هذا الحديث ايضا عن علي بن حمشاذ العدل ثنا هارون بن العباس الهاشمي ثنا جندل بن والق ثنا عمرو بن أوس الانصاري ثنا سعيد بن ابي عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباس قال : أوحي الله الى عيسى عليه السلام ، يا عيسى آمن بمحمد و أمر من ادركه من امتك ان يؤمنوا به فلولا محمد ما خلقت آدم و لولاه ما خلقت الجنة و النار و لقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه ، لا اله الا الله ، فسكن .

قال الحاكم هذا حديث حسن صحيح الاسناد ولم يخرجاه انتهى ما قاله الحاكم و الحديث المذكور لم يقف عليه ابن تيمية بهذا الاسناد و لابلغه ان الحاكم صححه فانه قال اعني ابن تيمية اما ما ذكره في قصة آدم من توسله فليس له اصل و لا نقله احد عن النبي صلى الله عليه و سلم باسناد يصلح للاعتماد عليه و لا للاعتبار و لا للاستشهاد . ثم ادعى ابن تيمية انه كذب و أطال الكلام في ذلك جدا بما لا حاصل تحته بالوهم و التخرص . و لوبلغه ان الحاكم صححه لما قال ذلك اولتعرض للجواب

للجواب عنه وكأني به ان بلغه بعد ذلك يطعن في عبدالرحمن بن زيد ابن اسلم راوى الحديث ونحن نقول. قد اعتمدنا في تصحيحه على الحاكم وايضا عبد الرحمن بن زيد بن اسلم لايبلغ في الضعف الى الحد الذى ادعاه وكيف يحل لمسلم ان يتجاسر على منع هذا الامر العظيم الذى لايرده عقل ولا شرع وقد ورد فيه هذا الحديث، وسنزيد هذا المعنى صحة وتثبيتا بعد استيفاء الاقسام.

واما ما ورد من توسل نوح وابراهيم وغيرهما من الانبياء فذكره المفسرون واكتفينا عنه بهذا الحديث لجودته وتصحيح الحاكم له ولافرق في هذا المعنى بين ان يعبر عنه بلفظ التوسل اوالاستعانة اوالتشفع اوالتجوه (؟) والداعي بالدعاء المذكور وما في معناه متوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم لانه جعله وسيلة لاجابة الله دعاءه ومستغيث به والمعنى انه استغاث الله به على ما يقصده. فالباء هاهنا للسببية وقد ترد للتعدية كما يقول من استغاث بك فاغثه ومستشفع به ومتجوه به ومتوجه فان التجوه والتوجه راجعان الى معنى واحد.

فان قلت. المتشفع بالشخص من جاء به ليشفع فكيف يصح ان يقال يتشفع به. قلت ليس الكلام في العبارة وانما الكلام في المعنى وهو سؤال الله بالنبي صلى الله عليه وسلم كما ورد عن آدم وكما يفهم الناس من ذلك وانما يفهمون من التشفع والتوسل والاستعانة والتجوه ذلك ولامانع من اطلاق اللغة بهذه الالفاظ على هذا المعنى والمقصود جواز أن يسأل العبد الله تعالى بمن يقطع ان له عندالله قدر او مرتبة ولاشك ان النبي صلى الله عليه وسلم له عندالله قدر علي ومرتبة رفيعة وجاه عظيم وفي العادة ان من كان له عند الشخص قدر

بحيث انه اذا شفع عنده قبل شفاعته فاذا تسبب اليه شخص فى غيبته و توسل بذلك و تشفع به و ان لم يكن حاضرا ولاشافعا و على هذا التوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم قبل خلقه و لسنا فى ذلك سائلين غير الله تعالى و لا داعين الاإياه و يكون ذكر المحبوب او التعظيم سببا للاجابة كما فى الادعية الصحيحة المأثورة ، أسالك بكل اسم لك و اسألك باسمائك الحسنى و أسألك بانك انت الله و اعوذ برضاك من سخطك و بمعا فاتك من عقوبتك و بك منك ،

و حديث الغار الذى فيه الدعاء بالاعمال الصالحة و هو من الاحاديث الصحيحة المشهورة فالمسؤل فى هذه الدعوات كلها هو الله وحده لاشريك له و المسؤل به مختلف و لم يوجب ذلك اشراكا ولاسؤال غير الله. كذلك السؤال بالنبي صلى الله عليه و سلم ليس سؤالا للنبي صلى الله عليه و سلم بل سؤال بالله به و اذا جاز السؤال بالاعمال و هى مخلوقة فالسؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم أولى و لا يسمع الفرق بان الاعمال تقتضى المجازاة عليها لان استجابة الدعاء لم يكن عليها و الا لحصلت بدون ذكرها و انما كانت على الدعاء بالاعمال . و ليس هذا المعنى مما يختلف فيه الشرائع حتى يقال ان ذلك شرع من قبلنا فانه لوكان ذلك مما يخل بالتوحيد لم يجئ فى ملة من الملل فان الشرائع كلها متفقة على التوحيد ، و ليت شعرى ما المانع من الدعاء بذلك فان اللفظ انما يقتضى ان للمسؤل به قدرا عند المسؤل و تارة يكون المسؤل به أعلى من المسؤل اما البارى سبحانه و تعالى كما فى قوله من سألكم بالله فاعطوه و فى الحديث الصحيح فى حديث ابرص و اقرع و اعمى اسألك بالذى أعطاك اللون الحسن و الجلد الحسن الحديث ـ و هو مشهور و إما بعض البشر

و يحتمل

ويحتمل ان يكون من هذا القسم قول عائشة لفاطمة اسألك بمالى عليك من الحق . وتارة يكون المسؤل أعلى من المسؤل به كما فى سؤال الله تعالى بالنبى صلى الله عليه وسلم فانه لاشك ان للنبى صلى الله عليه وسلم قدرا عنده ومن انكر ذلك فقد كفر، فتى قال أسألك بالنبى صلى الله عليه وسلم فلاشك فى جوازه وكذا اذا قال بحق محمد والمراد بالحق الرتبة والمنزلة والحق الذى جعله الله على الخلق او الحق الذى جعله الله بفضله له عليه كما فى الحديث الصحيح قال فما حق العباد على الله وليس المراد بالحق الواجب فانه لايجب على الله شيء وعلى هذا يعنى يحمل ماورد عن بعض الفقهاء فى الامتناع من اطلاق هذه اللفظة .

الحالة الثانية التوسل به بذلك النوع بعد خلقه صلى الله عليه وسلم فى مدة حياته فمن ذلك ما رواه ابو عيسى الترمذى فى جامعه فى كتاب الدعوات قال ثنا محمود بن غيلان ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن ابى جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصر أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله ان يعافينى قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه ،قال: فأمره ان يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء «اللهم انى اسألك وأتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انى توجهت بك الى ربى فى حاجتى ليقضى لى اللهم شفعه فىّ .

قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه الامن هذا الوجه من حديث ابى جعفر الخطمى ورواه النسائى فى اليوم والليلة عن محمود بن غيلان باسناده نحوه وعن محمد بن معمر عن حبان عن حماد عن ابى جعفر عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف نحوه

وعن زكريا بن يحيي عن ابن مثنى عن معاذ بن هشام عن ابيه عن ابى جعفر عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بنحوه و اخرجه ابن ماجه فى الصلوة عن احمد بن منصور بن سيار عن عثمان بن عمر باسناده نحوه .

و رويناه فى دلائل النبوة للحافظ ابى بكر البيهقى ثم قال البيهقى و زاد محمد بن يونس فى روايته فقام و قد أبصر . قال البيهقى و رويناه فى كتاب الدعوات باسناد صحيح عن روح بن عبادة عن شعبة قال ففعل الرجل فبرأ ، قال : وكذلك رواه حماد بن سلمة عن ابى جعفر الخطمى ثم روى باسناده عن روح بن القاسم عن ابى جعفر المدينى و هو الخطمى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف فذكره و فى آخره يا محمد انى أتوجه بك الى ربى فيجلى عن بصرى اللهم شفعه فى و شفعنى فى نفسى . قال عثمان فوالله ما تفرقنا و لا طال الحديث حتى دخل الرجل وكأنه لم يكن به ضرقط . و سنذكر هذا الحديث ايضا فى التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد موته من طريق الطبرانى و البيهقى و قد كفانا الترمذى و البيهقى رحمهما الله بتصحيحهما مؤنة النظر فى تصحيح هذا الحديث و ناهيك به حجة فى المقصود ، فان اعترض معترض بان ذلك انما كان لان النبي صلى الله عليه وسلم شفع فيه فلهذا قال له ان يقول انى توجهت اليك بنبيك .

قلت الجواب من وجوه ، أحدها سيأتى ان عثمان بن عفان و غيره استعملوا ذلك بعد موته صلى الله عليه وسلم و ذلك يدل على انهم لم يفهموا اشتراط ذلك . الثانى انه ليس فى الحديث ان النبي صلى الله بين له ذلك . الثالث انه و لو كان كذلك لم يضر فى حصول المقصود

رهو

و هو جواز التوسل الى الله بغيره بمعنى السؤال به كما علمه النبي صلى الله عليه و سلم و ذلك زيادة على طلب الدعاء منه ، فلولم يكن فى ذلك فائدة لما علمه النبي صلى الله عليه و سلم و ارشده اليه ، و لقال له انى قد شفعت فيك و لكن لعله صلى الله عليه و سلم اراد أن يحصل من صاحب الحاجة التوجه بذل الاضطرار و الافتقار و الانكسار مستغيثا بالنبي صلى الله عليه و سلم فيحصل كمال مقصوده و لاشك ان هـذا المعنى حاصل فى حضرة النبي صـلى الله عليه و سلم وغيبته فى حياته و بعد و فاته فانا نعلم شفقته صلى الله عليه و سلم على امته و رفقه بهم و رحمته لهم و استغفاره لجميع المؤمنين و شفاعته فاذا انضم اليه توجه العبدبه حصل هذا الغرض الذى أرشد النبي صلى الله عليه و سلم الاعمى اليه .

الحالة الثالثة ان يتوسل بذلك بعد موته صلى الله عليه و سلم لما رواه الطبرانى رحمه الله فى المعجم الكبير فى ترجمة عثمان بن حنيف و ذلك فى الجزء الخمسين فان اول الجزء الخمسين من اسمه طفيل وآخره جعلى اما مهم و انا اصغرهم قبل ترجمة عمار بن طليحة (؟) قال فى هذا الجزء الخمسين ثنا طاهر بن عيسى بن قيرس المصرى المقرى ثنا اصبغ بن الفرج ثنا ابن وهب عن ابى سعيد المكى عن روح بن القاسم عن ابى جعفر الخطمى المدنى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى حاجة له فكان عثمان لايلتفت اليه و لاينظر فى حاجته فلقى ابن حنيف فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف إيت الميضاة فتوضأ ثم إيت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل « اللهم انى اسئلك و اتوجه اليك بنبينا محمد صلى الله عليه و سلم نبي الرحمة يا محمد انى اتوجه

اليك الى ربك فيقضي حاجتي ، و تذكر حاجتك و رح حتى اروح معك فانطلق الرجل فصنع ما قال له ثم أتى باب عثمان بن عفان فجاء البواب حتى اخذ بيده فادخله على عثمان بن عفان فأجلسه معه على الطنفسة فقال ما حاجتك؟ فذكر حاجته و قضاها له ، ثم قال له ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة ، و قال ما كانت لك من حاجة فاذكرها ثم ان الرجل خرج من عنده فلقي عثمان بن حنيف فقال له جزاك الله خيرا ما كان ينظر في حاجتي و لا يلتفت الي حتى كلمته في فقال عثمان بن حنيف و الله ما كلمته و لكني شهدت رسول الله صلى الله عليه و سلم و اتاه ضرير فشكا اليه ذهاب بصره فقال له النبي صلى الله عليه و سلم اوتصبر ، فقال يا رسول الله انه ليس لي قائد و قد شق علي فقال له النبي صلى الله عليه و سلم إيت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات قال ابن حنيف فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرقط .

ثنا ادريس بن جعفر العطار ثنا عثمان بن عمر بن فارس ثنا شعبة عن ابي جعفر الخطمي عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف عن النبي صلى الله عليه و سلم نحوه . و رواه البيهقي باسناده عن ابي جعفر المديني عن ابي امامة بن سهل بن حنيف ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان فذكره بنحو مما سبق . رواه من طريقين ، أحدهما عن عبدالملك بن ابي عثمان الزاهد انا ابو بكر محمد بن علي بن اسماعيل الشاشي القفار (؟) انا ابوعروبة ثنا العباس بن الفرج ثنا اسماعيل بن شبيب ثنا ابي عن روح بن القاسم عن ابي جعفر . و الاحتجاج من هذا الاثر لفهم عثمان رضي الله تعالى عنه و من حضره الذين هم

(٢١) أعلم

أعلم بالله و رسوله و فعلهم .

النوع الثانى التوسل به بمعنى طلب الدعاء منه، و ذلك فى احوال . احداها فى حياته صلى الله عليـــه و سلم و هذا متواتر و الاخبار طافحة به و لا يمكن حصرها و قد كان المسلمون يفزعون اليه و يستغيثون به فى جميع ما نابهم كما فى الصحيحين ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة و رسول الله صلى الله عليه و سلم قائم يخطب فاستقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم قائما قال يا رسول الله هلكت الاموال و انقطعت السبل فادع الله تعالى يغيثنا . فرفع رسول الله صلى الله عليه و سلم يديه ثم قال ؟ اللهم اغثنا اللهم اغثنا فطلعت من و رائه سحابة مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم امطرت قال فلا و الله ما رأينا الشمس سبتا ، الحديث .

و روى لبيهقى فى دلائله عن ابى و جزة يزيد بن عبيد السعدى قال لما قفل رسول الله صلى الله عليه و سلم من غزوة تبوك ايام و فد بنى فزارة الى ان قال فقالوا يا رسول الله اسنتت بلادنا و اجدبت جناتنا و عَرِيت عيالنا و هلكت مواشينا فادع ربك ان يغيثنا و اشفع لنا الى ربك و يشفع ربك اليك فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم، سبحان الله و يلك إن انا شفعت الى ربى فمن ذا الذى يشفع اليه ربنا الله لا اله الا هو العظيم وسع كرسيه السموات و الارض و هو يئط من عظمته وجلاله، و ذكر بقية الحديث الى ان قال ، فقام رسول الله صلى الله عليه و سلم فصعد المنبر و فيه كان مما حفظ من دعائه اللهم اسق بلدك و بهيمتك و انشر رحمتك و احى بلدك الميت ، و ذكر دعاء و حديثا طويلا .

و فى سنن ابى داود فى كتاب السنة عن جبير بن مطعم قال أتى رسول الله صلى الله عليه و سلم اعرابى فقال يا رسول الله جهدت الانفس

وضاعت العيال و نهكت الاموال و هلكت الانعام فاستسق الله لنا فانا نستشفع بك على الله و نستشفع بالله عليك ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ويحك أتدرى ما تقول انه لا يستشفع بالله على احد من خلقه شأن الله اعظم من ذلك ، و ذكر حديث الاطيط ، و فى اسناده محمد بن اسحاق و عنعنه فان ثبت فهو موافق لمقصودنا فانه لم ينكر الاستشفاع به و انما انكر الاستشفاع بالله و لعل سبب ذلك ان شأن الشافع ان يتواضع للشفوع عنده .

و روى عن انس بن مالك رضى الله عنه قال جاء اعرابى الى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله اتيناك و ما لنا صبي يصطبح و لا بعير يئط و انشد .

أتيتك و العذراء تدمى لبانها و قد شغلت ام الصبي عن الطفل
و القى بكفيه الفتى لاستكانة من الجوع هونا ما يمر و لا يحلى
و لا شيء مما يأكل الناس عندنا سوى الحنظل العامى و العلهز الفسل
و ليس لنا الا اليك فرارنا و اين فرار الناس الا الى الرسل

فقام رسول الله صلى الله عليه و سلم يجر رداءه حتى صعد المنبر فرفع يديه ثم قال « اللهم اسقنا و ذكر الدعاء الى ان قال فما رد النبى صلى الله عليه وسلم يده حتى التقت السماء بأرواقها و جاء اهل البطانة يصيحون الغرق الغرق ، فقال النبى صلى الله عليه و سلم حوالينا ولا علينا فانجاب السحاب عن المدينة حتى احدق بها كالاكليل و ضحك النبى صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه ، ثم قال لله در ابى طالب لو كان حيا قرت عيناه من ينشدنا قوله فقال على بن ابى طالب رضى الله عنه يا رسول الله كأنك تريد قوله .

و ابيض

وابيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل
يطوف به الهلاك من آل هاشم فهم عنده فى نعمة و فواضل
كذبتم و بيت الله يبزى محمد و لما نطاعن حوله و نناضل
نسلمه حتى نصرع حوله و نزهل عن ابنائنا و الحلائل

فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم أجل فقام رجل من كنانة رضى الله تعالى عنه فقال .

لك الحمد والحمد ممن شكر سقينا بوجه النبي المطر
دعا الله خالقه دعوة اليه و اشخص منه البصر
فلم يكن الا كما ساعة واسرع حتى رأينا الدرر
دفاق العزالى جم البعاف اغاث به الله عليا مضر
فكان كما قال عمه ابو طالب ابيض ذو غرر
فمن يشكر الله يلق المزيد ومن يكفر الله يلق الغير

فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم ان يك شاعرا حسن فقد احسنت، و الاحاديث و الآثار فى ذلك اكثر من ان تحصى و لو تتبعتها لوجدت منها ألوفا، و نص قوله تعالى (و لوانهم اذظلموا نفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفرلهم الرسول) الآية صريحة فى ذلك وكذلك يجوز و يحسن مثل هذا التوسل بمن له نسبة من النبي صلى الله عليه و سلم كما كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه اذا قحط استسقى بالعباس بن عبدالمطلب رضى الله عنه و يقول: اللهم انا كنا اذا قحطنا توسلنا اليك بنبينا فتسقينا و انا نتوسل اليك بعم نبينا محمد صلى الله عليه و سلم فاسقنا قال فيسقون، رواه البخارى من حديث انس و استسقى به عام الرمادة فسقوا و فى ذلك يقول عباس بن عتبة بن ابى لهب .

بعمى سقى الله الحجاز و اهله عشيـة يستسقى بشيبتـه عمر

و استسقى حمزة بن القاسم الهاشمى ببغداد فقال اللهم انا من ولد ذالك الرجل الذى استسقى بشيبته عمر بن الخطاب فسقوا فما زال يتوسل بهذه الوسيلة حتى سقوا. و روى انه لما استسقى عمر بالعباس و فرغ عمر من دعائه قال العباس : اللهم انه لم ينزل من السماء بلاء الابذنب و لايكشف الابتوبه و قد توجه بى القوم اليك لمكانى من نبيك صلى الله عليه و سلم و هذه ايدينا اليك بالذنوب و نواصينا بالتوبة و ذكر دعاء، فاتم كلامه حتى ارتجت السماء بمثل الجبال . و كذلك يجوز مثل هذا التوسل بسائر الصالحين و هذا شيء لاينكره مسلم بل متدين بملة من الملل ، فان قيل، لم توسل عمر بن الخطاب بالعباس و لم يتوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم او بقبره ، قلنا ليس فى توسله بالعباس انكار للتوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم او بالقبر ، و قد روى عن ابى الجوزاء قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة رضى الله عنها فقالت فانظروا قبر النبي صلى الله عليه و سلم فاجعلوا منه كوى الى السماء حتى لا يكون بينه و بين السماء سقف ففعلوا فمطروا حتى نبت العشب و سمن الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفتق ، و لعل توسل عمر بالعباس لامرين ، أحدهما ليدعو كما حكينا من دعائه ، و الثانى ، انه من جملة من يستسقى و ينتفع بالسقيا . و هو محتاج اليها بخلاف النبي صلى الله عليه و سلم فى هذه الحالة فانه مستغن عنها فاجتمع فى العباس الحاجة و قربه من النبي صلى الله عليه و سلم و شيبه و الله تعالى يستحى من ذى الشيبة المسلم فكيف من عم نبيه صلى الله عليه و سلم و يجيب دعاء المضطر فلذالك استسقى عمر بشيبته .

فان

فان قال المخالف انا لا امنع التوسل و التشفع لما قدمتم من الآثار و الادلة و انما امنع اطلاق التجوه و الاستغاثة لان فيهما ايهام ان المتجوه به و المستغاث به أعلى من المتجوه عليه و المستغاث عليه .

قلنا هذا لا يعتقده مسلم و لا يدل لفظ التجوه و الاستغاثة عليه فان التجوه من الجاه و الوجاهة و معناه علو القدر و المنزلة و قد يتوسل بذى الجاه الى من هو أعلى جاها منه و الاستغاثة طلب الغوث فالمستغيث يطلب من المستغاث به ان يحصل له الغوث من غيره و ان كان اعلى منه فالتوسل و التشفع و التجوه و الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه و سلم و سائر الانبياء و الصالحين ليس لها معنى فى قلوب المسلمين من غير ذلك و لا يقصد بها احد منهم سواه فمن لم ينشرح صدره لذلك فليبك على نفسه نسأل العافية و اذا صح المعنى فلا عليك فى تسميته توسلا او تشفعا او تجوها اواستغاثة، و لوسلم ان لفظ الاستغاثة يستدعى النصر على المستغاث منه فالعبد يستغيث على نفسه و هواه و الشيطان و غير ذلك مما هو قاطع له عن الله تعالى بالنبي صلى الله عليه و سلم و غيره من الانبياء و الصالحين متوسلا بهم الى الله تعالى ليغيثه على من استغاث منه من النفس و غيرها و المستغاث به فى الحقيقة هوالله تعالى و النبي صلى الله عليه و سلم واسطة بينه و بين المستغيث ، الحالة الثانية بعد موته صلى الله عليه و سلم فى عرصات القيامة بالشفاعة منه صلى الله عليه و سلم و ذلك مما قام الاجماع عليه و تواترت الاخبار به و سنذكر تفاصيل الشفاعة المجمع عليها و المختلف فيها فى هذا الكتاب ان شاء الله تعالى ، الحالة الثالثة ، المتوسطة فى مدة البرزخ و قد ورد هذا النوع فيها ايضا ، انا ابو بكر بن يوسف بن عبدالعظيم المعروف بابن الصباح بقراءتى عليه فى المجلدة الحادية عشر من دلائل النبوة للبيهقى

قال انا ابو الكرم لاحق بن عبدالمنعم بن قاسم الارتاحي قراءة عليه وانا اسمع انا ابو محمد المبارك بن علي بن الحسين البغدادي المعروف بابن الطباخ انا الشيخ السديد ابو الحسن عبيدالله بن محمد بن احمد البيهقي انا جدي الامام ابو بكر احمد بن الحسين البيهقي انا ابو نصر بن قتادة و ابو بكر الفارسي قالا اخبرنا ابوعمر بن مطر ثنا ابراهيم بن علي الذهلي ثنا يحيي بن يحيي انا ابو معاوية عن الاعمش عن ابي صالح عن مالك الدار قال اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه فجاء رجل الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله استسق الله لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلى الله عليه و سلم في المنام فقال إئت عمر فاقرءه السلام و اخبره انهم مسقون و قل له عليك الكيس الكيس فاتى الرجل عمر فاخبره فبكى عمر رضي الله عنه ثم قال يا رب ما آلو الاما عجزت عنه .

و محل الاستشهاد من هذا الاثر طلبه الاستسقاء من النبي صلى الله عليه و سلم بعد موته في مدة البرزخ و لامانع من ذلك فان دعاء النبي صلى الله عليه و سلم لربه تعالى في هذه الحالة غير ممتنع و قد وردت الاخبار على ما ذكرنا ونذكر طرفا منه و علمه صلى الله عليه و سلم بسؤال من يسأله ورد ايضا ، ومع هذين الامرين فلا مانع من ان يسأل الله صلى الله عليه و سلم الاستسقاء كما كان يسأل في الدنيا .

النوع الثالث . من التوسل ان يطلب منه ذلك الامر المقصود بمعنى انه صلى الله عليه و سلم قادر على التسبب فيه بسؤاله ربه و شفاعته اليه فيعود الى النوع الثاني في المعنى و ان كانت العبارة مختلفة و من هذا قول القائل للنبي صلى الله عليه و سلم أسألك مرافقتك في الجنة قال أعني

على

على نفسك بكثرة السجود .

و الآثار فى ذلك كثيرة ايضا و لا يقصد الناس بسؤالهم ذلك الا كون النبى صلى الله عليه وسلم سببا وشافعا وكذلك جواب النبى صلى الله عليه و سلم و ان ورد على حسب السؤال كما روينا فى دلائل النبوة للبيهقى بالاسناد الى عثمان بن ابى العاص قال شكوت الى النبى صلى الله عليه و سلم سوء حفظى للقرآن فقال شيطان يقال خنزب ادن منى يا عثمان ثم وضع يده على صدرى فوجدت بردها بين كتفى و قال اخرج يا شيطان من صدر عثمان قال : فما سمعت بعد ذلك شيئا الاحفظته فانظر امر النبى صلى الله عليه و سلم بالخروج للشيطان للعلم بان ذلك باذن الله تعالى و خلقه و تيسيره وليس المراد نسبة النبى صلى الله عليه و سلم الى الخلق و الاستقلال بالافعال هذا لا يقصده مسلم فصرف الكلام اليه و منعه من باب التلبيس فى الدين و التشويش على عوام الموحدين و اذ قد تحررت هذه الانواع و الاحوال فى الطلب من النبى صلى الله عليه وسلم وظهر المعنى فلاعليك فى تسميته توسلا او تشفعا او استغاثة او تجوها او توجها لان المعنى فى جميع ذلك سواء .

اما التشفع فقد سبق فى الاحاديث المتقدمة قول وفد بنى فرارة للنبى صلى الله عليه و سلم تشفع لنا الى ربك و فى حديث الاعمى ما يقتضيه ايضا و التوسل فى معناه . و اما التوجه و السؤال ففى حديث لاعمى و التجوه فى معنى التوجه قال تعالى فى حق موسى عليه السلام (و كان عند الله وجيها) و قال فى حق عيسى ابن مريم عليه الصلوة و السلام (وجيها فى الدنيا و الآخرة) و قال المفسرون وجيها اى ذاجاه و منزلة عنده و قال الجوهرى فى فعل وجه اذا صار وجيها ذاجاه و قدر

و قال الجوهری ایضا فی فعل «جوه» الجاه القدر و المنزلة و فلان ذو جاه. و قد اوجهته و وجهته انا ای جعلته وجيها و قال ابن فارس فلان وجيه ذوجاه اذا عرف ذلك فمعنى تجوه توجه بجاهه و هو منزلته و قدره عند الله تعالى اليه .

و اما الاستغاثة ، فهی طلب الغوث و تارة يطلب الغوث من خالقه و هو الله تعالى وحده كقوله تعالى (اذ تستغيثون ربكم)، و تارة يطلب ممن يصح اسناده اليه على سبيل الكسب و من هذا النوع الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه و سلم فی هذين القسمين ، تعدى الفعل تارة بنفسه كقوله تعالى(اذ تستغيثون ربكم) (فاستغاثه الذى من شيعته) و تارة بحرف الجر كما فی كلام النحاة فی المستغاث به ، و فی كتاب سيبويه رحمه الله تعالى فاستغاث بهم ليشتروا له كليبا فيصح ان يقال استغثت النبي صلى الله عليه و سلم و استغيث بالنبي صلى الله عليه و سلم بمعنى واحد و هو طلب الغوث منه بالدعاء و نحوه على النوعين السابقين فی التوسل من غير فرق و ذلك فی حياته و بعد موته ، و يقول استغثت الله و استغيث بالله بمعنى طلب خلق الغوث منه فالله تعالى مستغاث فالغوث منه خلقا و ايجادا ، و النبي صلى الله عليه و سلم مستغاث و الغوث منه تسببا وكسبا و لافرق فی هذا المعنى بين ان يستعمل الفعل متعديا بنفسه او لا زما اوتعدى بالباء و قد تكون الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه و سلم على وجه آخر و هو ان يقول استغثت الله بالنبي صلى الله عليه و سلم كما يقول سألت الله بالنبي صلى الله عليه و سلم فيرجع الى النوع الاول من انواع التوسل ويصح قبل وجوده و بعد وجوده و قد يحذف المفعول به ، و يقال استغثت بالنبي صلى الله عليه و سلم بهذا المعنى فصار

لفظ الاستغاثة بالنبي صلی اللہ علیہ و سلم له معنیان . احدهما ان یکون مستغاثا ، و الثانی ، ان یکون مستغاثا به و الباء للاستعانة فقد ظهر جواز اطلاق الاستغاثة و التوسل جمیعا و هذا امر لایشك فیه فان الاستغاثة فی اللغة طلب الغوث و هذا جائز لغة و شرعا من كل من یقدر علیه بای لفظ عبر عنه كما قالت : ام اسمعیل اغث ان كان عندك غواث .

و قد روینا فی (المعجم الكبیر للطبرانی) حدیثا ظاهره قد یقدح فی هذا ، قال الطبرانی ثنا احمد بن حماد بن زغبة المصری ثنا سعید بن عفیر ثنا ابن لهیعة عن الحارث بن یزید عن علی بن رباح عن عبادة قال قال ابوبكر رضی اللہ عنه قوموا نستغیث برسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم من هذا المنافق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم انه لایستغاث بی انما یستغاث باللہ عزوجل ، و هذا الحدیث فی اسناده عبد اللہ بن لهیعة و فیه كلام مشهور فان صح الحدیث فیحتمل معانی احدها ان النبی صلی اللہ علیه و سلم كان قد اجری علی المنافقین احكام المسلمین بامر اللہ تعالی فلعل ابابكر و من معه استغاثوا بالنبی صلی اللہ علیه و سلم لیقتله فاجاب بذلك بمعنی ان هذا من الاحكام الشرعیة التی لم ینزل الوحی بها و امرها الی اللہ تعالی وحده و النبی صلی اللہ علیه و سلم اعرف الخلق باللہ تعالی فلم یكن یسأل ربه تغییر حكم من الاحكام الشرعیة و لایفعل فیها الا ما یؤمر به فیكون قوله لا یستغاث بی عاما مخصوصا ای لا یستغاث فی هذا الامر لانه مما یستأثر اللہ تعالی به و لاشك ان من ادب السؤال ان یكون المسؤل ممكنا فكما انا لا نسأل اللہ تعالی الا ما هو فی ممكن القدرة الالهیة كذلك لا نسأل النبی صلی اللہ علیه و سلم الا ما یمكن ان یجیب الیه ، و الثانی ، ان یكون ذلك من باب قوله

ما انا حملتكم و لكن الله حملكم إلى انا و ان استغيث بى فالمستغاث به فى الحقيقة هو الله تعالى وكثيرا ما تجى السنة بنحو هذا من بيان حقيقة الامر و يجئ القرآن باضافة الفعل الى مكتسبه كقوله صلى الله عليه وسلم لن يدخل احدا منكم الجنة عمله مع قوله تعالى (ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون) و قال صلى الله عليه وسلم لعلى لان يهدى الله بك رجلا واحدا فسلك الادب فى نسبة الهداية الى الله تعالى و قد قال تعالى (و جعلنا منهم أئمة يهدون بامرنا) فنسب الهداية اليهم و ذلك على سبيل الكسب و من هذا قوله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم (و انك لتهدى الى صراط مستقيم) و اما قوله تعالى (انك لاتهدى من احببت) فالاحسن ان يكون المراد به التسلية (و الحمل) عن قلب النبي صلى الله عليه وسلم فى عدم اسلام عمه ابى طالب فكأنه قد قيل انت و فيت بما عليك وليس عليك خلق هدايته لان ذلك ليس اليك فلا تذهب نفسك عليه .

و بالجملة اطلاق لفظ الاستغاثة بالنسبة لمن يحصل منه غوث اما خلقا و ايجادا و اما تسببا وكسبا امر معلوم لا شك فيه لغة و شرعا و لافرق بينه و بين السؤال فتعين تأويل الحديث المذكور و قد قيل ان فى البخارى فى حديث الشفاعة يوم القيامة فبينام كذلك استغاثوا بآدم ثم بموسى ثم بمحمد صلى الله عليه وسلم و هو حجة فى اطلاق لفظ الاستغاثة و لكن ذلك لا يحتاج اليه لان معنى الاستغاثة و السوال و احد سواء عبر عنه بهذا اللفظ ام بغيره و النزاع فى ذلك نزاع فى الضروريات وجوازه شرعا معلوم فتخصيص هذه اللفظة بالبحث عما لا وجه له و انكار السؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم مخالف لما قدمناه من الاحاديث

الاحاديث و الآثار و ما اشرنا اليه مما لم نذكره .

الباب التاسع

فى حياة الانبياء عليهم الصلاة و السلام

قد تضمنت الا حاديث المتقدمة ان روح النبى صلى الله عليه وسلم ترد عليه وانه يسمع ويرد السلام فاحتجنا الى النظر فيما قد قيل فى ذلك بالنسبة الى الانبياء و الشهداء و سائر الموتى و قد رتبنا الكلام فى هذا الباب على فصول .

الفصل الاول

فيما ورد فى حياة الانبياء عليهم الصلاة و السلام

صنف الحافظ ابوبكر البيهقى رحمه الله فى ذلك جزأ وروى فيه احاديث منها الانبياء صلوات الله عليهم احياء فى قبورهم يصلون ورواه ابن عدى فى الكامل انا غير واحد اذنا عن ابن المقير عن ابن الشهرزورى انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف انا احمد بن عدى الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبدالله الرومى مولى المعتمد على الله امير المؤمنين ثنا الحسين بن عرفة حدثنى الحسن بن قتيبة المدائنى ثنا المستلم بن سعيد الثقفى عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانى عن انس قال قال رسول‌الله صلى‌الله عليه وسلم الانبياء صلوات الله عليهم احياء فى قبورهم يصلون. قال ابن عدى وللحسن بن قتيبة هذا احاديث غرائب حسان فارجوانه لابأس به، وذكره ابن ابى حاتم ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا وذكره الخطيب فى التاريخ وقال عن البرقانى عن الدارقطنى انه متروك الحديث وروى البيهقى هذا الحديث فى صدر الجزء الذى صنفه عن ابى سعيد احمد بن محمد بن الخليل الصوفى عن

ابن عدی بسنده المذکور ثم قال البیهقی هذا حدیث یعد فی افراد الحسن بن قتیبة .

وقد روی عن یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید وهو فیما انا الثقة من اهل العلم انا ابو عمرو بن حمدان انا ابو یعلی الموصلی ثنا ابو جهم الازرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون . قلت ویحیی بن ابی بکیر ثقة والمستلم بن سعید ثقة والحجاج (۱) ان کان ابن ابی الزناد فثقة وان کان غیره فلم اعرفه .

قال البیهقی وروی کما اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابو حامد احمد ابن علی الحسنوی املاء ثنا ابو عبدالله محمد بن العباس الحمصی بحمص ثنا ابو الربیع الزاهرانی ثنا اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الانبیاء لایترکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة ولکنهم یصلون بین یدی الله تعالی حتی ینفخ فی الصور . قال البیهقی وهذا ان صح بهذا اللفظ فالمراد به والله اعلم لایترکون لایصلون الاهذا المقدار ثم یکونون مصلین فیما بین یدی الله تعالی قال البیهقی ولحیاة الانبیاء بعد موتهم شواهد من الاحادیث الصحیحة .

ثم ذکر البیهقی باسانیده حدیث ، مررت بموسی وهو قائم یصلی

---

(۱) قال فی الفتح فی باب، واذکر فی الکتاب مریم من احادیث الانبیاء اخرجه البزار لکن وقع عنده عن الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح به فی روایة البیهقی وصححه البیهقی .

فی

فى قبره ، وحديث قد رأيتنى فى جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلي واذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة واذا عيسى ابن مريم قائم يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفى ، واذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم ، يعنى نفسه ، فحانت الصلاة فأممتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل لى يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأ نى بالسلام ، اخرجه مسلم .

وفى حديث سعيد بن المسيب وغيره انه لقيهم فى بيت المقدس وفى حديث ابي ذر فى صفة المعراج انه لقيهم فى السموات وكلموه وكلمهم وكل ذلك صحيح لايخالف بعضه بعضا فقد راى موسى عليه السلام قائما يصلي فى قبره ، ثمّ يسرى بموسى وغيره الى بيت المقدس كما اسرى بنبينا صلى الله عليه وسلم ثم يعرج بهم الى السموات كما عرج بنبينا عليه الصلاة والسلام فيراهم فيها كما اخبر وحلولهم فى اوقات بمواضع مختلفات فانه فى العقل كما ورد به خبر الصادق وفى كل ذلك دلالة على حياتهم .

ومما يدل على ذلك وساق اسناده الى اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل ايامكم يوم الجمعة وفيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علىّ من الصلاة فيه فان صلاتكم معروضة قالوا وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت ، يقولالآن بليت فقال ان الله تعالى حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء ، اخرجه ابوداود .

قال البيهقى وله شواهد ، منها ما انا ابوعبد الله انا ابن اسحاق الفقيه انا الابلر ثنا احمد بن عبد الرحمن ثنا الوليد ثنا ابورافع عن سعيد المقبرى

عن ابی مسعود الانصاری عن النبي صلى الله عليه و سلم انه قال اكثروا الصلاة عليّ فی يوم الجمعة فانه ليس يصلي عليّ احد يوم الجمعة الا عرضت عليّ صلاته .

و انا علي بن احمد انا احمد بن عبيد ثنا الحسين بن سعيد ثنا ابراهيم ثنا حماد عن برد عن مكحول عن ابي امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اكثروا عليّ من الصلاة فی كل يوم جمعة فان صلاة امتی تعرض عليّ فی كل يوم جمعة فمن كان اكثرهم عليّ صلاة كان اقربهم منی منزلة .

و انا الاسفرائنی حدثنی والدی انا اسامة بمصر ثنا محمد بن اسماعيل الصائغ حدثتنا حكامة بنت عثمان بن دينار عن مالك بن دينار عن انس قال قال رسول الله صلى الله و سلم ان اقربكم منی يوم القيامة فی كل موطن اكثركم عليّ صلاة فی الدنيا فمن صلى علي يوم الجمعة و ليلة الجمعة قضى الله له مائة حاجة سبعين من حوائج الآخرة و ثلاثين من حوائج الدنيا ثم يوكل الله بذلك ملكا يدخله فی قبری كما تدخل عليكم الهدايا يخبر من صلى عليّ باسمه و نسبه الى عشيرته فاثبته عندی فی صحيفة بيضاء .

ثم ذكر البيهقی حديث ، فان صلاتكم تبلغنی حيث ما كنتم ، وحديث ، ما من احد يسلم عليّ الأرد الله عليّ روحی حتی ارد ، قال البيهقی و انما اراد و الله اعلم الا و قد رد الله عليّ روحی حتی ارد عليه .

قلت ، و قد تقدم احتمال آخر ثم ذكر البيهقی حديث ، ان لله ملائكة سياحين يبلغونی عن امتی السلام ، و قول ابن عباس ليس احد من

من امة محمد صلى الله عليه وسلم صلى عليه صلاة الاوهى تبلغه يقول له الملك فلان يصلي عليك كذا وكذا صلاة ، وحديث ، من صلى علي عند قبري سمعته ، من طريق ابي عبد الرحمن وقال هو محمد بن مروان السدى فيما ارى و فيه نظر و قد مضى ما يؤكده ، هذا قول للبيهقي و ذكر ما قد مناه عن سليمان بن سحيم .

ثم قال و مما يدل على حياتهم ما انا ابو عبد الله الحافظ و ساق اسناده و ذكر حديث ، فاذا موسى باطش بجانب العرش فلا ادرى أكان فيمن صعق ؟ فافاق قبلي أوكان ممن استثنى الله عزوجل ، رواه البخارى و مسلم ، قال البيهقي و هذا انما يصح على ان الله عزوجل رد على الانبياء صلوات الله عليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء فاذا نفخ فى الصور النفخة الاولى صعقوا فيمن صعق ثم لا يكون ذلك موتا فى جميع معانيه الافى ذهاب الاستشعار فان كان موسى عليه السلام ممن استثنى الله بقوله (الا من شاء الله) فانه لا يذهب استشعاره فى تلك الحالة فيحاسبه بصعقه يوم الطور و يقال ان الشهداء من جملة من استثنى الله عزوجل بقوله تعالى (الامن شاء الله) و روينا فى ذلك خبرا مرفوعا ، هذا جملة ما ذكره الحافظ ابو بكر البيهقي فى كتاب حياة الانبياء فى قبورهم لم نحذف منه الابعض الاسانيد اوبعض الزيادة فى الاسماء و قد قدمنا فى حديث من سنن ابن ماجه فيه فنبي الله حي يرزق

و قال البيهقي فى دلائل النبوة و فى الحديث الصحيح عن سليمان التيمي و ثابت البناني عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت على موسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمر و هو قائم يصلي فى قبره .

وروينا فى الحديث الصحيح عن ابى سلمة عن ابى هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال وقد رأيتنى فى جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلى ، وذكر ابراهيم وعيسى ووصفهم ثم قال ، فحانت الصلوة فاممتهم ، وروينا فى حديث ابن المسيب انه لقيهم فى بيت المقدس .

وروينا فى حديث انس انه بعث له آدم فمن دونه من الانبياء فامهم رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الليلة ، وروينا فى الحديث الصحيح عن انس عن مالك بن صعصعة وعن انس عن ابى ذر رضى الله عنهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى موسى بن عمران فى السماء السادسة ، وليس بين هذه الاخبار منافاة فقد يراه فى مسيره قائما يصلى فى قبره ثم يسار به الى بيت المقدس كما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم فرآه فيه ثم يعرج به الى السماء السادسة كما عرج بالنبي صلى الله عليه وسلم فرآه فى السماء وكذلك سائر من رآه من الانبياء فى الارض ثم فى السماء والانبياء صلوات الله عليهم احياء عند ربهم كالشهداء فلا ينكر حلولهم فى اوقات بمواضع مختلفات كما ورد خبر الصادق به ، هذا كلام البيهقى .

وقد ثبت فى الصحيح فى حديث الاسراء انه صلى الله عليه وسلم وجد آدم فى السماء الدنيا وقال فيه فاذا رجل عن يمينه اسودة وعن يساره اسودة فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح ، ووجد ابراهيم فى السابعة مسندا ظهره الى البيت المعمور وقال صلى الله عليه وسلم مررت ليلة اسرى فى علم موسى ابن عمران رجل آدم طوال جعد كانه من رجال سود ورأيت عيسى ابن مريم مربوع الخلق الى الحمرة والبياض سبط الرأس .

و قال فی حدیث آخر، لقیت موسی فلذا برجل حسبته قال مضطرب رجل الرأس کأنه من رجال شنوۃ، و لقیت عیسی فاذا ربعة حمراء کانما خرج من دیماس یعنی حماما و رأیت ابراهیم و انا اشبه ولده به.

و فی حدیث آخر أرانی لیلة عند الکعبة فرأیت رجلا آدم کاحسن ما انت راء من الرجال من آدم الرجال له لمة کاحسن ما انت راء من اللمم قد رجلها فهی تقطر ماء متکأ علی رجلین أو علی عواتق رجلین یطوف بالبیت فسألت من هذا فقیل هذا المسیح بن مریم.

و فی حدیث ـ لقد رأیتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرای فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربا ما کربت مثله قط قال فرفعه الله انظر الیه ما یسألونی عن شییء الا انبأتهم و قد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسی قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعد کأنه من رجال شنوءة واذا عیسی بن مریم قائم یصلی اقرب الناس به شبها عروۃ بن مسعود الثقفی واذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسه فحانت الصلاۃ فامتهم فلما فرغت من الصلاۃ قال قائل یا محمد هذا مالک صاحب النار فسلم علیه فالتفت الیه فبدأنی بالسلام.

و فی حدیث آخر ـ ان رسول الله صلی الله علیه و سلم مر بوادی الازرق فقال کأنی انظر الی موسی هابطا من الثنیة و له جؤار الی الله بالتلبیة ثم أتی علی ثنیة هرشی فقال کأنی انظر الی یونس بن متی علی ناقة حمراء جعدۃ علیه جبة من صوف خطام ناقته خلبة و هو یلبی.

و فی حدیث آخر ـ کأنی انظر الی موسی و اضعا اصبعیه فی اذنیه، و هذه الاحادیث کلها فی الصحیح و قد تقدم فی موسی و عیسی

وجميع الانبياء المذكورين شئ كثير من صفات الاجسام . وكذلك صلاتهم قياما وامامة النبي صلى الله عليه وسلم بهم . ولا يقال ان ذلك رؤيا منام وان قوله أراني فيه اشارة الى النوم لان الاسراء . وما اتفق فيه كان يقظة على الصحيح الذى عليه جمهور السلف والخلف ولو قيل بانه نوم فرؤيا الانبياء حق وقوله اراني لا دلالة فيه على المنام بدليل قوله رأيتنى فى الحجر وكان ذلك فى اليقظة كما يدل عليه بقية الكلام ، وقال تعالى (فلا تكن فى مرية من لقائه) وفى صحيح مسلم كان قتادة يفسرها ان نبي الله صلى الله عليه وسلم قد لقى موسى وقد قيل فى قوله تعالى (واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا) ان النبي صلى الله عليه وسلم سألهم ليلة الاسراء قال القاضى عياض رحمه الله .

فان قيل يحجون ويلبون وهم اموات وهم فى الدار الآخرة ليست دار عمل ، فاعلم ان للمشائخ وفيما ظهر لنا عن هذا اجوبة أحدها انهم كالشهداء بل افضل منهم والشهداء احياء عند ربهم فلا يبعد ان يحجوا ويصلوا كما ورد فى الحديث الآخر ـ وان يتقربوا الى الله تعالى بما استطاعوا لانهم وان كانوا قد توفوا فهم فى هذه الدنيا التى هى دار العمل حتى اذا فنيت مدتها وتعقبتها الآخرة التى هى دار الجزاء انقطع العمل .

والوجه الثانى ان عمل الآخرة ذكر ودعاء ، قال الله تعالى (دعواهم فيها سبحانك اللهم) الثالث ان يكون رؤيا منام فهم فى غير ليلة الاسراء ، الرابع انه صلى الله عليه وسلم ارى حالهم التى كانت فى حياتهم ومثلوا له فى حال حياتهم كيف كانوا وكيف كان حجهم وتلبيتهم . الخامس ان يكون اخبر عما أوحى اليه صلى الله عليه وسلم من امرهم وما كان منهم

وان

و ان لم يرهم رؤية عين . هذا كلام القاضى . و الوجه الاول و الثانى يلزم منهما الحياة . و الثالث لايأتى فى ليلة الاسراء . و الرابع و الخامس انما يأتيان فى الحج و التلبية و نحوهما و اما فيما حصل ليلة الاسراء فلا .

و الجواب الصحيح فى الصلاة و نحوها احد جوابين . اما ان نقول البرزخ ينسحب عليه حكم الدنيا فى استكثارهم من الاعمال و زيادة الاجور و هو الجواب الاول الذى ذكره القاضى و اما ان نقول ان المنقطع فى الآخرة انما هو التكليف و قد يحصل الاعمال من غير تكليف على سبيل التلذذ بها و الخضوع لله تعالى و لهذا انهم يسبحون و يدعون و يقرؤن القرآن و انظر الى سجود النبي صلى الله عليه و سلم وقت الشفاعة أليس ذلك عبادة و عملا . و على كلا الجوابين لا يمتنع حصول هذه الاعمال فى مدة البرزخ و قد صح عن ثابت البنانى التابعى انه قال . اللهم ان كنت اعطيت احدا ان يصلى فى قبره فاعطنى ذلك فرئى بعد موته يصلى فى قبره . و تكفى رؤية النبي صلى الله عليه و سلم لموسى قائما يصلى فى قبره و لان النبي صلى الله عليه و سلم و سائر الانبياء لم يقبضوا حتى خيروا بين البقاء فى الدنيا و بين الآخرة فاختاروا الآخرة و لاشك انهم لو بقوا فى الدنيا لازدادوا من الاعمال الصالحة ثم انتقلوا الى الجنة فلو لم يعلموا ان انتقالهم الى الله اكمل ما اختارو ولو كان انتقالهم من هذه الدار يفوت عليهم زيادة فيما يقرب الى الله لما اختاروه . فهذه نبذة من الاحاديث الصحيحة الدالة على حياة الانبياء . و الكتاب العزيز يدل على ذلك ايضا . قال تعالى (و لاتحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) و اذا ثبت ذلك فى الشهيد ثبت فى حق النبي صلى الله عليه و سلم بوجوه .

احدها ان هذه رتبة شريفة اعطيت للشهيد كرامة له ولا رتبة أعلى من رتبة الانبياء ولاشك ان حال الانبياء أعلى و اكمل من حال جميع الشهداء فيستحيل ان يحصل كمال للشهداء ولايحصل للأنبياء لاسيما هذا الكمال الذى يوجب زيادة القرب و الزلفى و النعيم والانس بالعلى الأعلى.

الثانى ان هذه الرتبة حصلت للشهداء اجرا على جهادهم و بذلهم انفسهم لله تعالى و النبي صلى الله عليه و سلم هوالذى سن لنا ذلك ودعانا اليه و هدانا له باذن الله تعالى و توفيقه. وقد قال صلى الله عليه و سلم من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة فعليه و زرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة.

وقال صلى الله عليه وسلم من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من يتبعه لاينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من يتبعه لاينقص ذلك من آثامهم شيئا. و الاحاديث الصحيحة فى ذلك كثيرة مشهورة فكل أجر حصل للشهيد حصل للنبي صلى الله عليه و سلم لسعيه مثله و الحياة اجر فيحصل للنبي صلى الله عليه و سلم مثلها زيادة على ماله صلى الله عليه و سلم من الاجر الخاص من نفسه على هدايته للمهتدى و على ماله من الاجور على حسناته الخاصة من الاعمال و المعارف و الاحوال التى لاتصل جميع الامة الى عرف نشرها و لايبلغون معشار عشرها. و هكذا نقول ان جميع حسناتنا و اعمالنا الصالحة وعبادات كل مسلم تسطر فى صحائف نبينا محمد صلى الله عليه و سلم زيادة على ماله من الاجر ويحصل له صلى الله عليه من الاجور بعدد امته اضعافا لايحصرها الا الله تعالى و يقصر العقل عن ادراكها فان كل مهتد وعامل الى يوم القيامة يحصل له اجر

و يتجدد

و يتجدد لشيخه فى الهداية مثل ذلك الاجر و لشيخ شيخه مثلاه وللشيخ الثالث اربعة و للرابع ثمانية و هكذا يضعف فى كل مرتبة بعدد الاجور الحاصلة بعده الى ان تنتهى الى النبي صلى الله عليه وسلم فاذا فرضت المراتب عشرة بعد النبي صلى الله عليه وسلم كان للنبى صلى الله عليه وسلم من الاجر الف و اربعة و عشرون فاذا اهتدى بالعاشر حادى عشر صار اجر النبي صلى الله عليه وسلم الفين و ثمانية و اربعين، و هكذا كلما ازداد واحد يتضاعف ما كان قبله ابدا الى يوم القيامة و هنا امر لايحصره الا الله تعالى و يقصر العقل عن كنه حقيقته فكيف اذا اخذ مع كثرة الصحابة وكثرة التابعين وكثرة المسلمين فى كل عصر فكل واحد من الصحابة يحصل له بعدد الاجور التى يترتب على فعله الى يوم القيامة.

وكل ما يحصل لجميع الصحابة حاصل بجملته للنبي صلى الله عليه وسلم و بهذا يظهر رجحان السلف على الخلف فانه كلما ازداد الخلف ازداد اجر السلف و تضاعف بالطريق الذى نبهنا عليه. و من تأمل هذا المعنى و رزق التوفيق انبعثت همته الى التعليم و رغب فى نشره ليتضاعف اجره فى حياته و بعد موته على الدوام و يكف عن احداث البدع و المظالم من المكوس و غيرها فانها تضاعف عليه بالطريق التى ذكرناها ما دام يعمل بهذا فليتأمل المسلم هذا المعنى و سعادة الهادى إلى الخير و شقاوة الداعى الى الشر.

الثالث ان النبي صلى الله عليه وسلم شهيد فانه صلى الله عليه وسلم لما سم بخيبر و أكل من الشاة المسمومة وكان ذلك سما قاتلا من ساعته مات منه بشربن البراء رضى الله عنه و بقى النبي صلى الله عليه وسلم و ذلك معجزة فى حقه صار ألم السم يتعاهده الى ان مات به صلى الله

عليه و سلم فى مرضه الذى مات فيه ، ما زالت اكلة خيبر تعاودنى حتى كان الآن اوان قطعت ابهرى .

قال العلماء فجمع الله له بذلك بين النبوة و الشهادة و تكون الحياة الثابتة للشهداء لا تختص بمن قتل فى المعركة فانا انما اشترطنا ذلك فى الاحكام الدنيوية كالغسل و الصلاة اما الآخرة فلا ، و هذا لاشك فيه بالنسبة الى النبي صلى الله عليه و سلم و اما غيره و غير شهداء المعركة ممن شهد له الشرع بالشهادة كالمطعون و المبطون و الغريق و نحوهم فهل يقول ان الحياة الثابتة للمقتولين فى سبيل الله تثبت لهم، هذا يحتاج الى توقيف .

و الشهيدفعيل اما بمعنى الفاعل او بمعنى المفعول و قد اختلف فى سبب هذه التسمية فنقل عن النضر بن شميل ان الشهيد هو الحي لان كل من كان حيا كان شاهدا اومشاهدا للاحوال و الشهيدحي بعد ان صار مقتولا و استدل بالآية فعلى مقتضى هـذا القول كل من ورد الشرع بانه شهيد ثبت له هذا الوصف و هو كونه حيا و قيل على كونه فاعلا انه شهيد على الامم الخالية يوم القيامة و انه شاهد لطف الله ورحمته ، و قيل على كونه بمعنى مفعول ان ملائكة الرحمة يحضرونه و يرفعون روحه الى منازل القدس وكل هذه المعانى موجودة فى حق النبي صلى الله عليه و سلم و قيل فى سبب التسمية غير ما ذكرنا .

و اعلم انه لابد من تفسير الحياة التى نثبتها للنبي صلى الله عليه وسلم و الحياة التى نثبتها للشهيد و حياة سائر الموتى ايضا فاما النبي صلى الله عليه و سلم فعد صاحب التلخيص من الشافعيه فى خصائصه ان ماله بعد موته قائم على نفقته و ملكه ، و قال امام الحرمين رحمه الله ان ما خلفه بقى على ما كان فى حياته فكان ينفق ابو بكر رضى الله عنه منه على اهله

و خدمه

خدمه وكان يرى انه باق على ملك رسول الله صلى الله عليه وسلم فان الانبياء أحياء .

واعلم ان هذا القول يقتضى اثبات الحياة فى أحكام الدنيا وذلك زائد على حياة الشهيد والقرآن العزيز ناطق بموته صلى الله عليه وسلم قال تعالى (انك ميت وانهم ميتون) وقال صلى الله عليه وسلم انى مقبوض وقال الصديق رضى الله عنه فان محمدا قد مات، واجمع المسلمون على اطلاق ذلك فالوجه اذا ثبت القول المذكور ان يقال ان ذلك موت غير مستمر وانه احيي بعد الموت ويكون انتقال الملك ونحوه مشروطا بالموت المستمر والافالحياة الثابتة حياة أخروية ولا شك انها أعلى وأكمل من حياة الشهيد وهى ثابتة للروح بلا اشكال والجسد قد ثبت ان اجساد الانبياء لاتبلى وعود الروح الى البدن سنذكره فى سائر الموتى فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبياء، وانما النظر فى استمرارها فى البدن وفى ان البدن يصير حيا بها كحالته فى الدنيا اوحيا بدونها وهى حيث شاء الله تعالى فان ملازمة الحياة للروح امر عادى لاعقلى فهذا مما يجوزه العقل فان صح به سمع اتبع وقد ذكرناه عن جماعة من العلماء وشهد له صلاة موسى عليه السلام فى قبره فان الصلاة تستدعى جسدا حيا وكذلك الصفات المذكورة فى الانبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولايلزم من كونها حياة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت فى الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فى الحجاب الكثيف وغير ذلك من صفات الاجسام التى نشاهدها بل قد يكون لها حكم آخر، فليس فى العقل ما يمنع من اثبات الحياة الحقيقية لهم، وأما الادراكات كالعلم والسماع فلاشك ان

ذلك ثابت وسنذكر ثبوته لسائر الموتى فكيف بالانبياء .

الفصل الثانى فى الشهداء

اجمع العلماء على اطلاق لفظ الحياة على الشهيد كما نطق به القرآن ولكن اختلفوا هل هى حياة حقيقيــة او مجازية وعلى تقدير كونها حقيقية هل هى الآن او يوم القيامة وعلى تقدير كونها الآن هل هى للروح او للجسد فهذه اربعة اقوال لاخامس لها اضعفها قول من قال ان المراد انهم يصيرون احياء يوم القيامة وليس المراد انهم احياء الآن، وهذا قول باطل بوجوه، منها قوله تعالى (ولكن لايشعرون) فهــذا خطاب للمؤمنين بانهم لايشعرون بحياة من قتل فى سبيــل الله وكل المؤمنين يشعرون ويعلمون بحياتهم يوم القيامة وانما الغريب الذى لايشعر به حياتهم الآن، ومنها قوله تعالى (ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم) والمراد اخوانهم الذين فى الدنيا ولم يموتوا بعد .

ومنها ، الاحاديث الصحيحة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وســلم لما اصيب اخوانكم باحد جعل الله ارواحهم فى جوف طير خضر ترد انهار الجنة تأكل من ثمارها وتأوى الى قناديل من ذهب معلقة فى ظل العرش فلما وجدوا طيب مأكلهم ومشربهم ومقيلهم قالوا من يبلغ اخواننا عنا انا احياء فى الجنة نرزق لئلايزهدوا فى الجهاد ولاينكلوا عن الحرب فقال الله تعالى انا أبلغهم عنكم فانزل الله عز وجــل (ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا) الآية رواه ابو داود وأخرجه الحاكم فى صحيحه وفى صحيح مسلم عن مسروق قال سألنا عبدالله بن مسعود عن هذه الآية (ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) فقال اما انا قد سألنا عن ذلك فقال

ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تأوی الی تلك القنادیل فاطلع الیهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شیئا قالوا ای شیء نشتهی و نحن نسرح من الجنة حیث نشاء فیقول ذلك لهم ثلاث مرات فلما رأوا انهم لم یترکوا من ان یسألوا قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلك مرة اخری فلما رأی ان لیست لهم حاجة ترکوا ، و هذان الحدیثان صریحان فی ان ذلك حصل فیما مضی .

و عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال لقینی رسول الله صلی الله علیه و سلم فقال یا جابر مالی اراك منکسا قلت یا رسول الله استشهد ابی قبل یوم احد و ترك عیالا و علیه دین قال أفلا أبشرك بمالقی الله عزوجل به اباك قلت بلی یا رسول الله قال ان الله ما کلم احدا قط الامن وراء حجاب و احی اباك و کلمه کفاحا فقال له یا عبدی تمن علی أعطك فقال یارب تحیینی فاقتل فیك مرة ثانیة قال الرب عزوجل قد سبق منی انهم لا یرجعون قال و انزلت هذه الآیة (و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا) رواه الترمذی و قال حسن غریب من هذا الوجه و قوله أحی اباك یقتضی تجدد حیاة و الروح باقیة لم تمت فاما ان یحمل علی الجسد و اما علی ان مفارقتها الجسد حیاة لها و منها ما سنذکره فی سائر الموتی و انهم منقسمون فی القبور الی منعم و معذب فثبت بهذه الوجوه ان الحیاة حاصلة للشهید الآن و لکن من الناس من قال انها حیاة مجازیة ثم سلکوا فی وجه المجاز وجوها اما لانهم فی حکم الله مستحقون للنعیم فی الجنة أولان مناهم باق أو غیر ذلك من وجوه المجازات وکلها ضعیفة لانها عدول عن الحقیقة الی المجاز بغیر دلیل فلم یبق الا انها حیاة حقیقیة

الآن و ان الشهداء احياء حقيقة و هو قول جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان، احدهما . للروح فقط لما ذكرناه من حديث ابن عباس و ابن مسعود رضى الله عنهما و ان الروح فى اجواف طير خضر و حياة الجسد انما تكون بعود الروح اليه . و الثانى للجسد معها و سنذكر مثل ذلك فى سائر الموتى و اثبات حياتهم فى قبورهم و ان عذاب القبر و نعيمه للجسد و الروح جميعا و اذا كان نعيم غير الشهيد كذلك فنعيم الشهيد أتم و اولى و اكمل .

و ذكر القرطبي ان اجساد الشهداء لا تبلى و قد صح عن جابر ان اباه و عمرو بن الجموع رضى الله عنهم وهما ممن استشهد باحد ودفنا فى قبر واحد حفر السيل قبرهما فوجدا لم يتغيرا وكان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن و هو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت و كان بين ذلك و بين احدست و اربعون سنة و لما اجرى معاوية رضى الله عنه العين التى استنبطها بالمدينة و ذلك بعد احد بنحو من خمسين سنة و نقل الموتى اصابت المسحاة قدم حمزة رضى الله عنه فسال منه الدم . و و جد عبدالله بن حرام كأنما دفن بالامس و روى كافة اهل المدينة ان جدار قبر النبي صلى الله عليه و سلم لما انهدم ايام الوليد بدت لهم قدم عمر بن الخطاب رضى الله عنه و كان قتل شهيدا ولاحاجة الى الآثار من ذلك فقد صح ان الانبياء لا تأكل الارض اجسادهم، و ورد مثله فى الشهداء. و نعنى بالشهيد من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا، فلا يرد علينا انا قد نرى من يقاتل و تأكله الارض لكن بقاء الجسد لايدل على حياته و الكلام هنا انما هو فى الحياة، و قد صح فى الشهداء انهم يقولون نريد

ان

ان ترد أرواحنا الى اجسادنا ، وهذا يرد قول من يقول ان جسد الشهيد حى بروحه كما كان فى الدنيا ، اللهم الا ان يقال انه حى بغير تلك الروح نوعا من الحياة مخالفا للحياة الدنيوية، وقد جاء فى ارواح الشهداء انها فى اجواف طير تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تأوى الى قناديل من تحت العرش فن العلماء من قال ارواح الشهداء فى اجواف طير فى الجنة و ارواح غيرهم من المؤمنين فى قبورهم و ممن ذكر ذلك القرطبي فى التذكرة .

و منهم من طعن فى الحديث و قال انه لم يصح كونها فى حواصل طير و زعم انها بذلك تكون محبوسة نقل ذلك عن ابى الحسن القالبي وغيره من المالكية و هو مردود لان الحديث صحيح ، ومنهم من اول فى بمعنى على ، و منهم من قال انها ليست فى طير و لكنها نفس الطير لقوله صلى الله عليه و سلم انما نسمة المؤمن طائر تعلق ، و منهم من يقول ارواح الشهداء مختلفة منها ما هو طائر تعلق من شجر الجنة ومنها ما هو فى حواصل طير خضر و منها ما تأوى الى قناديل تحت العرش ومنها ما هو فى حواصل طير بيض و منها ما هو فى حواصل طير كالزرازير و منها ما هو فى اشخاص و صور من صور الجنة و منها ما هو فى صور تخلق لهم من ثواب أعمالهم ، و منها ما يسرح و يتردد الى جثتها يزورها ، و منها ما يتلقى ارواح الموتى و ممن سوى ذلك ما هو فى كفالة ميكائيل عليه السلام ، و منها ما هو فى كفالة آدم عليه السلام و منها ما هو فى كفالة ابراهيم عليه الصلاة و السلام ، قال القرطبي رحمه الله تعالى و هذا قول حسن فانه يجمع الاخبار حتى لا تدافع و الله تعالى اعلم .

الفصل الثالث

في سائر الموتى في السماع و الكلام و الادراك و الحياة و عود الروح الى الجسد .

اما السماع و الكلام فرواهما البخاري رحمه الله انا بجميع صحيح البخاري ابو الحسن علي بن محمد بن هارون بقراءتي عليه غير مرة بالقاهرة و فاطمة بنت البطايحي بقراءتي عليها بسفح قاسيون ظاهر دمشق و ابوالعباس احمد بن ابي‌طالب ووزيرة بنت عمر بن اسعد برميخا قراءة عليهما و انا اسمع وآخرون ، قال الاربعة المذكورون انا الحسين بن المبارك بن يحيي بن الزبيدي قال الاول وانا حاضر وقال الثلاثة ونحن نسمع قال انا ابو الوقت عبدالاول بن عيسى قراءة عليه و انا اسمع انا جمال الاسلام ابوالحسن عبدالرحمن بن محمد بن المظفر الداودي انا ابومحمد عبدالله بن احمد بن حمويه انا ابوعبد الله محمد بن يوسف بن مطر الفربري ثنا الامام ابوعبد الله محمد ابن اسمعيل البخاري قال ثنا عياش ثنا عبد الاعلى ثنا سعيد . و به قال ؛ قال لي خليفه ثنا ابن زريع ثنا سعيد عن قتادة عن انس عن النبي صلى الله عليه و سلم، قال العبد اذا وضع في قبره و تولى و ذهب عنه اصحابه حتى انه يسمع قرع نعالهم أتاه ملكان فاقعداه فيقولان له ما كنت تقول في هذا الرجل محمد فيقول اشهد انه عبدالله و رسوله فيقال انظر الى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعدا من الجنة قال النبي صلى الله عليه و سلم فرءاهما جميعا و اما الكافر و المنافق فيقول لا ادرى كنت اقول ما يقول الناس فيقال لا دريت ؛ لا تليت ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه فيصيح صيحة يسمعها من يليه الا الثقلين . و روى مسلم رحمه الله من حديث اسما قريبا منه وفيه و اما المنافق اوالمرتاب . قال الراوي لا ادرى اى ذلك قالت

قالت اسماء، و فی الترمذی ان الملكين يقولان للمؤمن نم كنومة العروس لا يوقظه الا احب أهله اليه و بالاسناد الى البخارى قال ثنا عبد العزيز ابن عبدالله ثنا الليث عن سعيد المقبرى عن ابيه انه سمع ابا سعيد الخدرى يقول ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال اذا وضعت الجنازة و احتملها الرجال على أعناقهم فان كانت صالحة قالت قدمونى و ان كانت غير صالحة قالت ياويلها اين تذهبون بها يسمع صوتها كل شيء الا الانسان و لو سمعه صعق و بالاسناد الى البخارى قال ثنا عبدالله بن يوسف ثنا الليث بن سعد فذكر بمثله، و قال قالت لاهلها ياويلها و قال و لو سمع الانسان لصعق، فانظر هذه الاحاديث الصحيحة التى لامرية فيها و تاكيد الكلام بما لايحتمل المجاز و هو قول يسمع صوتها كل شيء الا الانسان و لو لا هذا لامكن ان يحمل على القول بلسان الحال لكن بعد هذا لايسوغ هذا الحمل و ايضا فان لسان الحال معلوم عند الانسان فلاشك فى حصول كلام حقيق هذا و نحن نشاهد على أعناق الرجال ميتا، و من الاحاديث الصحيحة المتفق عليها نداؤه صلى الله عليه و سلم اهل القليب، و قوله « ما انتم بأ سمع لما اقول منهم ».

و ما الادراك فيدل له مع ذلك الاحاديث الواردة فى عذاب القبر وهى أحاديث صحيحة متفق عليها رواها البخارى و مسلم و غيرهما و اجمع عليها و على مدلولها أهل السنة و الاحاديث فى ذلك متواترة و من احسنها ما رواه ابوداود الطيالسى انا ابو العباس احمد بن محمد الدشتى بقراءتى عليه بالشام فى سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابن خليل انا اللبان انا الحداد انا ابو نعيم انا ابن فارس ثنا يونس بن حبيب ثنا ابو داود الطيالسى ثنا الاسود بن شيبان عن بحر بن البكراوى عن ابى بكرة قال بينما انا امشى مع

رسول الله صلى الله عليه و سلم و معى رجل و رسول لله صلى الله عليه و سلم يمشي بيننا اذ أتى على قبرين فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم ان صاحبي هذين القبرين ليعذبان الآن فى قبورهما فأيكما يأتيني من هذا النخل بعسيب فاستبقت انا و صاحبي فسبقته و كسرت من النخل عسيبا فأتيت به النبي صلى الله عليه و سلم فشقه نصفين من اعلاه فوضع على احدهما نصفا و على الآخر نصفا و قال انه يهون عليهما ما دام فيهما من بلولتهما شيء. انهما يعذبان فى الغيبة و البول، قال الطيالسي و روى هذا الحديث مسلم بن ابراهيم عن الاسود عن بجزأة عن عبد الرحمن بن ابى بكرة هكذا نقلته من مسند ابى داود الطيالسي التى هى اصل سماعى و هى بخط ابن خليل و اصل الحديث ثابت فى الصحيحين، و فى هذه الرواية النص على ان العذاب الآن و انه فى القبور و خرج البخارى و مسلم عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال المسلم اذا سئل فى القبر يشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله فذلك قوله تعالى (يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحياة الدنيا و فى الآخرة) و قد ورد عن البراء بن عازب حديث طويل جامع لاحكام الموتى و فيه التصريح بعود الروح الى الجسد انا به الدشتى انا ابن خليل انا اللبان انا الحداد انا ابو نعيم انا ابن فارس ثنا يونس ثنا ابوداود الطيالسي قال ثنا ابوعوانة عن الاعمش عن المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب رضى الله عنهما قال ابو داود حدثناه عمرو بن ثابت سمعه من المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب و حديث ابى عوانة اتمها، قال البراء خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم فى جنازة رجل من الانصار فانتهينا الى القبر و لما يلحد فجلس رسول الله صلى الله عليه و سلم و جلسنا حوله كأنما على رؤسنا الطير، قال

عمرو

عمرو بن ثابت و قع و لم يقله ابوعوانة فجعل يرفع بصره و ينظر الى السماء و يخفض بصره و ينظر الى الارض ثم قال اعوذ بالله من عذاب القبرقالها مرارا ثم قال ان العبد المؤمن اذا كان فى قبل من الآخرة و انقطاع من الدنيا جاءه ملك فجلس عند رأسه فيقول اخرجى أيتها النفس المطمئنة الى مغفرة من الله و رضوانه فتخرج نفسه و تسيل كما يسيل قطر السقاء قال عمرو فى حديثه و لم يقله ابو عوانة و ان كنتم ترون غير ذلك و تنزل ملائكة من الجنة بيض الوجوه كأن و جوههم الشمس معهم اكفان من اكفان الجنة و حنوط من حنوطها فيجلسون منه مد البصر فاذا قبضها الملك لم يدعوها فى يده طرفة عين فذلك قوله عزوجل (توفته رسلنا وهم لايفرطون) .

قال فتخرج نفسه كاطيب ريح و جدت فتعرج بها الملائكة فلا يأتون على جند بين السماء والارض الا قالوا ما هذه الروح فيقال فلان باحسن اسمائه حتى ينتهوا به الى باب سماء الدنيا فتفتح له و يشيعه من كل سماء مقربوها حتى ينتهى بها الى السماء السابعة فيقول اكتبوا كتابه فى عليين (وما ادراك ما عليون كتاب مرقوم يشهده المقربون) فيكتب كتابه فى عليين ثم يقال ردوه الى الارض فانى وعدتهم انى (منها خلقناهم و فيها نعيدهم و منها نخرجهم تارة اخرى) فترد الى الارض و تعاد روحه فى جسده فيأتيه ملكان شديدا الانتهار فينتهرانه و يجلسانه فيقولان من ربك و ما دينك فيقول ربى الله و دينى الاسلام فيقولان فما تقول فى هذا الرجل الذى بعث فيكم فيقول هورسول الله فيقولون و ما يدريك فيقول جاءنا بالبينات من ربنا فآمنت به وصدقته قال و ذلك قوله عزوجل (يثبت الله الذين آمنوا بالقول

الثابت فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة) قال و ینادی مناد من السماء قد صدق عبدی فالبسوه من الجنة و افرشوه منها و أروه منزله منها فیلبس من الجنة و یفرش منها و یری منزله منها و یفسح له مد بصره و یمثل له عمله فی صورة رجل حسن الوجه طیب الریح حسن الثیاب فیقول ابشر بما اعد الله عزوجل لك ابشر برضوان من الله و جنات فیها نعیم مقیم فیقول بشرك الله بخیر من انت فوجهك الوجه الذی جاء نا بخیر فیقول هذا یومك الذی کنت توعد و الامر الذی کنت توعد و انا عملك الصالح فو الله ما علمتك الا کنت سریعا فی طاعة الله بطیئا عن معصیة الله فجزاك الله خیرا فیقول یا رب اقم الساعة کی أرجع الی أهلی و مالی ، قال و ان کان فاجرا فکان فی قبل من الآخرة و انقطاع من الدنیا جاءه ملك فجلس عند رأسه فقال اخرجی أیتها النفس الخبیثة أبشری بسخط الله و غضبه فتنزل ملا ئکة سود الوجوه معهم مسوح فاذا قبضها الملك قاموا فلم یدعوها فی یده طرفة عین قال فتفرق فی جسده فیستخرجها تقطع معها العروق و العصب کالسفود الکبیر الشعب فی الصوف المبلول فتؤخذ من الملك فتخرج کأنتن ریح وجدت فلا تمر علی جند فیما بین السماء و الارض الا قالوا ما هذه الروح الخبیثة فیقولون هذا فلان بأسوء اسمائه حتی ینتهون الی السماء الدنیا فلا یفتح له فیقول ردوه الی الارض انی وعدتهم انی (منها خلقناهم و فیها نعیدهم و منها نخرجهم تارة اخری) قال فیرمی به من السماء قال فتلا هذه الآیة (و من یشرك بالله فکأنما خر من السماء) الآیة قال و یعاد الی الارض و تعاد فیه روحه و یأتیه ملکان شدیدا الانتهار فینتهرانه و یجلسانه فیقولان من ربك و مادینك فیقول لا أدری فیقولان

فما تقول فى هذا الرجل الذى بعث فيكم فلا يهتدى لاسمه فيقول لا أدرى سمعت الناس يقولون ذلك قال فيقال لادريت فيضيق عليه قبره حتى تختلف اضلاعه و يمثل له عمله فى صورة رجل قبيح الوجه منتن الريح قبيح الثياب فيقول أبشر بعذاب من الله و سخطه فيقول من انت فوجهك الوجه الذى جاء بالشر فيقول انا عملك الخبيث و الله ما علمتك الا كنت بطيئا عن طاعة الله سريعا الى معصية الله .

قال عمر و فى حديثه عن المنهال عن زاذان عن البراء عن النبي صلى الله عليه و سلم ، فيقيض له ملك اصم ابكم معه مرزبة لو ضرب بها جبل صار ترابا ، او قال رميا ، فيضربه بها ضربة يسمعها الخلائق الا الثقلين ثم تعاد فيه الروح فيضربه ضربة اخرى ، و هـذا الحديث اخرجه جماعة من الائمة فى مسانيدهم منهم الامام احمد وعبد بن حميد و على ابن معبد فى الطاعة و المعصية و غيرهم ، و رجال اسناده كلهم ثقات و تكلم فيه ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو و هذا الكلام ليس بشئ لان المنهال بن عمرو روى له البخارى و وثقه غير واحد ، منهم يحيى بن معين و الكلام الذى فيه من جهة ان شعبة تركه و قد قال عبد الرحمن ابن مهدى ان سبب ترك شعبة له انه سمع من داره صوت قراءة بالتطريب ، و اذا عرف هذا السبب لم يضر ترك شعبة اياه لان جماعة من العلماء قالوا باباحة ذلك و ما كان مختلفا فيه من هذا الجنس فلا يرد الرواية به و لا الشهادة لاسيما ولم يعلم ان ذلك الصوت منه فقد يكون فى داره من غيره و لا علم له به ، و بالجملة فهذا كلام لاوجه له و لاشك فى ثقة المنهال بن عمرو و انه ممن يحتج بحديثه و لامعنى لانكار عود الروح وتضعيفه بالمنهال بن عمرو مع دلالة بقية الاحاديث المتفق عليها

على السماع و الكلام و القعود و غيرها مما يستلزم الحياة و عود الروح، و قد روى البغوى فى شرح السنة عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال « ان الميت يسمع حس النعال اذا ولوا عنه الناس مدبرين ثم يجلس و يوضع كفنه فى عنقه ثم يسأل .

و قد اجمع اهل السنة على اثبات الحياة فى القبور قال امام الحرمين فى (الشامل) اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر و احياء الموتى فى قبورهم و رد الارواح فى اجسادهم و قال الفقيه ابو بكر بن العربى فى (الامد الاقصى فى تفسير الاسماء الحسنى) ان احياء المكلفين فى القبر و سؤالهم جميعا لاخلاف فيه بين اهل السنة و قال سيف الدين الآمدى فى كتاب (أبكار الافكار) اتفق سلف الامة قبل ظهور المخالف و اكثرهم بعد ظهوره على اثبات احياء الموتى فى قبورهم و مساءلة الملكين لهم و اثبات عذاب القبر للمجرمين و الكافرين، و قوله تعالى (و احييتنا اثنتين) اى حياة المساءلة فى القبر و حياة الحشر لانهما حياتان عرفوا الله بهما و الحياة الأولى فى الدنيا لم يعرفوا الله بها، و قال القرطبي ان الايمان به مذهب اهل السنة و الذى عليه الجماعة من اهل الملة و لم يفهم الصحابة الذين نزل القرآن بلسانهم و لغتهم من نبيهم عليه السلام غير ذلك و كذلك التابعون بعدهم، و ذهب بعض المعتزلة الى موافقة اهل السنة على ذلك و ذهب صالح قبة و الصالحي و ابن جرير الى ان الثواب و العقاب ينال الميت من غير حياة و هذه مكابرة للمعقول، و ذهبت طائفة الى ان الميت يألم كما يألم السكر ان فاذا حشر وجد ذلك الالم كما يجد السكران الالم اذا عاد العقل اليه، و هذا المذهب تخليط لا حاصل له و ذهب ضرار بن عمر و بشر المريسى و يحي بن كامل و غيرهم من المعتزلة

المعتزلة الى ان من مات فهوميت فى قبره الى يوم البعث و منهم من اعترف بعذاب القبر و انه يكون بين النفختين وكلا الأمرين مخالف لما تظاهرت به الاحاديث، وطعن بعض الملحدة بانا نرى المصلوب لا يظهر عليه شئ من ذلك و من افترسه السبع و تفرقت اجزاؤه كيف يقال بذلك فيه . و للائمة رضى الله عنهم طرق فى الاجوبة عن ذلك منها انه لا يبعد ان تكون المساءلة على اجزاء مخصوصة من الجسد كاجزاء القلب و نحوها فيردالله الروح اليها و يسائلها، و منها انه لايبعد ان يردالروح الى المصلوب من حيث لا نشعر و نحن نحسبه ميتا كما نحسب صاحب السكتة ميتا، و اما من تفرقت أجزاؤه فيرد الله الروح الى كل جزء و يسائله الملكان، و منها ان الذين فى القبور يجلسون و يسئلون و الذين يموا على وجه الارض من الموتى يحجب الله المكلفين عما يجرى عليهم كما حجبهم عن رؤية الملائكة مع رؤية النبيين لهم صلوات الله عليهم، و مما تعلقوا به قوله تعالى (انك لا تسمع الموتى و ما انت بمسمع من فى القبور) و انكار عائشة رضى الله عنها سماع اهل القليب، و اما قوله تعالى انك لا تسمع الموتى فنحن نقول به و انما نقول يسمعون اذا ردت اليهم أرواحهم، و اما قوله و ما انت بمسمع من فى القبور فمعناه اذا كانوا موتى و اما عائشة رضى الله عنها فقد اعترفت بالعلم و قالت انما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم حق و اذا جاز العلم جاز السماع لانهما جميعا مشروطان بالحياة على الجملة فهذه الامور ممكنة فى قدرة الله تعالى وقدوردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها ويقطع بان الحياة تعود الى الميت او اما انه هل يموت بعد ذلك موتة ثنية لم يرد فى الاحاديث تصريح بذلك لكن فى كلام بعضهم ما يقتضيه و حمل عليه قوله تعالى (ربنا

أمتنا اثنتين) على اختلاف المفسرين فيها .

و القائلون بعذاب القبر يقولون باستمراره و هكذا تقتضى الاحاديث الصحيحة كما تقدم هذا مقعدك حتى يبعثك الله و قوله تعالى (يعرضون عليها غدوا و عشيا) و قد صح فى مسلم عن زيد بن ثابت قال بينما النبي صلى الله عليه و سلم فى حائط لبنى النجار على بغلة له و نحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه و اذا اقبر ستة او خمسة او اربعة فقال و من يعرف اصحاب هذه القبور فقال رجل انا فقال فتى مات هؤلاء. قال ماتوا فى الاشراك فقال ان هذه الامة تبتلى فى قبورها فلولا أن لا تدفنوا ؟ لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذى أسمع ، و هذا يدل على استمرار عذاب القبر ، و عن انس ان النبي صلى الله عليه و سلم سمع صوتا من قبر فقالوا دفن فى الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم لولا ان لا تدافنوا ؟ لدعوت الله ان يسمعكم عذاب القبر ، و اما قوله تعالى (من بعثنا من مرقدنا) فهو يشعر بالحياة لان الرقاد للحى

و قد قيل فى تفسيره اقوال ، منها ان العذاب يرفع عن اهل القبور بين النفخات نفخة الفزع و نفخة الصعق و نفخة النشر فلا يعذب فى هذه الاوقات الا من قتل نبيا او قتله نبي او قتل فى معترك نبي ، و منها ان العذاب ليس بدائم بل بكرة و عشيا و يفتر فيما بين ذلك فتقوم الساعة فى ارتفاع النهار فيصادف قيامها وقت الفترة .

و قد تلخص من هذا ان الروح تعاد الى الجسد و يحيي وقت المساءلة و انه ينعم او يعذب من ذلك الوقت الى يوم البعث اما منقطعا او مستمرا على ماسبق . و هل ذلك من بعد وقت المساءلة الى البعث للروح فقط او له مع الجسم يلتفت على ان الجسم هل يفنى او يتفرق و كلا الأمرين حائز ....

جائز عقلا، وفى الواقع منه قولان للمتكلمين ولم يرد فى الشرع ما يمكن التمسك به فى ذلك الا قوله صلى الله عليه وسلم كل ابن آدم يبلى الاعجب الذنب فحيث يكون الجسم او بعضه باقيا فلا امتناع من قيام الحياة به وحيث يعدم بالكلية يتعين القول بالروح فقط على انها ايضا قد تعدم عند فناء العالم ليكون المعاد واردا عليها وعلى الجسم معا وقد جاءت احاديث تدل على ان بعض الموتى يقيهم الله تعالى فتنة القبر منهم الشهيد ومن مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة، وآخرون وردت بهم احاديث وهؤلاء ان خصوا من المساءلة فالنعيم والحياة شاملان لهم .

وقد عرف بهذا ان حياة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم فى قبورهم لاشك فيها واستمرار العذاب او النعيم بعد المساءلة لاشك فيه ايضا لما سبق وكون ذلك فيما بعد وقت المساءلة للروح فقط او لها مع الجسم مما يتوقف على السمع، وقد ذكر سعيد بن السكن فى سننه عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الميت اذا وضع فى قبره انه ليسمع خفق نعالهم حين يولون عنه فان كان مؤمنا كانت الصلاة عند رأسه وذكر حديثا طويلا الى ان قال فيفسح له فى قبره سبعون ذراعا وينور له فيه ويعاد الجسد بما بدئ منه ويجعل النسمة فى النسم الطيبة فهو يطير ويعلق فى شجر الجنة، وفى المستدرك على الصحيحين للحاكم فى فضائل عائشة رضى الله عنها قالت كنت أدخل البيت الذى دفن معهما؟ عمر والله مادخلت الاوانا مشدودة على ثيابى حياء من عمر قال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه .

الفصل الرابع

قد عرفت مقالات الناس فى سائر الموتى وفى الشهداء وعرفت

ان القول فيهم بعود الروح الى الجسد و بقائها فيه الى يوم القيامة بعيد يخالف للحديث الصحيح انها ترجع الى جسده يوم القيامة و عرفت ان النعيم حاصل لارواح السعداء من الشهداء و غيرهم و العذاب حاصل للاشقياء فلعلك تقول ما الفرق حينئذ بين الشهداء و غيرهم ، و الجواب عن هذا من وجهين ، احدهما ، ان اثبات الحياة للشهداء لاتنفى ثبوتها عن غيرهم فالآيتان الكريمتان الواردتان بقوله تعالى (و لاتحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله أمواتا بل احياء عند ربهم) ليس فيها نفى هذا الحكم عن غيرهم بل الرد على من يعتقدانهم ليسوا كذلك و نص عليهم لان الواقعة كانت فيهم ، الثانى ان انواع الحياة متفاوتة حياة للاشقياء معذبين اعاذنا الله تعالى منها ، وحياة بعض المؤمنين من المنعمين ، و حياة الشهداء أكمل و اعلى فهذا النوع من الحياة و الرزق لايحصل لمن ليس فى رتبتهم ، و انما حياة الانبياء أعلى و اكمل و أتم من الجميع لانها للروح و الجسد على الدوام على ما كان فى الدنيا على ما تقدم عن جماعة من العلماء و لو لم يثبت ذلك فلاشك ان كمال حياتهم ايضا اكبر من الشهداء و غيرهم اما بالنسبة الى الروح فلكمال اتصالها و نعيمها و شهودها للحضرة الالهية و هى مع ذلك مقبلة على هذا العالم و متصرفة فيه . و اما بالنسبة الى الجسد فلما ثبت فيه من الحديث .

و بالجملة كل احد يعامل بعد موته كما كان يعامل فى حياته و لهذا يجب الادب مع النبي صلى الله عليه و سلم بعد موته كما كان فى حياته ، و قد روى عن ابى بكر الصديق رضى الله عنه قال لاينبغى رفع الصوت على نبي حيا و لاميتا ، و روى عن عائشة رضى الله عنها انها كانت تسمع صوت الوتد يوتد و المسمار يضرب فى بعض الدور المطيفة بمسجد رسول الله

رسول الله صلى الله عليه وسلم فترسل اليهم لاتؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم . قالوا وما عمل علي بن ابي طالب رضي الله عنه مصراعي داره الابالمناصع توقيا لذلك . هكذا رواه الحسيني في اخبار المدينة .

وهذا مما يدل على انهم كانوايرون انه حي . وعن عروة قال وقع رجل في علي عند عمر بن الخطاب فقال له عمر بن الخطاب قبحك الله لقد آذيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبره ، ومن نظر سير السلف الصالحين والصحابة والتابعين علم انهم كانوا في غاية الأدب مع النبي صلى الله عليه وسلم بعد موته كما كانوا في حياته وكانوا مع قبره الشريف كذلك وكيف لا وقد روى عن كعب الاحبار قال ما من فجر يطلع الانزل سبعون ألفا من الملائكة حتى يحفوا بالقبر يضربون باجنحتهم ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم حتى اذا امسوا عرجوا وهبط مثلهم فصنعوا مثل ذلك حتى اذا انشقت الارض خرج في سبعين ألفا من الملائكة فلو لم يكن في الحضور عند القبر الا الدعاء بحضرة هؤلاء الملائكة فكيف وفيه حضرة سيدالخلق اجمعين ولذلك كانت الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين يغضون اصواتهم في مسجده صلى الله عليه وسلم تعظيما له ، ففي البخاري عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه قال لرجلين من اهل الطائف لوكنتما من اهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم .

ولو جمعنا الاحاديث الصحيحة التي فيها ما كانت الصحابة عليه من تعظيم رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيم آثاره وأدبهم معه لجاءت مجلدات بل الملائكة ايضا كانوا يسلكون كمال الأدب معه كما روى ابوبكر بن ابي شيبة في مصنفه ثنا ابن فضيل عن عطاء بن السائب عن

محارب عن ابن بريدة قال وردنا المدينة فأتينا عبدالله بن عمر فقال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل جيد الثياب طيب الريح حسن الوجه فقال السلام عليك يا رسول الله فقال وعليك فقال يا رسول الله ادنو منك قال ادنه فدنا دنوة فقلنا ما رأينا كاليوم قط رجلا أحسن ثوبا ولا أطيب ريحا ولا أحسن وجها ولا أشد توقيرا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال يارسول الله ادنو منك قال نعم فدنا دنوة فقلنا مثل مقالتنا ثم قال له الثالثة ادنو منك يا رسول الله قال نعم.

وذكر حديث جبرئيل وسؤاله عن الاسلام فانظر تعظيم جبرئيل وأدبه مع النبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ملك الموت وغير ذلك من الاحاديث التي لاتحصر والكتاب العزيز واجماع المسلمين ولاشك ان من قال لايزار ولايسافر لزيارته او لايستغاث به بعيد من الادب معه نسأل الله تعالى العافية، وقد روي القاضي اسماعيل في احكام القرآن عن محمد بن عبيد ثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة ان رجلا قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوجت فلانة فانزل الله تعالى (وماكان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا).

قال معمر وبلغني ان طلحة (١) قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوجت عائشة فانظر محافظة القرآن العزيز على حفظه وصونه عما يؤذيه في حياته وبعد مماته وهذا معلوم من الدين بالضرورة واشعار

---

(١) قال الحافظ جلال الدين السيوطي في فتاواه طلحة هذا ليس هو المشهور احد العشرة بل هو رجل شاركه في اسمه و اسم ابيه ونسبه فان طلحة المشهور الذي هو احد العشرة طلحة بن عبيدالله بن عثمان بن عمر بن كعب بن سعد بن تيم التيمي ـ طلحة صاحب القصة طلحة بن عبيدالله بن شافع بن عياض بن صخر =

الآية

الآية الكريمة بان نكاحهن بعد الموت يؤذيه فيقتضي انه يتأذى بعد الموت فينبغي لمحترز على دينه ان يسلك كمال الادب و يتحفظ غاية التحفظ لئلا يزل و هو لا يشعر فيما يؤذيه فيخسر الدنيا و الآخرة نسأل الله تعالى ان يعصمنا فى ديننا و يسترنا فيما بقي من أعمارنا و يجعل ما نقوله حجة لنا لا علينا و نورا يسعى بين ايدينا و ان يحشرنا فى زمرة هذا النبي صلى الله عليه و سلم و تحت لوائه و يوردنا حوضه و يرزقنا شفاعته و رضاه عنا و يجعلنا من المتبعين لسنته السالكين بهديه بمنه وكرمه آمين .

الفصل الخامس

كان المقصود بهذا كله تحقيق السماع و نحوه من الاعراض بعد الموت فانه قد يقال ان هذه الاعراض مشروطة بالحياة فكيف تحصل بعد الموت و هذا خيال ضعيف لانا لا ندعى ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع و انما ندعى ان السماع بعد الموت حاصل لحي و هو اما الروح وحدها حالة كون الجسد ميتا اومتصلة بالبدن حالة عود الحياة اليه و الانسان فيه امران (١) جسد و نفس فالجسد اذا مات و لم تعد اليه الحياة لا تقوم بقيام شيء من الاعراض المشروطة بالحياة به و ان عادت الحياة اليه صح اتصافه بالسماع وغيره

= ابن عامر بن كعب بن سعد بن تيم التيمي قال ابو موسى فى الذيل عن ابن شاهين فى ترجمته هو الذى نزل فيه (و ما كان لكم ان تؤذوا رسول الله) الآية وذلك انه قال لئن مات رسول الله لأ تزوجن عائشة و قال ان جماعة عن المفسرين غلطوا وظنوا انه طلحة احد العشرة ، انتهى من الاصل (١) قوله امر ان قال السبكي ان فيه للسيد الصفوى هنا تحقيق فى مسئلة المعاد فليراجع ، وعبارته الانسان هو مجموع الجسد والروح وما فيه من المعانى فان الجسد الفارغ من=

من الاعراض و النفس باقية بعد موت البدن عالمة باتفاق المسلمين حتى ان عائشة رضى الله تعالى عنها لما انكرت سماع اهل القليب وافقت على العلم و قالت انما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت أقول لهم حق . بل غير المسلمين من الفلاسفة و غيرهم ممن يقول ببقاء النفوس يقولون بالعلم بعد الموت و لم يخالف فى بقاء النفوس الا من لايعتد به .

و ليس مرادنا أنها واجبة البقاء كما قال به بعض اهل الزيغ و الالحاد و لا أنها تبقى دائما و ان كان ممكنة فانه قد يفنيها الله تعالى عند فناء العالم ثم يعيدها و انما المراد انها تبقى بعد موت البدن ثم بعد ذلك ان فنيت أعيدت مع البدن يوم القيامة و ان لم تفن أعيد البدن و رجعت و ما دامت باقية تدرك المعقولات بلا اشكال .

و أما ادراكها للمحسوسات كالسمع و غيره ففى حال تعلقها بالبدن اختلف المتكلمون هل هى المدركة فقط و الحواس بمنزلة الطاقات اوالحواس تدرك ثم تنقل اليها كالحجاب يسمعون ثم ينقلون الى الملك .

و على كل من القولين هى مدركة للمسموع و لم يقم دليل على ان اتصالها بالبدن شرط فى هذا الادراك بل الظاهر انه ليس بشرط كما انه ليس بشرط فى العلم بالمعقولات و نحن يكفينا بيان امكان ذلك عقلا فاذا ورد به سمع اتبع و لسنا فى مقام اثباته بمجرد العقل بل فى مقام

=الروح و المعانى تسمى شبحا وجثة لاانسانا وكذا الروح المجرد لايسمى انسانا وكذا المعانى المحققة لاتسمى على الانفراد انسانا لاعرفا ولاعقلا . انتهى من الاصول المنقولة عنها .

عدم استحالته و انه ليس الأمر على ما توهمه السائل و ما ذكره من مشروطية السمع بالحياة صحيح و الحياة تتصف الروح بها و بيان ذلك يحوج الى الكلام فى حقيقة النفس، و قد اكثر الناس الكلام فيها من التصانيف و تباينت فيها اقوال الناس هل هى جسم أوعرض أومجموعهما او جوهرفرد متحيز او جوهر مجرد غير متحيز و لا يمكن قول سادس و انما الكلام فى تعيين واحد من الخمسة .

ومن الناس من توقف فيها و هو اسلم و حمل على ذلك قوله تعالى (قل الروح من امر ربى) و انه لم يأمره ان يبينها لهم، و منهم من قال انها جسم و هؤلاء تنوعوا انواعا امثلها قول من قال انها اجسام لطيفة مشتبكة بالاجسام الكثيفة اجرى الله العادة بالحياة مع بقائها و هو مذهب جمهور اهل السنة و الى ذلك يشير قول الاشعرى و الباقلانى و امام الحرمين و غيرهم و يوافقهم قول كثير من قدماء الفلاسفة، و منهم من قال انها عرض خاص و لم يعينه قاله جماعة من المتكلمين و نصره الهراسى من اصحابنا .

و منهم من عينه و تنوعوا فى ذلك انواعا ، و منهم من قال انها جوهر فرد متحيز نقل ذلك سيف الدين الآمدى عن الغزالى و معمر و غيرهما من الاسلاميين القائلين بانها بسيطة ، و القائلون بهذه الاقوال الثلاثة يقولون ان قوله تعالى (قل الروح من امر ربى) جواب فان امر الرب هو الشرع و الكتاب الذى جاء به فمن دخل فى الشرع و تفقه فى الكتاب و السنة عرف الروح فكان معنى الكلام ادخلوا فى الدين تعرفوا ما سألتم عنه على انه قد قيل انهم لم يسئلوا عن الروح الانسانى بل عن ملك من الملائكة و الاقوال فى ذلك مذكورة فى التفسير و قيل ليس

سؤالا عن حقيقتها بل عن حدوثها و أجابهم بما يدل على حدوثها و انها من فعل الله تعالى و كل من قال بانها جسم يجوز اتصافها بالحياة. و اما القول بانها عرض فبعيد. و من الناس من قال الروح جوهر مجرد متحيز و لاحال فى متحيز و هو مذهب حذاق الفلاسفة .

و الذى يظهر ان هذا مذهب الغزالى ايضا و هكذا هو فى (المضنون به على غير اهله الكبير) و (المضنون به على غير اهله الصغير) و لكن الآمدى نقل عنه ما ذكرت و (المضنون الكبير) فيه اشياء من اعتقاد الفلاسفة خارجة عن اعتقاد المسلمين و لذلك ان بعض الفضلاء كان ينكر نسبته الى الغزالى رحمه‌الله و هو فى الأحياء فى شرح عجائب القلب لم يفصح بذلك. وانما قال انها لطيفة ربانية روحانية هى حقيقة الانسان و هى المدرك العالم العارف من الانسان و هى المخاطب المطالب. و لهذه اللطيفه علاقة مع القلب الجسمانى. و قد تحير اكثر العقول فى ادراك وجه علاقته و قال ان هذه اللطيفه الربانية يطلق عليها الروح و النفس و القلب و العقل و هى غير الروح الجسمانى و غير النفس الشهوانية و غير القلب الصنوبرى و غير العقل الذى هو العلوم فالمعانى خمسة و الالفاظ اربعة كل لفظ لمعنيين هذا كلامه فى الاحياء. و اتفق الاطباء على ان فى بدن الانسان ثلاثة ارواح روح طبيعى و هو جسم لطيف معدنه الكبد ثم ينبث فى سائر البدن و يحمل القوى الطبيعية. و روح حيوانى و هو جسم لطيف معدنه القلب و ينبث فى سائر البدن و يحمل قوة الحياة. و روح نفسانى و هو جسم لطيف معدنه الدماغ و ينبث فى سائر البدن و فعله الحس و الحركة و هذه الارواح تشترك فيها الحيوانات. و لم يتكلموا فى النفس الناطقة الخاصة بالانسان التى هى غرضنا هنا .

اذا

اذا عرف ذلك فالفلاسفة القائلون فى النفس الناطقة انها جوهر مجرد فانهم يقولون انه حى عالم متكلم سميع بصير قادر مريد و لكنه ممكن موجود بايجاد الله تعالى حادث بعد العدم مخلوق، و قد يطلقون المخلوق على ماله كمية يدخل بسببها تحت المساحة و التقدير و يقولون عالم الخلق ما كان كذلك و عالم الامر الموجودات الخارجة عن الحس و الخيال و الجهة و المكان و التحيز و هو مالا يدخل تحت المساحة و التقدير لانتفاء الكمية عنه و المتصرون لهذا يجعلون قوله تعالى (قل الروح من أمر ربى) جوابا بانها من عالم الامر، و المتكلمون من المسلمين لايثبتون هذا الوصف الا لله تعالى و يقولون كل ممكن فهو اما متحيز حال فى المتحيز و الفلاسفة يثبتونه و هو أشرف الممكنات عندهم لانه لايحتاج الا الى موجده فقط و لكل من المتكلمين و الفلاسفة على نفيه و اثباته ادلة ليست بالقوية و الآية الكريمة ليس فيها دليل لهم كما عرف فى التفسير. و ظواهر الشريعة تقتضى ان الروح متحيزة فقد روى ابن ماجه باسناد صحيح عن ابى هريرة رضى الله تعال عنه عن النبي صلى الله عليه و سلم قال يحضر الملائكة فاذا كان الرجل صالحا قالوا اخرجى أيتها النفس المطمئنة كنت فى الجسد الطيب اخرجى حميدة و ابشرى بروح و ريحان و رب راض غير غضبان فلا يزال يقال لها ذلك حتى تخرج ثم يعرج بها الى السماء فتفتح لها فيقال من هذا فيقولون فلان ابن فلان فيقال مرحبا بالنفس المطمئنة كانت فى الجسد الطيب ادخلى حميدة و ابشرى بروح و ريحان و رب راض غير غضبان. فلا يزال يقال لها هذا حتى تنتهى يعنى الى عليين .

و وردت أحاديث كثيرة بمعنى هذا و القرآن يشهد له قال تعالى

(يا ايتها النفس المطمئنة ارجعى الى ربك راضيه مرضية) الآية. وقال تعالى (لا تفتح لهم ابواب السماء) جاء انها الا نفس الخبيثة وقد يقال ان الاشارة بذلك الى الروح الحيوانى ولعل الروح الحيوانى الموجود فى الانسان يبقى بعد الموت وينتقل الى عليين اوسجين والله سبحانه وتعالى اعلم.

الباب العاشر فى الشفاعة

ووجه ذكرها شرح متن الحديث الاول وهو قوله صلى الله عليه وسلم «من زار قبرى وجبت له شفاعتى» وختمنا بها الكتاب لتكون هى خاتمة أمرنا ان شاء الله تعالى.

والقول الجلى فى الشفاعات الاخروية انها خمسة انواع وكلها ثابتة لنبينا صلى الله عليه وسلم وبعضها لا يدنو أحد اليه سواه وفى بعضها يشاركه غيره ويكون هو المتقدم صلى الله عليه وسلم فاختص صلى الله عليه وسلم بعموم الشفاعة وببعض انواعها واما الباقى فيصح نسبته اليه لمشاركته وتقدمه فيه فالشفاعات كلها راجعة الى شفاعته وهو صاحب الشفاعة بالاطلاق فقوله شفاعتى يصح ان تكون اشارة الى النوع المختص به والى العموم والى الجنس لنسبة ذلك كله اليه، فهذه لطيفة يجب التنبه لها، واما التفصيل فقال القاضى عياض وغيره الشفاعة خمسة اقسام.

اولها مختصة بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم، هى الاراحة من طول الوقوف وتعجيل الحساب لايدنو اليها غيره و ... ـة العظمى ولم ينكرها احد.

الثانية، الشفاعة فى ادخال قوم الجنة بغير حساب وهذه ايضـ وردت

وردت لنبينا صلى الله عليه وسلم كما تبين فى الاحاديث التى نذكرها انشاء الله تعالى . قال ابن دقيق العيد ولا اعلم الاختصاص فيها اوعدم الاختصاص . قلت ولفظ الحديث الذى يأتى . فاقول يارب امتى امتى فيقال يا محمد ادخل الجنة من أمتك من لاحساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب ، وحديث دخول قوم الجنة بغير حساب رواه البخارى ومسلم من طرق عن النبى صلى الله عليه وسلم فى بعضها ، يدخل من امتى الجنة سبعون الفا بغير حساب فقال رجل يا رسول الله ادع الله ان يجعلنى منهم فقال اللهم اجعله منهم ، والرجل عكاشة ، وفى حديث آخر ، قالوا من هم يا رسول الله قال هم الذين لايسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون ، وفى حديث آخر ، عرضت على الامم فرأيت النبى ومعه الرهط والنبى ومعه الرجل والرجلان والنبى ليس معه أحد ورفع لى سواد عظيم وتمنيت انهم امتى فقيل لى هذا موسى عليه السلام وقومه ولكن انظر الى الافق فنظرت فاذا هو سواد عظيم فقيل لى انظر الى الافق الآخر فنظرت فاذا سواد عظيم فقيل لى هذه أمتك ومعهم سبعون الفا يدخلون الجنة بغير حساب ولاعذاب، وفى حديث آخر . وهولاء سبعون الفا قدامهم لاحساب عليهم ولاعذاب . وفى حديث آخر . يدخل من امتى زمرة هم سبعون الفا يضيء وجوههم اضاءة القمر ليلة البدر . وهذه الاحاديث كلها فى الصحيح . وفى حديث آخر فى الصحيح . لايدخل اولهم حتى يدخل آخرهم . وهو اشارة الى سعة باب الجنة وسيأتى التصريح به وقوله اولهم وآخرهم اما ان يراد به فى الدنيا وان المتقدم فى الزمان والمتأخر

يدخلون دفعة واحدة و اما ان تكون كناية عن سرعة تعاقبهم فانهم يدخلون متماسكين و الافيستحيل ان يكون لهم اول وآخر فى الدخول ولايدخل اولهم قبل آخرهم حقيقة ، اذا عرفت ذلك فلا شك ان زمرة تدخل الجنة بغير حساب وهم بالصفة المذكورة فى الحديث وقد دخل فيهم عكاشة رضى الله عنه بدعوة النبي صلى الله عليه وسلم و الظاهر ان كل من حصلت له الصفة المذكورة فى الحديث استحق هذا الجزاء لكن دخولهم الجنة متوقف على شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم فاذا شفع اذن الله له بادخالهم من الباب الايمن كما هو ظاهر الحديث فانه جعل كونهم لاحساب عليهم وصفا ثابتا لهم ، ويحتمل ان ذلك الجزاء انما يستحقونه بشرط الشفاعة وان اشتملوا على الصفات المذكورة لكن لم يدل دليل على هذا ، و اعنى بالحديث المذكور قوله تعالى ادخل الجنة من لاحساب عليه .

و اما ان شخصا لايتصف بالصفة المذكورة فى الحديث ويكون ممن يستحق الحساب فهل يشفع فيه حتى يدخل الجنة بغير حساب اولا لفظ الحديث لا يدل على ذلك بنفى ولا اثبات و ظاهر قوله سبعون الفا انهم لا يزيدون على ذلك و انهم كلهم بالصفة المذكورة و هل من الامم السابقة من غير الانبياء من يدخل الجنة بغير حساب لم يرد فيه شيء بنفى و لا اثبات ، و قال ابو طالب عقيل بن عطية رحمه الله الظاهر ان فيهم من هو كذلك .

قلت و على كل من التقادير المفروضة فالخصوصية ثابتة لنبينا صلى الله عليه وسلم فى ادخال اول زمرة من امته الجنة بشفاعته فان شفاعته المذكورة تكون فى اول مقام الشفاعة قبل ان تجعل الشفاعة لغيره

ويترتب

و يترتب عليها الاذن فى ادخال الزمرة المذكورة و هى اول من يدخل الجنة كما سيأتى، و هذا المعنى لا يشاركه احد فيه سواء كان فى الامم المتقدمة من يدخل بغير حساب و يحتاج الى شفاعة نبيه اولا و حينئذ تكون العبارة المحررة عن هذه الشفاعة انها شفاعة فى استفتاح الجنة و ادخال اول زمرة تدخلها و هى فى الرتبة الثانية من الشفاعة العظمى التى لفصل القضاء و الا راحة من طول الوقوف فى ذلك المكان، و عبارة القاضى عياض و من تابعه تقتضى اثبات شفاعته فى اسقاط الحساب و هو من الامور الجائزة عقلا فان ورد به سمع اتبع. و القاضى عياض وغيره لما ذكروا ذلك اشاروا الى الحديث المذكور و قدبينا ما يقتضيه و سنذكر فى بعض احاديث الشفاعة سؤال المؤمنين لآدم عليه السلام فى استفتاح الجنة و نتكلم على كون السؤال مرتين أو مرة.

و على كل تقدير فالشفاعة فى استفتاح الجنة متأخر بالرتبة عن الشفاعة فى فصل القضاء فيصلح عدد شفاعة ثانية و كلاهما خاص بالنبى صلى الله عليه و سلم بغيرشك و من تأمل الاحاديث التى سنذكرها عرف ان اول فصل القضاء تميز الامم و الامر بان تتبع كل امة ما كانت تعبد الى ان لا يبقى الا المؤمنون فيدخلون الجنة زمرا و جميع ذلك و الله اعلم يعطاه النبى صلى الله عليه و سلم فى اول مرة اذا رفع رأسه من السجود و شفع و قيل له ادخل الجنة من لاحساب عليه من امتك من الباب الايمن و هم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب. و قوله و هم يعود على الامة فاما ان يحمل على من لايدخل الـ[illegible] اوعلى الجميع و يكون ذلك بشرى للنبى صلى الله عليه و سلم بدخولهم جميعهم الجنة و ان تأخر بعضهم. ثم السجدات الباقية لاخراج المذنبين

من النار، ولعل السبعين الفا يدخلون بغير عرض فان ظاهر الحديث يقتضى انه لاحساب عليهم اصلا ومن يحاسب حسابا يسيرا خارج عنهم والحساب اليسير هو العرض كما جاء تفسيره فى الحديث الصحيح وكلا القسمين لايعذب ومن نوقش الحساب عذب .

الشفاعة الثالثة ، الشفاعة لقوم استوجبوا النار فيشفع فيهم نبينا صلى الله عليه وسلم ومن يشاء الله هكذا ذكره القاضى عياض واشار بذلك الى ما سنذكره فى حديث ابى سعيد من قوله ثم يضرب الجسر على جهنم وتحل الشفاعة فيقولون اللهم سلم سلم وظاهر هذا انها شفاعة تحل بعد وضع الصراط بعد الشفاعتين الاولين وانها فى اجازة الصراط ويلزم من ذاك النجاة من النار ولم يرد تصريح بذلك ولا بكونها مختصة اوغير مختصة لكن سيأتى فى الاحاديث ان النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى ذلك اليوم امام النبيين وصاحب شفاعتهم فكل ما يقع من شفاعتهم ينسب اليه بذلك فلا يخرج شىء عن شفاعته لامن انواع الشفاعة ولامن الاشخاص المشفوع فيهم من ملته ومن غير ملته لانه اذا كان صاحب شفاعة الانبياء والكل تحت لوائه فكل من شفعوا فيه فبسببه صلى الله عليه وسلم تقدموا للشفاعة فيه واجابة شفاعتهم اجابة له صلى الله عليه وسلم فكل من يقع شفاعة النبيين فيه داخل تحت شفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم ومن شفع فيه المؤمنون كذلك بطريق الاولى فهو صلى الله عليه وسلم شفيع الشفعاء .

الشفاعة الرابعة فيمن دخل النار من المذنبين، وقد جاءت الاحاديث الصحيحة باخراجهم من النار بشفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء والملائكة واخوانهم من المؤمنين، ثم يخرج الله تعالى

كل من قال لا اله الا الله كما جاء فى الحديث و لا يبقى فيها الا الكافرون، وهذه الشفاعة والشفاعة الاولى العظمى تواترت الاحاديث بهما و اختصاص النبي صلى الله عليه وسلم بالعظمى كما سبق ، و اما هذه فقد جاء فيها شفاعة الملائكة و الانبياء و المؤمنين و ان الله تعالى بعد ذلك يخرج برحمته من قال لا اله الا الله و فيه اقوال سنذكرها احسنها انه من قال من غير هذه الأمة لا اله الا الله و لم يشمله شفاعة انبيائهم و غيرهم من الشافعين اما هذه الامة فكلها يخرج بشفاعة النبي صلى الله عليه و سلم و ان وقع فى بعضهم شفاعة لاخوانهم من المؤمنين فهى فى طى شفاعة النبي صلى الله عليه و سلم لما اشرنا اليه فيما سبق، و اذا ثبت ذلك فاختصاصه صلى الله عليه و سلم من هذا النوع باخراج عموم امته حتى لا يبقى منهم أحـــد و هذا هو الموافق لعموم قوله صـــلى الله عليه و سلم شفاعتى لاهل الكبائر من امتى و قوله صلى الله عليه و سلم لكل نبي دعوة مستجابة فتعجل كل نبي دعوته و انى اختبأت دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة فهى نائلة ان شاء الله تعالى من مات من امتى لا يشرك بالله شيئا رواه مسلم من طرق و روى البخارى طرفا منه .

و قوله صلى الله عليه و سلم أتانى آت من عند ربى عزوجل فخيرنى بين ان يدخل الجنة نصف امتى او بين الشفاعة فاخترت الشفاعة و هى لمن مات لايشرك بالله شيئا رواه الترمذى ، و قوله صلى الله عليه و سلم خيرت بين الشفاعة و بين ان يدخل نصف امتى الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم و اكثر ترونها للمؤمنين المتقين لا و لكنها للمذنبين الخطائين المتلوثين رواه ابن ماجه .

فهذه العمومات كلها متظافرة على عموم شفاعته لكل الامة وكذلك

قوله بين يدى الله تعالى يوم القيامة أمتى أمتى وهى دعوة يتحقق استجابتها. وقد قال العلماء فى قوله لكل نبى دعوة مستجابة انه على يقين من اجابتها وباقى دعواته يرجوها فقد ظهر بهذا اختصاصه صلى الله عليه وسلم بعموم هذه الشفاعة لكل امته.

الشفاعة الخامسة فى زيادة الدرجات فى الجنة لاهلها ذكرها القاضى عياض وغيره ولا ينكرها المعتزلة ايضا ولم اجد فى الاحاديث تصريحا بها لكن عبد الجليل القصرى فى كتاب شعب الايمن له ذكر فى تفسير الوسيلة التى اختص بها النبى صلى الله عليه وسلم انها التوسل وان النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى الجنة بمنزلة الوزير من الملك بغير تمثيل لايصل الى احد شئ الابواسطته صلى الله عليه وسلم واذا كان كذلك فهذه ايضا خاصة به هذا تفصيل الشفاعات الخمس. ومن تأملها وعرف عموم شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لها واختصاصه بما اختص منها وامعن النظر فى ذلك عرف على قدر رتبه هذا النبى الكريم صلى الله عليه وسلم وكلما امعن فى ذلك ازداد اعتقادا وهو كما قال القائل

يزيدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا

وقد رأيت ان لا اخلى هذا الكتاب من احاديث الشفاعة على سبيل الاختصار، فمن ذلك ما رواه البخارى ومسلم رحمهما الله تعالى فى صحيحيهما من حديث ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال انا سيد الناس يوم القيامة وهل تدرون بم ذاك يجمع الله الاولين والآخرين فى صعيد واحد فيسمعهم الداعى وينفذهم البصر وتدنو الشمس فيبلغ الناس من الغم والكرب ما لا يطيقون ومالا يحتملون فيقول بعض الناس لبعض الاترون ما أنتم فيه

ألا

ألا ترون ما قد بلغكم ألا تنظرون الى من يشفعكم الى ربكم فيقول بعض الناس لبعض ايتوا آدم فيأتون آدم فيقولون يا آدم انت ابونا انت ابو البشر خلقك الله بيده و نفخ فيك من روحه و أمر الملائكة فسجدوا لك اشفع لنا الى ربك ألا ترى ما نحن فيه ألا ترى ما قد بلغنا فيقول آدم ان ربى غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله و لن يغضب بعده مثله و انه نهانى عن الشجرة نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى نوح فيأتون نوحا فيقولون يانوح انت اول الرسل الى اهل الارض وسماك الله عبدا شكورا اشفع لنا الى ربك. ألا ترى ما قد بلغنا فيقول لهم ان ربى غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله و لن يغضب بعده مثله و انه قد كانت لى دعوة دعوت بها. على قومى نفسى نفسى اذهبوا الى ابراهيم فيأتون ابراهيم فيقولون انت نبي الله و خليله من اهل الارض اشفع لنا الى ربك ألا ترى مانحن فيه الا ترى ماقد بلغنا فيقول لهم ابراهيم ان ربى قد غضب غضبا لم يغضب قبله مثله و لا يغضب بعده مثله نفسى نفسى اذهبوا الى موسى فيأتون موسى فيقولون يا موسى انت رسول الله فضلك الله برسالاته و بتكليمه على الناس لشفع لنا الى ربك ألا ترى الى مانحن فيه الا ترى الى ما قد بلغنا فيقول لهم موسى ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله و لن يغضب بعده مثله و انى قتلت نفسا لم أومر بقتلها نفسى نفسى اذهبوا الى عيسى فيأتون عيسى فيقولون يا عيسى انت رسول الله و كلمت الناس فى المهد وكلمة منه القاها الى مريم وروح منه فاشفع لنا الى ربك ألا ترى مانحن فيه الا ترى ما قد بلغنا فيقول لهم عيسى ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله و لا يغضب

بعده مثله ولم یذکر له ذنبا نفسی نفسی اذهبوا الی غیری اذهبوا الی محمد فیأتونی فیقولون یامحمد انت رسول الله خاتم الانبیاء وغفر الله لک ماتقدم من ذنبک وماتأخر اشفع لنا الی ربک ألاتری مانحن فیه ألاتری الی ما قد بلغنا فانطلق فآتی تحت العرش فأقع ساجدا لربی ثم یفتح الله علیّ ویلهمنی من محامده وحسن الثناء علیه شیئا لم یفتحه لاحد قبلی ثم یقال یامحمد ارفع رأسک سل تعطه اشفع تشفع فارفع رأسی فاقول یارب امتی امتی فیقال یامحمد ادخل من امتک من لاحساب علیه من الباب الایمن من ابواب الجنة وهم شرکاء الناس فیما سوی ذلک من الابواب والذی نفس محمد بیده ان مابین المصراعین من مصاریع الجنة لکمابین مکة وهجرا وکمابین مکة وبصری .

هذا لفظ مسلم وذکره البخاری فی مواضع مقطعا وذکره بطوله فی سورة بنی اسرائیل وذکر فیه من قول آدم ومن دونه من الانبیاء علیهم الصلاة والسلام نفسی نفسی نفسی ذکرها ثلاثا وقال امتی یارب امتی یارب أمتی یارب .

وروی البخاری ومسلم ایضا عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذاکان یوم القیامة ماج الناس بعضهم الی بعض فیأتون آدم فیقولون له اشفع لذریتک فیقول لست لها ولکن علیکم بابراهیم فانه خلیل الله فیأتون ابراهیم فیقول لست لها ولکن علیکم بموسی فانه کلیم الله تعالی فیؤتی موسی فیقول لست لها ولکن علیکم بعیسی فانه روح الله وکلمته فیأتون عیسی فیقول لست لها ولکن علیکم بمحمد قال صلی الله علیه وسلم فیأتونی فاقول انا لها فانطلق فأستاذن علی ربی فیؤذن لی فاقوم بین یدیه فاحمده بمحامد لا اقدر علیها الآن یلهمنیها الله ثم أخرله ساجدا

فیقال

فيقال لى يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع لك و سل تعطه و اشفع تشفع فاقول امتى امتى فيقال لى انطلق فمن كان فى قلبه مثقال حبة من بر او شعيرة من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربى فاحمده بتلك المحامد ثم أخرله ساجدا فيقال لى يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع لك و سل تعطه و اشفع تشفع فاقول يارب امتى امتى فيقال لى انطلق فمن كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل ثم أعود الى ربى فاحمده بتلك المحامد ثم أخرله ساجدا فيقال لى يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع لك وسل تعطه و اشفع تشفع فاقول يارب امتى امتى فيقال لى انطلق فمن كان فى قلبه ادنى ادنى ادنى من مثقال حبة من خردل من ايمان فاخرجه من النار فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربى فى الرابعة فاحمده بتلك المحامد ثم أخرله ساجدا فيقال لى يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب ائذن لى فيمن قال لا اله الا الله قال ليس ذلك لك . او قال : ليس ذلك اليك و لكن و عزتى وكبريائى و عظمتى و جبريائى لاخرجن من قال لا اله الا الله . هذا لفظ مسلم .

و قال البخارى فى الاول مثقال شعيرة من ايمان و فى الثانية مثقال ذرة و خردلة من ايمان و فى الثالثة ادنى ادنى ادنى مثقال حبة من خردلة من ايمان فاخرجه من النار من النار من النار فانطلق فافعل و لم يقل فيه ليس ذلك اليك . قال و عزتى و جلالى وكبريائى و عظمتى لاخرجن منها من قال لا اله الا الله . و خرج البخارى و مسلم حديث انس من طريق آخر وفيه ذكر نوح بعد آدم كما فى حديث ابى هريرة و فيه من قول عيسى إئتوا محمدا صلى الله عليه و سلم عبد قد غفرله ماتقدم

من ذنبه و ما تأخر، قال رسول الله صلى الله عليه و سلم فيأتونى فاستاذن على ربى فيؤذن لى فاذا انا رأيته و قعت ساجدا فيد عنى ما شاء الله فيقال يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع لك و سل تعطه و اشفع تشفع فارفع رأسى فاحمد ربى بتحميد يعلمنيه ثم اشفع فيحدلى حدا فاخرجهم من النار و ادخلهم الجنة ثم اعود فأقع ساجدا، و فيه فى الثالثة اوالرابعة فأقول يارب مابقى فى النار الامن حبسه القرآن اى و جب عليه الخلود هكذا فى رواية، و فى رواية عند البخارى قال فى الرابعة ثم ارجع فاقول يارب ما بقى فى النار الامن حبسه القرآن و و جب عليه الخلود.

و فى البخارى فى رواية ذكر الشفاعة ثلاث مرات و فيه فى الثلاث فأستاذن على ربى فى داره فيؤذن لى عليه، و فيه ثم تلاهذه الآية (عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا) قال هذا المقام المحمود الذى وعده نبيكم صلى الله عليه وسلم و فى رواية عندمسلم عن انس ان نبى الله صلى الله عليه و سلم قال يجمع الله المؤمنين يوم القيامة فيلهمون لذلك يقولون لواستشفعنا على ربنا و فى مسند ابى عوانة عن حذيفة بن اليمان عن ابى بكر الصديق رضى الله عنهم قال اصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فصلى الغداة ثم جلس حتى اذا كان من الضحى ضحك رسول الله صلى الله عليه و سلم ثم جلس مكانه حتى صلى الاولى و العصر و المغرب كل ذلك لايتكلم حتى صلى العشاء الآخرة ثم قام الى اهله فقال الناس لابى بكر سل رسول الله صلى الله عليه و سلم ما شأنه صنع اليوم شيئا لم يصنعه قط فسأله فقال نعم عرض على ما هو كائن من أمر الدنيا و أمر الآخرة فجمع الاولون و الآخرون فى صعيد و احد ففزع الناس لذلك حتى انطلقوا الى آدم و العرق كاديلجمهم فقالوا يا آدم انت ابوالبشر و انت اصطفاك الله اشفع لنا

لنا الى ربك قال قد لقيت مثل الذى لقيتم انطلقوا الى أبيكم بعد ابيكم انطلقوا الى نوح و ذكر الحديث قريبا من رواية انس الى ان انتهى الى عيسى قال ليس ذاكم عندى و لكن انطلقوا الى سيد ولد آدم و فيه قال فينطلق فيأتى جبرئيل فيقول الله له ائذن له و بشره بالجنة قال فينطلق به جبرئيل فيخر ساجدا قدر جمعة ثم يقول الله يا محمد ارفع رأسك و قل يسمع و اشفع تشفع قال فيرفع رأسه فاذا نظر الى ربه خر ساجدا قدر جمعة اخرى فيقول الله يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع و اشفع تشفع قال فيذهب ليقع ساجدا فيأخذ جبرئيل عليه السلام بضبعيه فيفتح الله عليه من الدعاء شيئا لم يفتحه على بشر قط قال فيقول اى رب جعلتنى سيد ولد آدم و لا فخر و اول من تنشق عنه الارض يوم القيامة ولا فخر حتى انه ايرد على الحوض اكثر مما بين صنعاء و ايلة .

و هذا الحديث يشير الى امر عظيم مما رءاه النبي صلى الله عليه وسلم و أعله فى ذلك اليوم لا يحيط به الا الله تعالى و من أعلمه اياه و ان ما اشتمل عليه حديث انس و ابى هريرة رضى الله عنه و غيرهما من التفاصيل جزء يسير مما علمه النبي صلى الله عليه و سلم و من احوال يوم القيامة اعاننا الله تعالى عليه و الظاهر ان هذه السجدة الاولى المذكورة فى هذه الرواية لم تذكر فى حديث انس و ابى هريرة و يكون المراد فى حديث انس و ابى هريرة ان النبي صلى الله عليه و سلم يقوم فى مقام الشفاعة اربع مرات و المذكور هنا تفصيل المرة الاولى منها . و جاءت أحاديث أخر فيها بعض احوال يوم القيامة ايضا . منها حديث عن حذيفة بن اليمان و ابى هريرة رضى الله عنهم قالا قال رسول الله صلى الله عليه و سلم يجمع الله الناس فيقوم المؤمنون حتى تزلف لهم الجنة

فيأتون آدم فيقولون يا ابانا استفتح لنا الجنة فيقول لست بصاحب ذلك اذهبوا الى ابنى ابراهيم خليل الله قال فيقول ابراهيم لست بصاحب ذلك اعمدوا الى موسى الذى كلمه تكليما فيأتون موسى فيقول لست بصاحب ذلك اذهبوا الى عيسى كلمة الله و روحه فيقول عيسى لست بصاحب ذلك فيأتون محمدا صلى الله عليه و سلم فيقوم فيؤذن له و يرسل الامانة و الرحم فيقومان جنبتى الصراط يمينا و شمالا فيمر اولكم كالبرق الخاطف ثم كمر الريح ثم كمر الطير و شد الرجال تجرى بهم اعمالهم و نبيكم قائم على الصراط يقول يارب سلم سلم حتى تعجز اعمال العباد حتى يجيء الرجل فلا يستطيع السير الازحفا قال و فى حافتى الصراط كلاليب معلقة مأمورة باخذ من امرت به فمخدوش ناج و مكروس فى النار رواه مسلم .

و انفرد بقوله يقوم المؤمنون حين تزلف لهم الجنة و بذكر الامانة و الرحم و قيامهما جنبتى الصراط و بذكر قيام النبى صلى الله عليه و سلم على الصراط و بقيته رواه البخارى من طرق اخرى و عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه فى حديث الرؤية قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا كان يوم القيامة اذن مؤذن ليتبع كل امة ما كانت تعبد فلا يبقى احد كان يعبد غير الله من الاصنام و الانصاب الا يتساقطون فى النار حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله من بر و فاجر و غير اهل الكتاب فيدعى اليهود فيقال لهم ما كنتم تعبدون قالوا كنا نعبد عزير بن الله فيقال لهم كذبتم ما اتخذ الله من صاحبة و لا ولد فماذا تبغون قالوا عطشنا يا ربنا فاسقنا فيشار اليهم ألا تردون فيحشرون الى النار فيتساقطون فى النار ثم يدعى النصارى فيقال لهم ما كنتم تعبدون قالوا المسيح بن الله فيقال لهم

كذبتم ما اتخذالله من صاحبة و لاولد فيقال لهم ما تبغون فيقولون عطشنا يا ربنا فاسقنا قال فيشار اليهم الا تردون فيحشرون الى جهنم فيتساقطون فيها حتى اذا لم يبق الامن كان يعبد الله من بروفاجر اتاهم رب العالمين.

و فيه فيكشف عن ساق فلا يبقى من كان يسجد لله من تلقاء نفسه الا اذن الله له بالسجود و لا يبقى من كان يسجد اتقاء وريا. الاجعل الله ظهره طبقة واحدة كلما ارادأن يسجد خر على قفاه ثم يضرب الجسر على جهنم و تحل الشفاعة و يقولون اللهم سلم سلم، قيل و ما الجسر يا رسول الله قال دحض مزلة فيه خطاطيف وكلاليب وحسكة فيمر المؤمنون كطرف العين وكالبرق وكالريح وكالطير وكأجاويد الخيل والركاب فناج مسلم و مخدوش مرسل و مكدوس فى النار حتى اذا خلص المؤمنون من النار فو الذى نفسي بيده ما من أحد منكم باشد مناشدة لله فى استيفاء الحق من المؤمنين بعد يوم القيامة لاخوانهم الذين فى النار فيقولون ربنا كانوا يصومون معنا و يصلون و يحجون فيقال لهم اخرجوا من عرفتم فيحرم صورهم على النار فيخرجون خلقا كثيرا قد اخذت النار الى نصف ساقيه والى ركبتيه فيقولون ربنا ما بقى فيها أحد ممن أمرتنا به فيقول ارجعوا فمن وجدتم فى قلبه مثقال دينار من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول ارجعوا فمن وجدتم فى قلبه مثقال نصف دينار من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول ارجعوا فمن وجدتم فى قلبه مثقال ذرة من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقولون ربنا لم نذر فيها خيرا فيقول الله عزوجل شفعت الملائكة و شفع النبيون و شفع المؤمنون و لم يبق الا ارحم الراحمين فيقبض قبضة من النار فيخرج قوما لم يعملوا خيرا قط قدعادوا حمما فيلقيهم

فى نهر الحياة فيخرجون كاللؤلؤ فى رقابهم الخواتيم يعرفهم أهل الجنة يقولون هؤلاء عتقاء الله الذين ادخلهم الجنة بغير عمل عملوه و لاخير قدموه ثم يقول ادخلوا الجنة فما رأيتموه فهولكم فيقولون ربنا اعطيتنا مالم تعط أحدا من العالمين فيقول لكم عندى أفضل من هذا فيقولون يا ربنا واى شئ افضل من هذا فيقول رضائى فلا أسخط عليكم ابدا ، قال ابو سعيد الخدرى بلغنى ان الجسر ادق من الشعر و احد من السيف، لفظ مسلم و للبخارى قريبا منه .

و قال دينار من ايمان و نصف دينار من الايمان و ذرة من ايمان و فى البخارى من حديث ابى هريرة فى الرواية عن النبي صلى الله عليه و سلم يجمع الله الناس فيقال من كان يعبد شيئا فليتبعه و فى آخره فيضرب الصراط بين ظهرى جهنم . قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكون و امتى اول من يجيز و لايتكلم يومئذ الا الرسل و دعوى الرسل يومئذ اللهم سلم سلم. قوله يجيز يقال جاز واجاز لغتان . و قوله ذرة بفتح الذال المعجمة و تشديد الراء و من قال خلاف ذلك فقد صحف و قال بعضهم فى هذه الاحاديث ان المعانى التى فى الدنيا تظهر يوم القيامة للحس و العيان فلذلك تشاهد الانبياء و المؤمنون ما فى القلوب على هذه الاوزان المخصوصة و جعل قول ابى سعيد فى الصراط انه أدق من الشعر و احد من السيف راجعا الى صعوبة الاستقامة على الصراط فى الدنيا و ان الكلاليب و الحسك التى حوله هى الاغراض و الاهواء التى فى الدنيا و قوله تحل الشفاعة قيل هو من الحل نقيض الحرمة اى يؤذن فيها وقيل من الحلول اى تحصل و تقع .

و فى البخارى حرم الله على النار ان تأكل اثر السجود و اختلف فى

فى تفسيره ، والصحيح ان المراد بها دارات الوجوه كما ورد مصرحا به .

وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطيبهم اذا وفدوا وانا مبشرهم اذا يئسوا لواء الحمد بيدى وانا اكرم ولد آدم على ربى ولا فخر ، رواه الترمذى وقال حسن .

وعن ابى بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا كان يوم القيامة كنت امام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم من غير فخر. رواه الترمذى وقال حسن . وعن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله وسلم انا سيد ولد آدم يوم القيامة وبيدى لواء الحمد ولا فخر وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى رواه الترمذى وقال حسن .

وعن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال انا حبيب الله ولا فخر . وانا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر. وانا اول شافع واول مشفع يوم القيامة ولا فخر . واول من يحرك حلق الجنة فيفتح الله لى فيدخلنيها ومعى فقراء المؤمنين ولا فخر ، وأنا اكرم الأولين والآخرين ولا فخر ، رواه الترمذى .

وعن أنس بن مالك رضى الله عنه قال سألت النبى صلى الله عليه وسلم ان يشفع لى يوم القيامة فقال انا فاعل قال قلت يا رسول الله فاين اطلبك قال اطلبنى اول ما تطلبنى على الصراط ، قال قلت فان لم القك على الصراط قال فاطلبنى عند الميزان قلت فان لم القك عند الميزان قال فاطلبنى عند الحوض ، فانى لا اخطئ هذه الثلاث المواطن ، رواه الترمذى وقال حسن غريب .

وعن ابى هريرة رضى الله عنه قال قلت يا رسول الله من اسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة قال لقد ظننت يا ابا هريرة ان لا يسألنى عن هذا الحديث احد اولى منك لما رأيت من حرصك على الحديث ان اسعد الناس بشفاعتى يوم القيامة من قال لا اله الا الله خالصا من قبل نفسه ، رواه البخارى .

وعن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخلص المؤمنون من النار فيحبسون على قنطرة بين الجنة والنار فيقتص لبعضهم من بعض مظالم كانت بينهم فى الدنيا حتى اذا هذبوا ونقوا أذن لهم فى دخول الجنة انفرد به البخارى .

وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فى قلبه من الخير ما يزن شعيرة ثم يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فى قلبه من الخير ما يزن برة ثم يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فى قلبه من الخير ما يزن ذرة متفق عليه زاد البخارى بعد ذكر هذا الحديث قال ابان ثنا قتادة ثنا انس عن النبى صلى الله عليه وسلم من ايمان مكان خير وترجم عليه باب زيادة الايمان ونقصانه .

وعن أنس رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا كان يوم القيمة شفعت فقلت يارب ادخل الجنة من فى قلبه خردلة فيدخلون ثم اقول ادخل الجنة من كان فى قلبه ادنى شى رواه البخارى .

وعن جابر رضى الله عنه قال هل سمعت بمقام محمد صلى الله عليه وسلم فانه مقام محمد صلى الله عليه وسلم المحمود الذى يخرج الله به من .

من يخرج ·

وعن عمران بن حصين رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال يخرج قوم من النار بشفاعة محمد فيدخلون الجنة رواه البخاری فی باب صفة الجنة والنار . وعن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا اول الناس يشفع فی الجنة وانا اكثر الانبياء تبعا رواه مسلم .

وعن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال نحن يوم القيمة على تل مشرفين على الخلق ، ذكره عبد الحق وهو فی مسلم لكنه وقع فيه اشكال لعله على بعض الرواة فاسقط اللفظ المذكور حتى صار لا يفهم معناه وقال على كذا ·

وعن ابن عمر قال فيرقى هو يعنى محمدا صلی الله علیه وسلم وأمته على كوم فوق الناس وقد ورد مبينا من طرق منها عن كعب بن مالك رواه احمد فی مسنده انا الامام الحافظ ابو محمد مسعود بن احمد بن مسعود الحارثی رحمه الله قراءة عليه وانا اسمع قال اخبرنا ابو الفرج عبد اللطيف بن عبد المنعم الحرانی قراءة عليه وانا اسمع قال انا ابو محمد عبد الله بن احمد بن ابی المجد الحربی انا هبة الله بن عبد الواحد بن الحصين انا ابو على الحسن بن على بن محمد المذهب انا ابو بكر احمد بن جعفر بن حمدان بن مالك القطيعی ثنا عبد الله بن احمد بن حنبل قال حدثنی ابی ثنا يزيد بن عبدالرب قال حدثنی محمد بن حرب ثنا الزبيدی عن الزهری عن عبد الرحمن بن عبدالله بن كعب بن مالك عن كعب بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال يبعث الناس يوم القيامة فاكون أنا وأمتى على تل ويكسونی ربی حلة خضراء ثم يؤذن لی فأقول ما شاء الله أن اقول فذلك المقام المحمود . وفی مسلم

بقية الحديث عن جابر يعطى كل انسان منهم منافق او مؤمن نورا و على جسر جهنم كلاليب و حسك تأخذ من شاء الله ثم يطفى نور المنافقين ثم ينجو المؤمنون فينجو اول زمرة وجوههم كالقمر ليلة البدر سبعون ألفا لا يحاسبون .

و فى البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما اذا كان يوم القيامة كان الناس جثا تتبع كل امة نبيها يا فلان اشفع يا فلان اشفع حتى ينتهى الى النبي صلى الله عليه و سلم و الاحاديث فى الشفاعة كثيرة و بمجموعها يبلغ مبلغ التواتر ، و اعنى بالتواتر هنا ما اشتركت فيه الروايات من الشفاعة لا لفظا واحدا منها بخصوصه . و هذا النوع من التواتر فى السنة كثير ، و اما التواتر فى لفظ حديث مخصوص فعزيز وقد تضمنت هذه الاحاديث من المناقب الشريفة و المآثر الجليلة و الفوائد الجمة مالا يسعه هذا المكان ولكنا نشير الى شىء منه على سبيل الاختصار اما قوله فى اوله يجمع الله الناس .

و فى رواية اخرى يجمع المؤمنون ، فيه اشارة الى ان الذى يتوجه الى الانبياء و يخاطبهم بسؤال الشفاعة هم المؤمنون و ان كان الغم و الكرب قد عم جميع الناس من الكفار و المؤمنين الاولين و الآخرين ، و اختصاص المؤمنين بسؤال الانبياء مناسب لامرين ، احدهما ، ما لهم من الصلة بهم بالايمان . و الثانى انه يحصل لهم باراحتهم من ذلك المكان خير و الكفار ينتقلون الى ما هو اشد عليهم فهذه الشفاعة العظمى و ان ترتب عليها فصل القضاء لعموم الناس فليس الكفار مقصودين بها ، قال تعالى (فما تنفعهم شفاعة الشافعين) و قال تعالى حكاية عنهم ، (فما لنا من شافعين) و قد قيل ان جميع الناس يسألون مؤمنهم وكافرهم .

فصل

فصل

و فی التجاء الناس الی الانبیاء فی ذلک الیوم أدل دلیل علی التوسل بهم فی الدنیا و الآخرة و ان کل مذنب یتوسل الی الله عزوجل بمن هو اقرب الیه منه و هذا لم ینکره احد ، و قد قدمنا طرفا من ذلک فی باب الاستغاثة و لافرق بین ان یسمی ذلک تشفعا اوتوسلا او استغاثة و لیس ذلک من باب تقرب المشرکین الی الله تعالی بعبادة غیره فان ذلک کفر و المسلمون اذا توسلوا بالنبی صلی الله علیه و سلم او بغیره من الانبیاء و الصالحین لم یعبدوهم و لا أخرجهم ذلک عن توحیدهم لله تعالی و انه هو المتفرد بالنفع و الضرر و اذا جاز ذلک جاز قول القائل اسأل الله تعالی برسوله لانه سائل لله تعالی لالغیره .

فصل

و اما الهامهم سؤال آدم و من بعده صلوات الله تعالی و سلامه علیهم و لم یلهموا فی الابتداء سؤال نبینا محمد صلی الله علیه و سلم فالحکمة فیه و الله تعالی اعلم انهم لوسألوه ابتداء لامکن ان یقول قائل یحتمل ان غیره یقدر علی هذا فاما اذا بذلوا الجهد فی السؤال و الاسترشاد و سألوا غیره من رسل الله تعالی و اصفیائه و اولی العزم فامتنعوا و لم یألوهم جهدا فی النصح و الارشاد فانتهوا الیه و اجاب و حصل عرضهم حصل العلم لکل احد بنهایة مرتبته صلی الله علیه و سلم و ارتفاع منزلته وکمال قربه و عظم اجلاله و انسه و تفضیله علی جمیع المخلوقین من الرسل الآدمیین و الملائکة ، و حق لصاحب هذا المقام ان یکون سید الامم ، و ان یسافر الی زیارته علی الرأس لاعلی القدم .

فصل

و أما ما يذكره الانبياء عليهم السلام فنبه القاضى عياض رحمه الله تعالى فيه على فائدة جليلة يؤكد القول المختار انهم معصومون من الكبائر و الصغائر فان هذه الاشياء التى ذكروها ، اكل آدم عليه السلام من الشجرة ناسيا ودعوة نوح عليه السلام على قوم كفار و قتل موسى لكافر لم يؤمر بقتله ، و كان ذلك قبل النبوة ، و مدافعة ابراهيم عليه السلام على الكفار بقول عرض به هو فيه صادق من وجه و هذه كلها فى حق غيرهم ليست بذنوب لكنهم اشفقوا منها اذ لم يكن عن امر الله تعالى و عتب على بعضهم فيها لعلو منزلتهم من معرفة الله تعالى و لو صدر منهم شيء غير ذلك لذكروه فى ذلك المقام فليتامل الناظر هذه الفائدة و ليأخذها بكلتى يديه .

و ما اختاره القاضى عياض من عصمتهم من الصغائر كعصمتهم من الكبائر هو الذى اعتقده و ادين الله به و ان كان اكثر المتكلمين على خلافه ، و لا يحتمل هذا المكان التطويل بالاستدلال له ، قال القاضى عياض و لا يهولنك ان نسب قوم هذا المذهب الى الخوارج و المعتزلة و طوائف من المبتدعة اذ منزعهم فيه منزع آخر من التكفير بالصغائر و نحن نتبرأ الى الله تعالى من هذا المذهب .

فصل

و اما قوله صلى الله عليه و سلم عقب رفع رأسه يا رب امتى امتى فظاهره ان اول شفاعته فى امته و فى حديث حذيفة المتقدم انه يقوم و ترسل الامانة و الرحم فيقومان جنبتى الصراط . و مال القاضى عياض الى ان هذا فى الاول لان هذه الشفاعة هى التى لجأ الناس اليه فيها و هى الاراحة

الاراحة من الموقف و الفصل بين العباد ثم بعد ذلك حلت الشفاعة فى امته صلى الله عليه و سلم فى المذنبين و حلت شفاعة الانبياء و الملائكة و غيرهم و جاء فى الاحاديث المتقدمة اتباع كل امة ما كانت تعبد ثم تميز المؤمنين من المنافقين ثم حاول الشفاعة و وضع الصراط فيحتمل ان الامر باتباع الامم ما كانت تعبد هو اول الفصل و الاراحة من هول الموقف و هو اول المقام المحمود و ان الشفاعة التى ذكر حلولها هى الشفاعة فى المذنبين على الصراط و هو ظاهر الاحاديث و انها لنبينا محمد صلى الله عليه و سلم و لغيره كما نص عليه فى الاحاديث السابقة ثم ذكر بعدها الشفاعة فيمن دخل النار و بهذا تجتمع متون الاحاديث و تترتب معانيها ان شاء الله تعالى . هذا كلام القاضى رحمه الله و هو ترتيب حسن و ليس فيه ما يعارض شفاعته صلى الله عليه و سلم لامته عقب رفع رأسه من السجود فى المرة الاولى فانه يحتمل ان يكون ذلك ابتداء فصل القضاء وقد صح عن النبى صلى الله عليه و سلم ان امته هى المقضى لهم قبل الخلائق فيكون صلى الله عليه و سلم لما يدنو للشفاعة فى فصل القضاء و يؤذن له فى الشفاعة يبتدئ بالسؤال لمن يقضى له اولا فيجاب بان يدخل الجنة من امته من لا حساب عليه هذا فى المرة الاولى و يكون اعلامه صلى الله عليه و سلم بذلك فى اول الامر من كمال الاكرام ثم بعد ذلك تتبع كل امة ما كانت تعبد و يوضع الصراط و يؤذن فى الشفاعة للمذنبين فيشفع النبي صلى الله عليه و سلم و الانبياء و الملائكة فى نجاة من يشاء الله من النار ثم بعد ذلك يدخل اهل الجنة الجنة و اهل النار النار و من شاء الله تعالى من المذنبين فيقع بعد ذلك الشفاعة فى اخراج المذنبين من النار و لعل سؤال النبي صلى الله عليه و سلم لامته فى الثانية و الثالثة

و الرابعة حينئذ و يشفع الانبياء ايضا و الملائكة و المؤمنون فى أخوانهم ويحتمل ان يكون اقتصار النبي صلى الله عليه وسلم على ذكر امته من كمال الادب مع ربه سبحانه و تعالى فانهم الاخصون به وهو صلى الله عليه وسلم يعلم انه يحصل فى ضمن ذلك ماقصد اليه و لجأ الناس بسببه من فصل القضاء العام على انه قد ورد فى حديث آخر ذكره القاضي عياض فى الشفاء أماترضون ان يكون ابراهيم و عيسى فيكم يوم القيامة .

ثم قال انهما فى امتى يوم القيامة اما ابراهيم فيقول انت دعوتى و ذريتى فاجعلنى من امتك . و اما عيسى فالانبياء اخوة بنوعلات أمهاتهم شتى و ان عيسى اخى ليس بينى و بينه نبى و انا اولى الناس به و يحتمل ان يكون السؤال للانبياء مرتين مرة من جميع الناس فى فصل القضاء ثم مرة من المؤمنين بعد تميزهم فى استفتاح الجنة . و سقط من الحديث ذكر الشفاعة الاولى وقد ورد هذا مصرحا به .

روى على بن معبد فى كتاب الطاعة و المعصية عن المسيب بن شريك عن اسماعيل بن رافع المدنى عن عبد الله بن يزيد عن محمد بن كعب القرظى عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه و سلم حديثا طويلا فيه فتوقفون فى موقف حفاة عراة غرلا مقدار اربعين عاما لا ينظر الله اليكم و لا يقضى بينكم فتبكى الخلائق حتى تنقطع الدموع ثم يدمع دماويعرقون حتى يبلغ منهم الآذان او يلجمهم فيضجون و يقولون من يشفع لنا الى ربنا فيقضى بيننا فيؤتى آدم فيطلب ذلك اليه فيأبى ثم يستقرون الانبياء نبيانبيا كلما جاؤا نبيا أبى فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم حتى يأتونى فاذا جاؤنى انطلقت فاخر قدام العرش لربى ساجدا حتى يبعث الله الى ملكا فياخذ بعضدى فيرفعنى فيقول لى حين يرفعنى الملك ماشأنك

ماشأنك يا محمد وهو أعلم فاقول يارب وعدتنى الشفاعة فشفعنى فى خلقك فاقض بينهم فيقول الله تعالى قد شفعتك انا آتيكم فاقضى بينكم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجع فاقف مع الناس فبينا نحن وقوف اذ سمعنا حساشديدا من السماء فهبا لنا فنزل اهل سماء الدنيا بمثلى من فيها من الانس والجن ثم ينزلون على قدر ذلك من التضعيف ثم يضع عرشه حيث شاء من الارض ثم يقول وعزتى وجلالى لايجاوزنى اليوم احد بظلم وفيه ثم يقضى الله عزوجل بين خلقه كلهم الا الثقلين الجن والانس ثم يقضى بين الثقلين فيكون اول ما يقضى فيه الدماء .

وفيه بعد ذلك حتى اذا لم يبق لاحد عند احد تبعة نادى مناد ليلحق كل قوم بآلهتهم ويجعل ملك على صورة عيسى فيتبعه النصارى، وفيه حتى اذا لم يبق الاالمؤمنون وفيهم المنافقون وفيه بعد ذلك ثم يضرب الصراط فيمرون وفيه بعد ذلك فاذا افضى اهل الجنة الى الجنة قالوا من يشفع لنا الى ربنا ليدخلنا الجنة فيؤتى آدم فيقول عليكم بنوح وذكر مثل ما فى الاحاديث المشهورة نوح ثم ابراهيم ثم موسى ثم عيسى الى ان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأتونى ولى عندالله ثلاث شفاعات فانطلق حتى أتى باب الجنة فاخذ بحلقة الباب واستفتح فيفتح لى فاحيي ورحب بى فاذا دخلت خررت ساجدا الى ان قال فى الثالثة فاقول يارب وعدتنى الشفاعة فشفعنى فى اهل الجنة فيقول قد شفعتك قد أذنت لهم فى دخول الجنة ثم اشفع فاقول يارب من وقع فى النار من امتى وذكر بقية الحديث

فصل

واما قوله صلى الله عليه وسلم فى المرة الرابعة ائذن لى فيمن قال

لااله الا الله ففيه اقوال، احدها انهم الذين معهم مجرد الايمان قاله القاضي عياض قال و هم الذين لم يؤذن في الشفاعة فيهم و انما دلت الإثآر على انه اذن لمن عنده شيء زائد من العمل على مجرد الايمان و جعل للشافعين من الملائكة و النبيين صلوات الله عليهم و سلامه عليهم دليلا عليه و تفرد الله عزوجل بعلم ماتكنه القلوب و الرحمة لمن ليس عنده الامجرد الايمان وضرب بمثقال ذرة المثل لاقل الخير فانها اقل المقادير قال و الصحيح ان معنى الخير شئ زائد على مجرد الايمان لان مجرد الايمان الذي هوالتصديق لايتجزى و انما يكون هذا التجزى بشئ زائد عليه من عمل صالح اوذكر خفي اوعمل من اعمال القلب من شفقة على مسكين اوخوف من الله تعالى و نية صادقة، و يدل عليه قوله في الرواية الاخرى يخرج من النار من قال لا اله الاالله وكان في قلبه من الخير ما يزن كذا .

و هذا الذي قاله القاضي يشكل عليه أمور ، احدها رواية البخاري المتقدمة و قوله ايمان مكان خير و الروايات يفسر بعضها بعضا و الخير اعم من الايمان فيصدق على من ليس عنده الامجرد الايمان ان عنده خير فلو لم يرد الاهذه الرواية كانت دالة على اخراج جميع المؤمنين فكيف و قد ورد و صح التصريح بالايمان و حمل الايمان على الزائد عليه مجازا من غير دليل لا يسوغ الثاني ما يلزمه من تخصيص شفاعة النبي صلى الله عليه و سلم ببعض المؤمنين و الاحاديث التي و ردت في ذلك عامة و كثرتها تبعد تخصيصها و لاضرورة الى التخصيص لماسنبينه . الثالث ان الذي تكنه القلوب من اعمال القلوب و الايمان سواء في الخفاء فاذا جعل الله لبعض خلقه امارة على اعمال القلوب الخفية الزائدة على الايمان فلا بد ان يجعل له دليلا على الايمان و انما الجأ القاضي الى هذا ان من

يخرجه

يخرجه الله بغير شفاعة لابد ان يكون الايمان فى قلبه و هذا صحيح لانه لايتعين ان يكون من هذه الامة. و اما ماتمسك به من ان الايمان لايتجزى لجمهور السلف على انه يزيد و ينقص و حقيقته غير متجزية و ليس هذا محل تحقيق ذلك

نعم لابد فى الرد على القاضى من تحقيق ان الايمان القائم بالقلب يقبل القوة و الضعف و الا فيصح ما قاله. القول الثانى ان المراد من قال لااله الا الله من غير هذه الامة قاله ابوطالب عقيل بن عطية و هو الصحيح عندى و العلم عندالله تعالى تمسكا بدلالة الالفاظ فانه لم يقل من امتى و قد سبق انه قال مابقى فى النار الا من حبسه القرآن و الظاهر ان المراد من أمته اى لم يبق منهم احد فيكون النبى صلى الله عليه و سلم طلب بعد ذلك ان يؤذن له فى غير امته ممن قال لااله الا الله فقيل ليس ذلك اليك و الداعى له الى طلب ذلك كمال شفقته على الخلق مع اطلاق قوله تعالى اشفع تشفع مع كونه اقيم مقام البسط و الادلال و مع ذلك لم يقل النبى صلى الله عليه و سلم الا ائذن لى اى ائذن لى فى ان اشفع لانه لايشفع عنده الا باذنه. فتنبه لهذه الدقيقة فان فيها محافظة على اطلاق قوله تعالى اشفع تشفع و ان شفاعته صلى الله عليه و سلم لاترد

ثم اعلم ان قوله لااله الا الله من جملة العمل و قد سبق فى الاحاديث انه تعالى يخرج برحمته قوما لم يعملوا خيرا قط فاما ان يكون المراد لم يعملوا خيرا زائدا على الايمان او يكون المراد قول لااله الا الله بالقلب و ان لم ينطق بها بلسانه فان كان ذلك كافيا فى الملل المتقدمة فى الايمان صح الحمل عليه و ان كان النطق شرطا كما هو عندنا فيحمل على من تعذر منه النطق .

فصل

قال القاضي عياض قد عرف بالنقل المستفيض سؤال السلف الصالح رضى الله عنهم شفاعة نبينا صلى الله عليه و سلم و رغبتهم فيها و على هذا لايلتفت الى قول من قال انه يكره ان يسأل الله تعالى ان يرزقه شفاعة النبي صلى الله عليه و سلم لكونها لاتكون الاللمذنبين فانها قد تكون كما قدمنا لتخفيف الحساب و زيادة الدرجات ثم كل عاقل معترف بالتقصير محتاج الى العفو غير معتد بعمله مشفق ان يكون من الهالكين ويلزم هذا القائل ان لايدعو بالمغفرة و الرحمة لانها لاصحاب الذنوب و هذا كله خلاف ما عرف من دعاء السلف و الخلف .

فصل فى المقام المحمود

قال القاضي عياض ذكر مسلم من حديث جابر المقام المحمود انه الذي يخرج الله به من يخرج من النار ، و مثله عن ابى هريرة و ابن عباس و ابن مسعود رضى الله عنهم و غيرهم .

وقد روى فى الصحيح عن ابن عمر ما ظاهره انها شفاعة المحشر قال فذلك يوم يبعثه الله المقام المحمود عن حذيفة و ذكر المحشروكون الناس فيه سكوت لا تكلم نفس الا باذنه فينادى محمدا صلى الله عليه وسلم فيقول لبيك و سعديك و الخير فى يديك الى آخر كلامه قال فذلك المقام المحمود . و عن كعب بن مالك يحشر الناس على تل فيكسونى ربى حلة خضراء ثم يؤذن فاقول ما شاء الله ان اقول فذلك المقام المحمود .

قال و الذى يستخرج من جملة الاحاديث ان مقامه المحمود هو كون آدم و من دونه تحت لوائه يوم القيامة من اول عرصاتها الى دخولهم الجنة و اخراج من يخرج من النار فاول مقاماته اجابة المنادى و تحميده

وتحميده ربه وثناؤه عليه بما ذكر وبما ألهمه محامده، ثم الشفاعة من اراحة العرض وكرب المحشر وهـــذا مقامه الذى حمده فيه الاولون والآخرون ثم شفاعته لمن لاحساب عليه من امته ثم لمن يخرج من النار حتى لا يبقى فيها من فى قلبه مثقال ذرة من ايمان ثم بتفضل الله تعالى باخراج من قال لا اله الا الله ، من لم يشرك بالله شيئا ولايبقى فى النـار الا المخلدون وهذا آخر عرصات القيمة ومناقل الحشر فهو فى جميعها له المقام المحمود بيده فيها لواء الحمد صلى الله عليه وسلم .

فصل

قوله صلى الله عليه وسلم أعطيت خمسا لم يعطهن احد من الانبياء قبلى ، وذكر من جملتها أعطيت الشفاعة مع قوله صـــلى الله عليه وسلم لكل نبي دعوة مستجابة وانى اختبأت دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة يستفاد منه ان الشفاعة التى اعطيها وخص بها عن الانبياء غير الشفاعة التى ادخرها لامته لانها دعوة شاركوه فى جنسهـا ، والاولى ، هى العظمى وهى اما الشفاعة فى فصل القضاء او العموم بالتقرير الذى سبق وانه صاحب الشفاعة وكل الشفعاء داخلون فى شفاعته ، والثانية ، هى الشفاعة فى اخراج المذنبين من النار كما يشير اليه قوله أترونها للمؤمنين المتقين لا ولـكنها للمذنبين المتلوثين الخطائين .

خاتمة

نختم الكتاب بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بالالفاظ التى وردت مأثورة فى الاحاديث كل لفظ عـلى حدته ولانذكر منها الا ماروى وكل لفظ من الفاظ الصلوة وجدته فانقل انه مروى عن النبي صلى الله عليه وسلم وقد جمع ذلك كله ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن بن على بن

عبدالرحمن النمیری فی کتاب (الاعلام بفضل الصلوة عـلى النبی علیه الصلوة و السلام) .

اللهم صل على محمد و على آل محمد کما صلیت على آل ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت عـلى ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم صل على محمد و على آل محمد کما صلیت على ابراهیم انك حمید مجید و بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت عـلى ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم صل على محمـد و على آل محمد کما صلیت عـلى ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت على آل ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم صل على محمـد وآل محمد کما صلیت عـلى ابراهیم انك حمید مجید و بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت على آل ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم صل على محمد و على آل محمد کما صلیت على ابراهیم وآل ابراهیم انك حمید مجید و بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت على ابراهیم وآل ابراهیم انك حمید مجید .

اللهم صل على محمد و على آل محمد کما صلیت على ابراهیم و على آل ابراهیم و بارك على محمد و على آل محمد کما بارکت على ابراهیم و على آل ابراهیم انك حمید مجید و السلام علیك أیها النبی و رحمة الله و برکاته .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك و رسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد و آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامى و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و آل ابراهيم و بارك على محمد النبي الامى و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامى و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و بارك على محمد النبي الامى كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامى و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و على آل ابراهيم و بارك على محمد النبي الامى و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد، و فى رواية و آل ابراهيم فى الموضعين .

اللهم

اللهم صل على محمد كما صليت على آل ابراهيم .

اللهم بارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و آل ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت و باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم و بارك على محمد انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي و ازواجه أمهات المؤمنين و ذريته و اهل بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على آل محمد و بارك على محمد و على آل محمد كما صليت و باركت على ابراهيم و آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم. وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

وارحم محمدا وآل محمد كما رحمت آل ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد.

اللهم صل على محمد وعلى آل بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل علينا معهم .

اللهم بارك على محمد وعلى اهل بيته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم صلاة الله وصلوات المؤمنين على محمد النبي الامى ، السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

ذكر ذلك فى آخر التشهد من جهة الدارقطنى بسند فيه ضعف تفرد به

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم وتحنن على محمد وعلى آل محمد كما تحننت على ابراهيم وعلى آل

آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك و بركاتك على محمد النبي و ازواجه امهات المؤمنين و ذريته و اهل بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد.

اللهم اجعل صلواتك و رحمتك على محمد و ازواجه و ذريته و امهات المؤمنين كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد و على ازواجه امهات المؤمنين و ذيته و اهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد و بارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت و باركت على ابراهيم وآل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم، وفى رواية كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد.

هذا كله مروى عن النبي صلى الله عليه و سلم بأسانيد، منها صحيح و منها غير ذلك .

بعض ماحفظ عن الصحابة رضى الله عنهم و من بعدهم

عن عليّ رضى الله عنه اللهم داحى المدحوات وبارى المسموكات و بانى المبنيات و مرسى المرسيات و جبار القلوب على فطرتها شقيها و سعيدها و باسط الرحمة للمتقين اجعل شرائف صلواتك و نوامى زكواتك و رافة تحننك على محمد عبدك و رسولك الخاتم لماسبق و الفاتح لما اغلق و المعلن للحق بالحق و الدامغ جيشات الاباطيل كما حمل فاضطلع بامرك لطاعتك مستوفزا فى مرضاتك بغير نكل فى قدم ولا وهى فى عزم و اعيا لوحيك

حافظا لعهدك ماضيا على نفاذ امرك حتى اورى قبسا لقابس و آلاء الله تصل باهله اسبابه به هديت القلوب بعد خوضات الفتن و الا ثم موضحات الاعلام و منيرات الاسلام و دائرات الاحكام فهو أمينك المأمون و خزان علمك المخزون و شهيدك يوم الدين و بعيثك نعمة و رسولك بالحق رحمة، اللهم افسح له مفتسحا فى عدنك و اجزه مضاعفات الخير من فضلك له مهنآت غير مكدرات من فوز ثوابك المضنون و جزيل عطائك المحلول .

اللهم صل على بناء البنائين بناؤه و اكرام مثواه لديك و نزله واتمم له نوره و اجزه من ابتعاثك له مقبول الشهادة مرضى المقالة ذامنطق عدل و خطة فصل و حجة و برهان عظيم، اللهم اجعلنا سامعين مطيعين و اولياء مخلصين ، و رفقاء مصاحبين .

اللهم ابلغه منا السلام واردد علينا منه السلام .

عن ابن مسعود رضى الله عنه، اللهم اجعل صلواتك و بركاتك و رحمتك على سيد المرسلين و امام المتقين محمد عبدك و رسولك امام الخير و قائد الخير و رسول الرحمة .

اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه به الاولون و الآخرون .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد وآل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

عن ابن عمر رضى الله عنهما، اللهم اجعل صلواتك و بركاتك و رحمتك على سيد المرسلين و امام المتقين و خاتم النبيين عبدك ورسولك امام الخير و قائد الخير اللهم ابعثه يوم القيامة مقاما محمودا يغبطه الاولون

الأولون و الآخرون و صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و آل ابراهيم انك حميد مجيد .

عن الحسن البصري رحمه الله ، اللهم اجعل صلواتك و بركاتك على احمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك و بركاتك على آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد ، السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته و مغفرة الله تعالى و رضوان الله .

اللهم اجعل محمدا اكرم عبادك عليك و ارفعهم عندك درجة و اعظمهم خطرا و امكنهم عندك شفاعة .

اللهم اتبعه من امته و ذريته ما تقربه عينه و اجزه عنا خير ما جزيت نبيا عن امته و اجز الانبياء كلهم خيرا ، السلام على المرسلين و الحمد لله رب العالمين .

اللهم صل على محمد و على آله و اصحابه و اولاده و اهل بيته و ذريته و محبيه و اتباعه و اشياعه و علينا معهم اجمعين يا أرحم الراحمين .

سؤال المقعد المقرب يوم القيامة

عن النبي صلى الله عليه و سلم قال من صلى علي و قال اللهم اعطه المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له شفاعتي صلى الله عليه و سلم .

و ليكن هذا آخر كلامنا والحمد لله رب العالمين و صلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه و التابعين و سلم تسليما و حسبنا الله و نعم الوكيل .

تم طبع الكتاب بعون الله العلي الكريم

فهرست الابواب والفصول
لكتاب شفاء السقام

(٣١)

قد يوجد عندنا

جميع كتب

الدينية الدرسية وغير

الدرسية بالعربية والفارسية والاردوية

بثمن رخيص

الیواقیت والجواہر
زیر طبع

تصنیف لطیف:

سیدنا عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ نورانی

مترجم: صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری

الصارم المسلول علی شاتم الرسول
زیر طبع

امام ابن تیمیہ

مترجم

علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ لاہور


لاجواب تحقیق
استعانت
نغمۂ رومی
جرنیل صحابہ
صحیفہ غوثیہ
قصیدہ غوثیہ
فہم القرآن
قلندر مست
شادی کا انسائیکلوپیڈیا
مناقب علی
نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور